Title – AL BURHAAN-O-FALSAFATUL QURAAN (Part-3,4).

Author – Rauf.

Publisher – Matba Israr Kareemi (Allahabad).

Date – 1338 H.

Pages – 212 + 110 + 20 + 24 + 12 + 12

Subjects –

هو المستعان

قل هاتوا برهانکم هذا ذکر من معی و ذکر من قبلی ان کنتم صادقین

البرهان و فلسفة القرآن

سنہ ۱۳۲۷ ہجری

حصہ سوم

مصنفہ مولانا بالفضل اولنا و بالعمل اتقانا المعروف بعبد الرؤف

ولد شیخ محمد یحیی بن شیخ نصیر الدین الصدیقی الموی الہ آبادی

مصنف دلائل فضائل الاسلام و صراط المستقیم و کتاب المحکم

در مطبع اسرار کریمی الہ آباد زیور طبع پوشید

تاریخ طبع براہین والبلاغ سنہ ۱۳۲۸ ہجری

برہان الاقوم آیات قرآن المحکم

نفس کی تعریف اور اُسکے اقسام اور اُسکے حدود و طبقات جذبات و خیالات

جب انسانی جذبات و صفات کے معاملے مین تعین حدود یا تعین قیود کا اطلاق ہوتا ہے تو اُن سے مراد ایسے قیود ہوتے ہین جن سے کوئی صفت کوئی قوت اور کوئی جذبہ ایسے طور پر کام مین لایا جا سکے جو اکثر پہلو سے مفید ثابت ہو اور فواید عامہ کے خلاف نہ جائے۔ رحم کرم حلم اور عفو وغیرہ نیک صفات اور غصہ ظلم و ستم انتقام وغیرہ تکلیف دہ و بد سمجھے جاتے ہین لیکن اگر ان دونون قسم کی صفات حدود و قیود جائز سے محدود و مشروط نہ ہون تو نیکیون سے برائیون کی تعداد بہت بڑھ جاوے۔ فیصلہ کرنے والے جرایم کے ثابت ہونے پر اگر رحم کرین اور اُن کے دلون مین رحم کی لہرین جو اُٹھا کرتی ہین اگر اُن کو کام مین لا دین تو امن و امان و آسایش عامہ باقی نہ رہین جس کی کفیل عدالتین اور قوانین شرعی و ضوابط سیاسیہ ہین۔ دوسرا رُخ بھی دیکھو۔ غصہ جوش اور انتقام کی کیا کبھی ضرورت نہین پڑتی کیا کبھی اُنہین مناسب حدود کے اندر اور مناسب شرایط کے ساتھ کام مین نہین لانا پڑتا کیا کبھی مجرمون کو سزا دینے کو ہماری ضروریات ہمارا تمدن ضروری نہین سمجھتا۔ ان مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی صفات اور قوتین اور جذبات اُسی وقت بہتر ہین جب اُن کا استعمال برتاو شرایط اور حدود مجوزہ کے ماتحت یا مطابق کیا جاوے جب تک کوئی قوت کوئی جذبہ کوئی صفت بتعین حدود استعمال مین نہ لائی جاوے تب تک وہ فایدہ مند و نیک نہین۔ ان حدود اور ان شرایط کے تعین اور تنقید کے واسطے

ہمین نیک ارادہ کی بہی ضرورت ہے۔ چونکہ انسان مین اُس کا نفس ہی حاکم ہوتا ہے اور بغیر ضبط کے تعامل و تصاحب ہموار و آسان نہین ہوسکتا لہذا جب تک نفسیات کے بعض اہم مسایل نہ سمجھ لیئے جاوین کوئی شخص مقصد مذکور کو کماحقہ سمجھ کر پورا نہین کرسکتا۔ پس مختصراً ضروری مسایل نفسیات بیان کیئے جاتے ہین۔ منطقی حیثیت سے کسی شے کی تعریف کے یہ معنے ہوتے ہین کہ مجہول ہستی کو معروف ہستی مین اور عام کو عام تر کلیہ کے واسطے روشناس کیا جاوے لیکن جو شے خود ہی معروف ہو اور اعم الاعمات کا درجہ رکہتی ہو اُس کے ذہن نشین کرنیکا یہ طریقہ ہے کہ اُس کے افعال و خواص کا استقصا کیا جاوے۔ ذہن یا نفس منجملہ اُن ہی معروف و اعم الاعمات کے ہے۔ انسان کو اپنی ذات کا یقین ہے وہ جانتا ہے کہ مین ہون تمام تجربات کا وہی سبب ہے تاہم اگر ایک کلیہ کی صورت مین نفس کی تقریبی تعریف کرنا چاہین تو یہ کہہ سکتے ہین کہ نفس اُس غیر مادی ہستی یا کیفیت کا نام ہے جس کے مظاہر معلومہ ہماری زندگی یا کم سے کم بیداری مین ہمارے تجربہ مین آیا کرتے ہین۔ حیات یا زندگی اُس تناسب خاص کا نام ہے جو ایک جسم عضوی اور اُس کے ماحول کے درمیان پایا جاتا ہے۔ (۱) نفس اور ماحول مین ہمیشہ باہمی تاثیر و تاثر فعل و انفعال کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب تک انسان اُس پر مطلع ہوتا رہے اُس کا نام شعور ہے اس تعامل کی دو صورتین ہین۔ ایک یہ کہ نفس بطور موثر کے اپنا اثر ماحول پر ڈالے دوسرے یہ کہ بطور موثر کے ماحول سے خود اثر قبول کرے۔ نفس کی اُس انفعالیت کو جسمین وہ متاثر ہوتا ہے احساس اور اُس کی فاعلیت کو جبکہ وہ دوسرون پر اثر کرتا ہے ارادہ کہتے ہین۔ نفس انسانی مین ایک ایسی خاصیت بھی

موجود ہے جو خود اپنے اوپر اور اپنے خیال پر اور دوسروں پر اور دوسروں کے خیال پر اثر کرتی ہے اُس کے اثر متعدد طرح پر ہوتے ہین آسمین سے یہ بھی ہے کہ شے غیر موجودہ موجود معلوم ہوتی ہے جیساکہ خواب مین قوت نفس کا اثر دوسرے شخص تک چھونیسے دم ڈالنیسے گھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے۔

نفس کی ایک جداگانہ نوعی کیفیت بھی ہوتی ہے جس کو وقوف کہتے ہین یعنے وہ کیفیت شعوری جو نفس کے فاعلیت وانفعالیت کے درمیان رابطہ کا کام دیتی ہے۔ ایک قلیل جماعت یہ دعوے کرتی ہے کہ مفردات شعور صرف دو ہین وقوف اور احساس۔ ارادہ کوئی ذہن کا مستقل عنصر نہین بلکہ انھی دونون کیفیات سے مرکب ہوتا ہے جس کی تحلیل کیفیات وقوفی واحساسی مین کرسکتے ہین۔

(۲) کیفیات نفس کو ہم ان عنوانات ذیل کے تحت مین رکھہ سکتے ہین۔ (الف) نفس انسانی کی وہ حالت جس مین غم ونشاط سے قطع نظر کرکے ہمین کسی شے کا مطلق علم حاصل ہوتا ہے مثلاً ہمارے سامنے دو رنگین چیزین رکھی ہین ہم نے اُنہین دیکھکر یہ حکم لگایا کہ اُن مین ایک سُرخ ہے اور دوسری سیاہ تو اس موقع پر کوئی انقباض یا انبساط نہین ہوا بلکہ ہم نے محض امتیاز سے کام لیا۔ اس قسم کی کیفیات کو جس مین محض قواے عقلی متاثر ہون کیفیات وقوفی یا محض وقوف کہتے ہین۔ (ب) وہ کیفیات نفسی جن مین علم وادراک کے ساتھہ وجدان پر بھی اثر پڑتا ہے یعنے ایک خوشگوار یا ناگوار اثر سے بھی متکیف ہوتے ہین۔ اس نوعیت کے تمام تغیرات ذہنی کو جس مین وجدان متاثر ہوتا ہے کیفیات احساسی یا خالی احساس کہتے ہین۔ (ج) وہ کیفیات نفسی جن مین نفسانی تاثیرات

خارجی سے متاثر ہونے کے بجاے خود اثر ڈالتا ہے مثلاً ہمارا اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ ان تمام کیفیات بالقصد انسانی کو کیفیات ارادی یا صرف ارادہ کہتے ہین۔ اور مجموعی کیفیات کا نام شعور ہے۔ (۳) انتخاب اصلح و تزاحم فی الحیات کے جاذب و دافع ایجاب و سلب کون و فساد خیر و شر مد و جذر نور و ظلمت خرق و التیام اجتماع و انتشار متضاد قوتین ہین جو اپنا عمل کیا کرتی ہین۔ کاینات نام ہے انھی تزاحم و کشاکش کا۔ (۴) ایک حیثیت سے انسان مستقلاً وجود شخصی رکھتا ہے دوسری حیثیت سے وہ مجموعہ انسانی کا ایک فرد اور بحر اجتماعیہ کا ایک قطرہ ہے تیسری حیثیت سے توالد و تناسل کے ذریعہ سے اپنے ہمجنس کو میدان شہود مین لے آنے کی قابلیت اُس مین موجود ہے۔ ثبات عقل و صحت نفس کی حالت مین علی العموم انفرادی منافع و مضار اجتماعی و نسلی منافع و مضار کے تابع اور اُن سے مغلوب رہتے ہین۔ (۵) انبساط نام ہے معتدل ورزش اعصاب کا اور انبساط کا اطلاق اُس پر اُسی وقت تک ہو سکتا ہے جب تک اُس مین اعتدال قایم ہے۔ اور جہان انبساطی کیفیت اپنے حدود سے متجاوز ہوئی وہ بجاے خود کرب و الم بجاتی ہے۔ اطمینان سکون چین کل راحتون کے حدود مقرر ہین لیکن اضطراب بیکلی و کرب کے معین نہین ہین۔ کوئی حیات انسانی آلام و تکالیف سے قطعاً پاک نہین رہ سکتی کیونکہ حیات عبارت ہے مجموعہ حرکات سے اور حرکت نام ہے انتشار سالمات کا جو مرادف ہے انقباض و کرب کے اس لئے ہر ذی حیات کے لئے کرب و اذیت ناگزیر ہے اور چونکہ حیات انسانی لازمی طور پر حیات اجتماعی و معاشرتی ہوتی ہے اور حیات اجتماعی و معاشرتی ممکن نہین تا وقتیکہ افراد کی زادگی

افعال محدود نہ کیئے جاوین - اور اسی تحدید حریت کا نام احساس کرب ہے - اس لئے بھی درد و الم حیات انسانی مین ناگزیر ہے - (۶) احساس کے دو رخ ہین - ایک حظ و انبساط - دوسرا الم و انقباض - جس وقت تک وہ سادہ مفرد بسیط حالت مین رہتا ہے احساس کہلاتا ہے اور جب پیچیدہ مرکب یا مخلوط شکل اختیار کر لیتا ہے تو جذبہ کے نام سے موسوم ہوتا ہے - (۷) ہر جذبہ کے تکوین کے لئے لازمی ہے کہ انسان کو پہلے واقعہ کا علم ہوے جسکو وقوف ہی نہین ہوتا اُس پر جذبہ بھی طاری نہین ہوتا - یہ ضروری نہین کہ خارج ہی سے علم حاصل ہو بلکہ خود مراکز عصبی کے براہ راست تحریکات کی کیفیت محصلہ کو بھی علم کہہ سکتے ہین - (۸) ہر جذبہ کی تکوین کے لئے لازم ہے کہ اُس وقت نفس کسی قوی تر جذبہ سے متاثر نہ ہو یعنے قوی تر جذبہ اگر مزاحم ہوگا تو کمزور جذبہ کی تکوین نہ ہو سکے گی - (۹) جذبہ اور وقوف مین نسبت معکوس ہوتی ہے یعنے جیسا جذبہ قوی ہوتا ہے اُسی نسبت سے قواے متفکرہ ماند ہوتے ہین (۱۰) جذبہ سے جب تک انسان متاثر رہتا ہے اُس کے بنا پر عمل کرتا ہے اور دوسرے کامون کو چھوڑ دیتا ہے یہان تک کہ غصہ کی افراط کی حالت مین اُس پر بھی غصہ ہوتا ہے جو غصہ کا سبب نہین ہوا - (۱۱) انحطاط جذبات کی رفتار بالعکس ہوتی ہے جو جذبات سب سے آخر مین پیدا ہوتے ہین وہی سب سے اول فنا ہوتے ہین اور جو سب سے اول مین پیدا ہوتے ہین وہ سب سے آخر مین فنا ہوتے ہین - (۱۲) طبقات جذبات کو عنوانات ذیل مین رکھہ سکتے ہین - (۱) وہ جذبات جن سے عیانت حیات براہ راست والبستہ ہے انہین

استشہاآت کہتے ہین۔ مثلاً بھوک و پیاس اور نیند وغیرہ۔ (۲) وہ جذبات جو صیانت مین بالواسطہ معین ہوتے ہین۔ مثلاً غم و مسرت و خوف اور غضب اگر وہ نہ ہون تو حیات انسانی تا دیر قایم نہ رہ سکے۔ (۳) وہ جذبات جن پر افزایش نسلی اور تربیت اولاد منحصر ہے۔ مثلاً شہوت جنسی و محبت زوجی اور محبت والدین۔ (۴) وہ جذبات جن کا مقصد اجتماعی و عمرانی تعلقات اصلیہ کو قایم رکہنا ہے۔ مثلاً جذبہ الفت و ہمدردی و ایثار و فیاضی وغیرہ (۵) وہ جذبات جو شعور کے لئے گویا صرف تکلفات کا کام دیتے ہین یعنے جن کے اوپر صیانت حیات نہ براہ راست مشروط ہے نہ بالواسطہ مثلاً شوق تحقیقات۔ (۱۳) حظ و الم جب جذبات کی صورت اختیار کر لیتے ہین تو غم و مسرت یا فرح و حزن کہلاتے ہین۔ افراط غم سے انسان مایوس و ناامید و بیمار و ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کی قوتین بیکار ہو جاتی ہین اور افراط مسرت سے آدمی بے پروا اور از خود رفتہ فخر بیجا کرنے والا ہو جاتا ہے اور حرکات ناشایستہ اس سے ہونے لگتی ہین اور صحت و قوت کو بھی اس سے مضرت پہنچتی ہے۔ (۱۴) جسمانیات صورتین ہین اور ہمارے خیالات انہی صورتون کے صور ہین اور تقریر و تحریر یا اشارات جن سے کچھ انسان ظاہر کرتا ہے موخر الذکر صورتون کی صورتین ہین۔ اگر معلومات انسانی کی جانچ کیجاوے تو صاف نظر آوے گا کہ وہ یا تو ایسے تصورات ہین جو فی الواقع آلات حس پر مرتسم اور منقش ہوئے ہین یا تو خود اپنے نفس کے جذبات و افعال پر توجہ کرنے سے ان کا ادراک ہوتا ہے یا پھر حافظہ و تخیل کی مدد سے انہین

دو صنفوں کی باہمی ترکیب و تحلیل یا بعینہٖ اعادہ سے بنتے ہیں - واقعات کا ظہور ناممکن ہوتا اگر جسمانیات صورت نہ ہوتے اور اجرام اور حواس ظاہری سے محسوس نہ ہوتے اُن کا خالق ہمارا نفس نہین ہے ہم اپنے قلبی ارادہ سے مثالی صورتوں کو مٹا یا بھلا سکتے ہین لیکن دیگر ممکنات و جسمانیات کو مٹانے سے عاجز ہین بلکہ یہ بھی نہین کر سکتے کہ اُن کا عکس جو مرتسم ہو گیا ہے اور ہمارے آئینہ قلب پر منقش ہے اُس کو محو کر دین - ایک بار جو کچھ ہم نے بالارادہ یا بلا ارادہ محسوس کیا قلب پر اُس کی تصویر ہو گئی اور وہ قلب مین ودیعت ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ کسی وقت خواب مین بھی اُس کا نظارہ ہو بہو پیش نظر ہو - قلب ایسی لوح ہے جس پر محسوسات کا نقش ہو جاتا ہے -

ارادہ احساس پر مشروط ہے اگر احساس نہ ہو تو ارادہ نہ ہو سکے اور محض احساس ہی کافی نہین بلکہ اُس کے ساتھ احساس کا علم بھی اور اُسکی مختلف صورتوں کا امتیاز اور کئی چیزین پائی جاتی ہین جس کو وقوف کہتے ہین اور کیفیت وقوفی نفس کے فاعلیت و انفعالیت کے درمیان رابطہ کا کام دیتی ہے -

ارادہ و خواہش کے تعلقات و عقل کا اثر

عقلمند ارادہ کرنے سے پہلے گذشتہ تجربات پر غور کر کے ارادہ کرتا ہے اور دراصل صحیح ارادہ وہی ہے جو غور و فکر کرنے و عقل و تجربہ سے مدد لینے کے بعد اپنے قصد و ارادہ سے کیا جاوے -

اعلیٰ درجہ کی قوت ارادہ دو یا دو سے زائد مقاصدین سے کسی ایک کے انتخاب

کرنے مین ظاہر ہوتی ہے۔
غور کے وقت انسان کے تاثرات و جذبات اور خواہشات مین جب جوش ہوتا ہے تب خواہشات مین تناقض اور جھگڑا ہوتا ہے اور انسان کی قوت فیصلہ اُن مین سے کسی ایک کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ وحشی کا ارادہ خواہش کا اور عاقل کا عقل کا تابع ہوتا ہے۔ دارمدار انسان کی تعلیم اور طرز عمل کے حسن انتظام پر ہے خصوصاً اپنی طبیعت اور میلان کے اصلاح پر۔ خواہش و ارادہ کے تعلقات کی نسبت علماء و حکمار کی مختلف رائین ہین بعض کہتے ہین کہ جو خواہش سب سے آخر اور سب سے قوی ہوتی ہے وہی ارادہ بنجاتی ہے۔ وہ ایک ایسے لوہے کے مانند ہے جس کے چارون طرف خواہشات کا مقناطیس رکھا ہے جس مقناطیس مین زیادہ قوت ہوگی وہی اُس لوہے کو کھینچ لیگا۔
انسان کے اعمال دماغی و اخلاقی اُن خارجی موثرات اور ساخت کا لازمی نتیجہ ہین جنکے ساتھہ وہ پیدا ہوا اور جن کے ساتھہ وہ ہے۔ جو علمار و حکمار ارادہ کے حامی ہین وہ کہتے ہین کہ ارادہ خواہش کا محکوم نہین اگر ارادہ پر خواہش کا قوی اثر پڑتا ہے تو ارادہ بھی خواہشات پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہین رہتا اور انسان کا ارادہ صرف لذت و آلام کا غلام نہین۔ انسان ایسے کام بھی کرسکتا ہے جن کو وہ پسند نہین کرتا اور وہ خواہش کی حاکمانہ قوت معطل کرسکتا اور طبیعت کے ناواجب اثرون کو روک سکتا ہے اور صرف فرض ادا کرنے کے خاطر ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس سے بہت کم خوشی کی اُمید ہوتی ہے۔ جو پسند ہو اُس کو اختیار کرتا ہے اور باقی کے نسبت رد کرنے کی قوت کو عمل مین لاتا ہے۔ پس انسان مین دوسری

تحریکون کو رد کرنے اُن کو پامال کرنے اور اُن کی قوت کو زایل کرنے کی طاقت ہے مشق سے قوت ارادی اُسی طرح بڑہتی ہے جس طرح تن آسانی سے خواہشات قوی ہوجاتی ہین۔ انسان مین انتخاب کی قوت ہے اگر اُس کے دل مین یہہ یقین ہو کہ اُس کو عمل پر اختیار ہے تو وہ بعض سے شرمندہ اور بعض سے خوش نہ ہو۔ ارادہ خواہش شوق ہمت یہ پانچ کیفیات بظاہر مترادف معلوم ہون لیکن کوئی صحیح ترادف اِنمین نہین ہے انمین کبھی کبھی عملی رنگ مین برائے نام مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہمت ارادہ کا پہلو بھی لیتی ہے۔

عقل یا حکم عقل - عقل وہ قوت ہے جس سے آدمی کسی چیز مین کسی صفت کے ہونے کا حکم کرتا ہے۔ اگر زید کہے کہ خالد حسین ہے تو زید کی وہ قوت جس نے خالد کے طرف اُس کے حُسن کا حکم کیا زید کی عقل ہے۔

جملہ خالد حسین ہے اگر اُس کا تشریح کرین تو عیان ہوگا کہ حکم مذکور کے لئے زید کو خالد کا تصور ہوا اگر زید کو کبھی خالد کا تصور نہ ہوا ہو یا ہونے کے بعد بھول گیا ہو تو زید خالد کے کسی صفت کا حکم نہین کرسکتا۔ خالد کے تصور کے علاوہ محمول کا تعقل بھی زید کو ضروری ہے اگر زید کو معلوم نہ ہو کہ حُسن کیا ہے تو وہ کبھی خالد کو حسین بطور قضیہ موجبہ کے نہین کہہ سکتا۔ حکم لگانے مین موضوع کا تصور اور محمول کا تعقل جدا جدا کافی نہین۔ جب زید نے خالد مین حُسن کا ادراک کیا ہو تب ہی وہ خالد کے حسین ہونے کا حکم لگاوے گا۔ واقع مین محمول موضوع ہی مین ہوتا ہے۔ شخصی تجربہ سے آدمی اُسے ادراک کرتا ہے اور جانکر بالارادہ حکم لگاتا ہے کہ موضوع مین محمول موجود ہے۔ متصور موضوعون کے طرف

مدرک یا تو کوئی محمول منسوب کرتا ہے یا کسی محمول کو جو اُس کو موضوع مین ادراک نہین ہوا اسلاب کرتا ہے۔ معقول موضوعون پر آدمی یہ حکم لگاتا ہے کہ وہ کسی اعم تر معقول مین داخل ہین۔ سرخی رنگ ہے اس کے یہ معنے ہین کہ سرخی کا مفہوم رنگ کے اعم تر مفہوم مین داخل ہے یا کہ کسی معقول مین داخل نہین جیسے سرخی بو نہین۔ اس کے معنے یہ ہین کہ بو کا مفہوم جداگانہ ہے اُس مین سرخی کا مفہوم داخل نہین ہے۔ جب کوئی چیز حواس کے ذریعہ سے آدمی مین خاص اثر کرتی ہے اور آدمی کو اُس اثر کا شعور ہوتا ہے اُس شعور کو ادراک کہتے ہین حکم لگانے کے لئے ادراک کا ہونا ضرور ہے ادراک نہ ہو تو حکم لگانا محال ہے۔ ادراک مین آدمی کو فقط اپنے نفس کا تغیر ہوتا ہے اور کسی چیز کا نہین ہوتا اور اپنے نفس کے اُس تغیر سے وہ چیزون پر حکم لگاتا ہے اور عرف مین اُس مدرک کو چیزونکی صفت کہتے ہین۔ اسی خاص تغیر کے ادراک یا شخصی تجربہ کے وجہ سے زید حکم کرتا ہے کہ یہ تغیر خاص اُس مین کسی موثر نے کیا ہے۔ ایک بار ایک موثر کے تغیر پیدا کرنے سے آدمی اُس تغیر کی تعین نہین کر سکتا جب ایک ہی موثر چند بار ایک ہی سا تغیر پیدا کرتا ہے تب آدمی اُن متعدد تغیرات حالیہ اور ماضیہ کو ملا کر اُس موثر کا یقین کرتا ہے جب آدمی کے نفس مین کوئی تغیر خاص مطابق واقع کے پیدا ہون اُس تغیر کے بنا پر کسی موضوع کے طرف کوئی محمول منسوب کرے تب قضیہ معنویہ ہوتا ہے اگر بلا تغیر خاص اور مطابق واقع کے حکم لگاوے تو قضیہ لفظی ہوتا ہے۔ مختلف آدمیون کی مختلف ذہنی قوتین ہوتی ہین اور باہم نسبتاً کم و بیش ہوتی ہین کسیکو انتقال ذہنی جلد ہوتا ہے کسی کا فہم و ذکا زیادہ رسا ہوتا ہے کوئی سنجیدہ ہوتا ہے

کوئی ذہن کوئی سب قوتوں میں زیادہ قوی ہوتا ہے کسی میں یہ حالت ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسمیں بالکل قوت ہی نہیں اس وجہ سے مختلف نام مختلف قوتوں کے رکھتے ہیں چونکہ وہ جدا جدا نہیں ہیں لہذا اُنکا بیان طوالت ہے۔ قوت فیصلہ و قوت تصور و حافظہ کا صحیح ہونا بہت مفید و بڑی نعمت ہے۔ تفقہ و تذکر و تدبر وغیرہ کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے۔

شخصی و نوعی تجربہ۔ جو تغیر حالی کسی تغیر پیدا کرنے والے سے آدمی میں پیدا ہوتا ہے وہ کیفیت نفس و شخصی تجربہ ہے کسی دوسرے کے کہنے سے وہ تغیر پیدا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جو حس اُس کا ذریعہ ہے اگر وہ حس نہ ہو تو وہ تغیر نہیں پیدا ہو سکتا مثلاً اندھے میں دیکھنے سے جو تغیر خاص ہوتا ہے وہ پیدا نہیں ہو سکتا اور صورت و رنگ جو بینا میں تغیر پیدا کرتے ہیں وہ تغیر اندھے میں نہیں پیدا کرتے اسی وجہ سے اصلی علم حس کو عین الیقین کہتے ہیں وہ بغیر پیدا ہونے تغیر خاص یعنی شخصی تجربہ کے پیدا نہیں ہو سکتا یہی تغیر خاص مبدا رہے علم بشری کا اور تمام علوم و فنون و ادراک و شعور کا اُس تغیر خاص کی وجہ سے وجود ہے بغیر اسکے جب وجود یا عدم وجود کا حکم شخص مدرک لگاتا ہے تب اُس حکم میں ممکن ہے کہ غلطی ہو یعنی اپنے محسوس کردہ کے طرح عین الیقین نہیں ہوتا بلکہ قیاس ہوتا ہے پس نفس کی باقی سب وہ حالتیں جنکو علم کہتے ہیں قیاس ہیں جن کا وجود یا عدم وجود تغیر خاص سے استنباط کرتے ہیں۔

آدمی میں جو تغیر ہوتا ہے وہ اُس کو یاد بھی رہتا ہے مگر بھولنا ممکن ہے اگر تغیرات یاد نہ رہتے ہوتے تو کوئی آدمی کبھی کسی حالی تغیر سے کوئی حکم سوا اس کے

کہ کوئی متغیر تغیر پیدا کر رہا ہے لگا سکتا نہ کسی چیز کا اُس کو تصور ہوتا نہ کسی صفت کا اگر ملمس مزے - بو - رنگ - صورت جن کا ادراک ہو چکا ہو یاد نہ رہین تو آدمی ہرگز کسی چیز کو جس نے اُسے ملمس یا مزے یا بو یا رنگ یا صورت کا ادراک پیدا کیا ہو معین نہین کر سکتا - پس جب کسی آدمی مین حواس کے ذریعہ سے کسی موجود خارجی سے تغیر خاص ہو تو اُس کو شخصی تجربہ کہتے ہین - علوم صحیحہ کے تمام اولیات اُس نوعی تجربہ پر مبنی ہین جن کے خلاف کبھی شخصی تجربہ نہین ہوتا مگر وہ صرف یہ بتاتا ہے کہ خلاف نہ ہوگا خلاف کا محال ہونا نوعی تجربہ بتاتا ہے اولیات کے نسبت بعض محققین کی راے ہے کہ وہ نتیجہ اسباب طبیعی کا تو ضرور ہین مگر تجربہ نوعی کا اثر نہین ہین معلوم نہین اُس کی واقعی علت کیا ہے اسی نوعی تجربہ کے تمام بنی نوع انسان مین موجود ہونے کی وجہ سب کی معلومات صحیحہ بھی یکسان ہین ممکن ہے کہ ذاتی تجربہ کا تواتر و تصادق ایسے یقین کا سبب ہو -

خواہش و اغراض علم الاخلاق - یہ متنازعہ فیہ نہین کہ آدمی کو اگر ایسے کام کرنے کی خواہش ہو جو وہ کر سکتا ہے اور کوئی مانع نہ ہو تو وہ اُس کام کو کر دے گا یعنے کسی ارادی فعل کی خواہش پیدا ہونے کے بعد اُس کا کرنا آدمی کے اختیار مین ہے بشرطیکہ اُس فعل کا کوئی مانع موجود نہ ہو - اختلاف اسمین ہے کہ خواہشون کا پیدا ہونا بھی آدمی کے اختیار مین ہے یا نہین - اس زمانہ مین اہل تحقیق کی راے ہے کہ خواہش کا پیدا ہونا ایسے طبیعی اسباب کا نتیجہ ہے جو آدمی کے اختیار مین نہین - کھانے پینے کی خواہش جن اسباب سے پیدا ہوتی ہے وہ آدمی کے اختیار مین نہین باقی ضروریات حیات کی بھی یہی حالت ہے

جب چند قوتین کسی جسم کے نقطۂ خاص پر عامل ہوتی ہین تب وہ جسم اُس جہت مین حرکت کرتا ہے جسمین اُن قوتون کا حاصل اُس جسم کو لیجاوے اور اگر اُن قوتون مین تقابل ہو اور حاصل صفر ہو تو وہ جسم کسی جہت مین حرکت نہین کرتا بلکہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہتا ہے - ایسا ہی انسان مین اگر متعدد خواہشین ہون تو اُن سب مین سے جو زیادہ قوی ہوگی فعل ارادی اُس قوی خواہش سے صادر ہوگا اور اگر سب خواہشون مین تقابل ہو کر صفر حاصل ہو تو اُن متعدد خواہشون سے کوئی ارادی فعل صادر نہ ہوگا -

یہ کہنا کہ آدمی مین خواہش پیدا کرنا اُس کے اختیار مین ہے کلیہ علت اور معلول سے اُس کو نکال دیتا ہے اور یہ محال ہے کیونکہ خواہش انسانی حادث ہے اور حادث بے علل سابقہ کے موجود نہین ہو سکتا - یہ بحث علم النفس یا علم ما بعد الطبیعت کی ہے - علم الاخلاق کے لئے یہ کافی ہے کہ آدمی ارادی فعل کے خواہش پیدا ہونے کے بعد کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اُس کے مطابق عمل ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو پس انسان اغراض علم الاخلاق کے لئے فاعل مختار ہے -

دلایل و اقسام دلایل و طریق دلایل و یقین - ایک امر سے دوسرا نتیجہ نکالنا اور نتیجہ پر تیسرا مسئلہ قایم کرنا دلیل ہے - دلیل جدلی مرکب ہوتی ہے مشہورات و مسلمات سے یعنے دوسرا فریق جن باتون کو مسلم سمجھتا یا جن مشہور باتون کو صحیح سمجھتا ہو اُن سے یہ دلیل مرکب ہوتی ہے اور انہین کو مقدمات دلیل بناتے ہین جدلی دلیل سے بھی بعض اشخاص کو تسکین ہو جاتی اور یقین

آجاتا ہے اسیطرح دلیل خطابی یا خطبی مرکب ہوتی ہے مقبولات ومظنونات سے
مقبولات جیسے اقوال بزرگان وغیرہ اس دلیل سے بعض کو تسکین ہوجاتی اور یقین
ہوجاتا ہے اور جو برہانی نہین ہوتے اُن کے لئے یہ دلیل زیادہ کار آمد ہوتی
ہے اسی دلیل مین شعری بھی شامل ہے جو مرکب ہوتی ہے تخیلات سے جیسے شعر
وغیرہ اور سفسطی بھی شامل ہے جو وہمیات ومشتبہات سے مرکب ہوتی ہے اور
چونکہ اُس کے مقدمات وہمی وغیرواقعی ہوتے ہین اور انہی سے وہ مرکب
ہوتی ہے۔ لہذا نتیجہ غلط وباطل ہوتا ہے۔ تیسری قسم کی دلیل
برہانی ہے۔ جو مرکب ہوتی ہے یقینات یا ظنیات سے یہ بھی کہا گیا ہے
کہ قیاسی ظنیات سے مرکب ہوتی ہے اور استقرائی یقینیات سے اگر کلیات سے
جزئیات نکالین تو اُس کو دلیل قیاسی کہتے ہین اور اگر جزئیات سے کلیات
نکالی جائین تو اُس کو دلیل استقرائی کہتے ہین۔ جب دو چیزین بعض حیثیات سے
ایک دوسرے کے مشابہ ہون اور اُن مین سے ایک کے ساتھ تیسری
چیز کا وجود لازمی طور پر پایا جاتا ہو تو اُسی اعتبار سے نتیجہ نکالنے کو دلیل تمثیلی
کہتے ہین جیسے اگر واقعہ مبحوث فیہ کی متعدد مثالون مین صرف ایک ہی چیز مشترک
ہو تو یہی چیز جو تمام مثالون مین قدر مشترک ہے اُس واقعہ کی علت سمجھی
جاوے۔ لیکن جسطرح حق پر ہوسکتا ہے اُسی طرح باطل پر بھی ہوسکتا ہے
صرف فرق یہ ہے کہ جو دلیل سچے اور صحیح مقدمات سے مرکب ہوتی ہے اُسکا
نتیجہ بھی سچا اور صحیح ہوتا ہے اور ایسی دلیل صحیح کے ذریعہ سے کوئی عاقل یقین
کر سکتا ہے [illegible] دلائل سے [illegible] امور کے یقین [illegible] نتیجہ کا اندیشہ

نہین ہوتا بخلاف اُس کے جو غلط مقدمات سے غلط نتیجہ پیدا ہو کر سبب یقین کا ہوتا ہے وہ دلایل و واقعات سے متزلزل ہو جاتا ہے۔ سچ کہا ہے کہ سانچ کو آنچ نہین۔ دلیل برہانی سمجھدار آدمیون کے لئے بالخصوص کام آتی ہے اور جدلی اور خطبی عوام و مجادلہ کرنے والون و عام طور پر تسکین و بند کر دینے کے کام مین آتی ہین۔ جن دلایل کے مقدمات آثار کسی امر کے ہوتے ہین اور اُن سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ یقین بالغیب یا ایمان بالغیب ہے پس حواس ظاہری کے ذریعہ سے براہ راست جو یقین یا ظن پیدا ہوتا ہے اُس کے علاوہ کل ایمان ایمان بالغیب ہین اور کل یقین یقین بالغیب۔

سچ سب کیلئے سچ ہے اور سچ کے دریافت کرنے کے ذریعے بھی سب مین ایک ہین۔ سچ کے معنی مطابق ہونے کے ہین۔ واقع کے مطابق ہونے سے یہ بھی مراد ہے کہ جو تغیر خاص ذاتی تجربہ سے شخص مدرک کے نفس مین ہوا ہے وہ مطابق ہے اُس مدرک کے جو خارج مین موجود ہے۔ اگر مدرک کی ذات مین کوئی تغیر پیدا ہوا ہو جیسے خواب یا جنون کی حالت مین پیدا ہوتا ہے اور وہ تغیر کسی خارجی مدرک کے مطابق نہ ہو تو وہ غلط اور واقعے کے خلاف ہے جب سچ مطابق واقع ہونے کا نام ہے تب ظاہر ہے کہ اُس سچ کے جان لینے کا ذریعہ سوائے تجربہ اور دلیل صحیح کے انسان کے پاس اور کوئی نہین ہے کسی دوسرے شخص کے کہنے اور خبر دینے سے سامع کو اُس بات کا عین الیقین نہین ہوتا الیقین مذکور جب ہی ہوگا جب سامع خود تجربہ کرے اور تجربہ سے معلوم کرے کہ جو کچھ خبر ملی ہے وہ وقع کے مطابق ہے۔ تجربہ کرنے سے پہلے سامع باور کرتا ہے

کہ قایل کا بیان واقع کے مطابق ہوگا وہ خود اپنے تجربہ سے حکم نہین لگاتا کہ واقع کے مطابق ہے۔ تسکین و یقین اعتبار سے بھی پیدا ہوتے ہین لیکن ذاتی محسوسات کے غلط ہونے کا احتمال ضعیف ہوتا ہے اور خبر کے نسبت الحزم سوء الظن کا پہلے استعمال مناسب ہوتا ہے تاہم ذاتی محسوسات کے نسبت خبر کو انسان موخر سمجھتا ہے۔ بہر حال دلایل برہانی مرکب ہوتی ہین یا اولیات سے جیسے کل بڑا ہوتا ہے اپنے جزو سے یا مشاہدات ظاہری سے جیسے آفتاب روشن ہے اور آگ جلاتی ہے۔ یا مشاہدات باطنی سے جیسے ہماری بھوک پیاس۔ یا فطریات سے جیسے چار کا عدد جفت ہے۔ یا مشاہدہ بالتکریر سے۔ مثلاً گھڑی رکھی ہے اور ہم بار بار دیکھتے ہین کہ وہ رکھی ہے اور ہمارے سوا دوسرے دیکھنے والے لوگ بھی دیکھتے اور سمجھتے ہین تو یقین گھڑی کے رکھے ہونے کا ہوتا ہے مشاہدہ بالتکریر کے اقسام مین مشاہدہ بآلات کو بھی شامل سمجھنا چاہیئے۔ یا استمرار سے یعنے کسی واقعہ کا ہمیشہ ایک حالت پر ہونا اور جب تک کوئی دوسرا جدید امر واقع نہو اُس کے برخلاف نہ ہونا۔ جیسے آفتاب کا وقت معین پر نکلنا اور ہلال کا زمانہ معین کے بعد بدر ہونا اور لکڑی کا آگ سے جل جانا اس صورت مین خواہ علت معلوم ہو خواہ نہ ہو لیکن ہمیشہ ایک حالت مین ہونے اور بغیر کسی جدید امر کے برخلاف نہ ہونے سے یقین پیدا ہوتا ہے اور وجہ اُسکی یا تو یہ ہے کہ روزانہ ایک ہی حالت مین دیکھنے سے تسکین ہوجاتی ہے اور پھر دلیل طلب کرنیکو طبیعت نہین چاہتی ہے یا یہ ہے کہ متواتر تجربات سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ بغیر کسی علت جدید کے کوئی واقعہ جدید نہین ہوتا اور جب تک علت موجود ہ

قایم رہے کوئی دوسرا تغیر نہین ہوسکتا۔ پس جبکہ علت کو غیر متغیر خیال کر لیتے ہین تو یقین اُس کے برخلاف نہین کرتے یا تجربات سے جیسے سقمونیا صفرا کے اسہال کا سبب ہوتی ہے یا حدسیات سے جیسے چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی سے مستفاد ہے یا متواترات سے جیسے اس خبر سے کہ مکہ ایک شہر ہے۔ یا استقراے محض سے یا استقراے نوعی سے یعنے جس کے جزو مین وہی صفات وخواص ہون جو اُس کے کل مین ہون جیسے زیادہ بھاری چیز جو پانی سے ہو وہ پانی مین ڈوب جاتی ہے اس لیے ہم کہتے ہین کہ جو چیز پانی سے بھاری ہوگی وہ پانی مین ڈوب جاوے گی یا استقراے لمی سے جب کہ اُس کے لیے کوئی دلیل لمی ہو جیسے حیوانی بناوٹ کے دیکھنے سے ہم جانتے ہین کہ دوسرے طور پر وہ حرکت نہین کر سکتے۔ پس ہم کہتے ہین کہ کل انسان او فیل او مثل ذالک الحیوانات تحرک فکہ الاسفل کہ کل انسان یا ہاتھی اور اُس کے مثل حیوانات اپنے نیچے کے دھڑ کے ذریعہ سے حرکت کرتے ہین لہذا جملہ امور وطریق جن سے یقین حاصل ہوتا ہے یہی ہین جو بیان ہوئے۔

کسی مسئلہ کی صداقت حاصل کرنے کے لئے ضروری امور یہ بھی ہین۔ (۱) احتیاط سے مشاہدہ کرنا یعنے تحلیل۔ (۲) اُن تمام اجزا کا جو تحلیل سے حاصل نہین ہوتے بلکہ فرضی ہین قبول نہ کرنا۔ (۳) مشاہدہ کی تائید مین تجربہ کا استعمال (۴) پرکھنے کے طریق کا استعمال اُس وقت کرنا جب کہ تحلیل کامل ہوچکی ہو۔ (۵) تحلیل وترکیب دونون طریق سے جانچ کرنا۔ حکیم ڈیکارٹ نے چار عام قواعد مقرر کئے ہین۔ (۱) جس امر کا صاف اور صحیح علم نہ ہو اُس کو درست نہ ماننا۔

(۲) جس شے کی تحقیق منظور ہو اُس کو اس قدر اجزا میں تقسیم کرنا جس قدر ممکن ہو (۳) خیالات بسیط سے خیالات مرکب کے طرف صعود کرنا۔ (۴) بہت ہی احتیاط سے اور بار بار کی کوشش سے معلوم کرنا کہ تمام اجزا ترکیب میں شامل ہیں تاکہ کوئی جزو یا یہ امکان چھوٹ نہ جاوے۔ قبل اس کے کہ علت قایم کریں یہ ثابت کرنا ضرور ہے کہ واقعہ زیر بحث حقیقت میں موجود ہے بعد اس کے ان امور کا خیال لازم ہے۔ (۱) ایک جزو دوسرے جزو کی تردید نہ کرتا ہو۔ (۲) اُس واقعہ زیر بحث کی توجیہ کامل طور سے ہو سکتی ہو۔ (۳) توجیہ کرنے کے علاوہ کسی اور دعوے مفروض پر مبنی نہ ہو۔ پس اس طرح عمل کرنا چاہیے۔ جبکہ اُن کے قوانین اچھی طرح پر ملحوظ نہیں کہ عمل کی بے قاعدگی سے نتایج غلط پیدا ہوتے ہیں

بدیہی یعنے اولیات اور نظری میں یہ فرق ہے کہ بدیہی عام تسلیم کے وجہ سے بدیہی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اُس کا اتفاقیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا دوسرے ہر وقت اور ہر جگہ صادق آتا ہے اور اُس کے خلاف ثابت نہیں ہوتا اور نظری لابد استدلال قابل تسلیم خاص کیلیے ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ نطق مابہ الامتیاز حیوانوں اور انسانوں میں ہے لیکن اگر نطق کے معنی محض زبان سے بولنے کے لئے جاویں جس سے کچھ سمجھا سکیں تو بعض حیوانات بھی بولتے ہیں اور اپنے نوع کو اپنی آواز سمجھا دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ فلسفہ ایک علم ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ فلسفہ دانشمندی و فراست ہے یہ اس واسطے کہا گیا ہے کہ ہر غیر مجنون انسان عقل رکھتا ہے یعنے استعداد عقل و قوت متفکرہ۔ لیکن علم اُس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ حواس ذریعہ نہ ہوں۔ لہذا عقل مقدم ہے اور علم موخر خواہش علم طبیعی یعنے طبیعت کے ذریعہ سے ہوتی ہے مگر خود علم طبعی نہیں ہے علم

عقل چلا پاتی او ترقی کرتی ہے لیکن علم پر اس کا انحصار نہین۔ عقل بجاے خود ایک قوت ہے جو قدرت کے جانب سے انسان کو عطا ہوئی ہے۔ جب کسی کو یہ کہتے ہین کہ فلان فلسفی ہے تو دوسرے الفاظ مین اُس کا مطلب یہہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب فراست و عقل و تفقہ و دانشمندی ہے۔ استعمال مین عالم عاقل کو اور عاقل عالم کو اور علم عقل کو اور عقل علم کو کہتے ہین بوجہ اس کے کہ ایک دوسرے کے ذریعہ ہوتے ہین لیکن جو فرق بیان کیا گیا وہ اُن کے مفہوم مین ہے۔ عقلی خیالات رکھنا خیالی فلسفہ ہے اور عملی منزل و عملی رنگ مین جانا عملی فلسفہ۔ خیالی فلسفہ خیالات کا مشق کراتا اور بہتر بناتا ہے۔ اور عملی فلسفہ خیالات کے جہت سے تمدنی اور معاشرتی و تہذیبی ضرورتون کو مہیا کرتا ہے۔ عملی فلاسفر خیالی فلاسفر کے بغیر گذارہ کر سکتا ہے لیکن خیالی فلاسفر عملی فلاسفر کی محنت کے بغیر نہین رہ سکتا۔ محض خیالی فلسفہ کے ذریعہ سے کوئی ملک اور کوئی قوم سرسبز و فارغ البال نہین ہوتی جبتک کہ عملی فلسفہ اُس مین شامل نہ ہو۔ تجارت بھی ایک عملی فلسفہ ہے۔ مذہب بھی ایک عملی فلسفہ ہے موچی۔ لوہار۔ بڑھئی کسی فن کا ماہر بننا سب عملی فلسفہ ہے۔ قدرت نے ہر شخص کو عقل دیا ہے کہ وہ بغیر غیر معمولی زیادہ علم کے بھی عقل سے کام لے سکتا ہے۔

بہت سی اشیاء ایسی ہین جن کو ہم خود نہین دیکھہ سکتے لیکن اُن کے اثرون کو دیکھہ سکتے و محسوس کر سکتے ہین اسی دلیل سے اُن کے وجود کا یقین کرتے ہین کیونکہ دنیا مین ہر بات اپنے نتایج اور اثرات کے لحاظ سے مانی جاتی ہے۔ اور اُس کی صداقت اور صحت کے لئے بہتر یہ صورت ہے کہ یہ جانچ لیا جاوے کہ ممکن الوقوع و مفید اور قابل عمل ہے یا نہین۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ دریا مین

ایسا ہی چل سکتا ہے جیسے زمین پر تو اُس کو اپنے دعوے کے ثبوت مین بجاے حجتون کے یہ چاہیئے کہ وہ دریا مین اُتر کر چلے اور ثابت کرے کہ اُس کا دعوے کہان تک صحیح ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کشش ثقل نہ نظر آتی ہے اور نہ کسی دوسرے حس سے معلوم ہوتی ہے اس لئے اُس کا وجود ہی نہین تو وہ مکان کے چھت پر سے گرتی ہوئی چیز کو دیکھے یا خود گر کر آزماوے کہ زمین کے طرف گرتا ہے یا نہین غرض ہر دعوے کا سب سے بہتر اور قطعی ثبوت اُس کا قابل عمل ہونا ہے بشرطیکہ اُس پر عمل ہونا ممکن ہو اور وہ اُن اقسام مین سے ہو جس پر عمل کیا جاوے۔ ہم خارجی دنیا کے وجود کو حواس کی شہادت کے مطابق جانتے ہین اور اُس کے گذشتہ واقعات کا اُسی کے ذریعہ سے پتہ لگاتے ہین اور اُس شہادت کی صحت کے معیار کا اُس کے قابل عمل ہونے کے سوا اور کوئی ثبوت کبھی بھی ممکن نہین۔ ہم اسی پر مجبور ہین خصوصاً جبکہ بار بار عملی تجربہ سے اُس کی تائید ہو۔

احساسات و جذبات کا وقوع۔ عملی زندگی مین احساس کبھی مفرد اور بسیط حالت مین نہین پایا جاتا بلکہ ہمیشہ کسی نہ کسی جذبہ کی صورت مین پایا جاتا ہے۔ جو مرادف ہے احساس مرکب کے۔ انسان پر مجرد لذت یا مجرد الم کی کیفیت کبھی طاری نہین ہوتی بلکہ ہمیشہ مخلوط و مرکب صورت مین ہوتی ہے اور اُسی کا نام جذبہ ہے۔ مگر عام جذبات خود بخود نہین پیدا ہوتے رہتے بلکہ اپنی تکوین کیلئے بعض خارجی اسباب یا مہیجات کے محتاج رہتے ہین۔ مثلاً غصہ اُس وقت آتا ہے جب کوئی اشتعال انگیز واقعہ پیش آتا ہے۔ یا ہنسی ہر گھڑی نہین آتی بلکہ اُسی وقت آتی ہے جب کوئی مضحک یا خوشگوار حالت پیش آوے۔ لیکن چند

احساسی کیفیات ایسی بھی ہین جو تحفظ و صیانت حیات مین بلحاظ اہمیت ان تمام جذبات پر بمراتب بالاتر ہین۔ اس قسم کے ہر جذبہ کو ہم اصطلاح مین اشتہا یا شہوت کہتے ہین انہی اشتہاؤن کی فہرست مین ایک ایسی شے بھی ہے جو حیات شخصی ہی کے لئے نہین بلکہ حیات نوعی کے لئے بمنزلہ بنیاد ہے اور وہ وہ ہے جس کو جذبہ لطیف سے تعبیر کرتے ہین۔

حوائج کے مطالبات صیانت حیات کو بعض براہ راست پورا کرتے ہین اور بعض بالواسطہ۔ اسی بنا پر احساس نے اپنی رفتار وارتقا مین دو مختلف راہین اختیار کی ہین۔ ایک راستہ ان مطالبات کا ہے جن کے اوپر حیات انسانی براہ راست مشروط و منحصر ہے مثلاً گرسنگی و تشنگی و خواب وغیرہ۔ دوسرا راستہ ان مطالبات ومقتضیات فطری کا ہے جو حیات انسانی کے قیام مین بالواسطہ معین ہین مثلاً خوف کہ اگر وہ نہ ہو تو انسان اپنی حفاظت کا سامان نہ کر سکے یا غصہ کہ اگر وہ نہ ہو تو انسان اپنے مخالفین سے مقاومت نہ کر سکے۔ صنف دوم کو احساسات یا جذبات اور اول کو شہوات کہتے ہین۔ ہر شہوت کا دور ایک وقفہ معینہ کے ساتھ زندگی بھر طاری رہتا ہے لیکن اس کے خلاف موقت نہین ہوتا غم ومسرت الفت و دہشت کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک میعاد معین کے بعد یکسان طور سے انسان مین طاری ہون گے۔

افراد کے حیات شعوری مین جذبات ذاتی کی قوت بےشبہہ بہت زبردست ہوتی ہے لیکن اس لئے کہ بغیر ان کے حیات نسلی کا وجود قایم ہی نہین رہ سکتا۔ اتحاد تناسلی کی خواہش انسان مین فطرت کے قانون کے لحاظ سے لازمی ہے۔

اور اُسی قدر لازمی ہے چنانچہ بھوک - پیاس - نیند اور اگر کوئی مثال اس کے خلاف ہے تو اُس کو اختلال شہوت کا مریض سمجھنا چاہیئے۔

فطرت کا منشا بقاے نوع ہونا نہ کہ صیانت حیات افراد

نظام عام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کا منشا ر بقاے افراد عموماً نہین ہوتا بلکہ وجود نوع و بقاے نوع سے پورا ہوتا ہے - ہزارہا افراد ضایع ہوتے رہتے ہین جنگ و طوفان و آتشزدگی و زلزلہ و قحط و طاعون اور وبا سے لاکھون انسان ضایع جاتے ہین لیکن تب بھی نسل انسانی منقطع نہین ہوتی بلکہ ترقی کرتی جاتی ہے اور حیات نوع غیر متاثر رہتی ہے - افراد کے بہ نسبت قوم کو زیادہ بقا اور قوم کے بہ نسبت نوع کو بقا و ترقی ہوتی رہتی ہے - افراد سے نوع کے سلسلے کے قایم کرنے کا کام فطرت لیتی ہے لیکن اکابر و اصاغر افراد سے وہ بے نیاز ہے اُن کے فنا ہونے کے بعد اُن کے کارنامے ایک حد تک باقی رہتے ہین علوم و فنون و فلسفہ و حکمت و شعر و سخن و بھلائی و برائی و فساد وغیرہ کو موت نہین اُن کے کرنے والون کو موت ہے - جو بغیر اثر رہ جاوین اُنہین کو کی موت کہی جاسکتی ہے - جنگ کی اصلی و آخری غایت یہ ہوتی ہے کہ ایک قسم کا عدل قایم ہو جاوے اور مضبوط و قوی تور و سزور و صالح فایق ہو جاوین اور بدنظمی دور ہو کر امن کا دور ہو لیکن فساد و بہیمیت و خونریزی اُس کے لازمی نتیجہ عموماً ہو جاتے ہین اور افراد کو ضایع کر کے قوم کو فتح ملتی ہے اور جن افراد کی بہبودی کے لئے کوئی قوم جنگ کرتی ہے اُنھی افراد مین بہت کٹ جاتے ہین - پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صیانت حیات افراد فطرت کا منشا نہین بلکہ صیانت قوم کا اصلے

منشا ہے تاکہ بقاے نوع رہے۔ فطرت در اصل نہایت ہوشیار آقا ہے
وہ جب ہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے تو براہ راست اُس کا حکم نہین دیتی بلکہ
اُسے ہمارے لئے اس قدر دلکش مرغوب و پُرلطف بنا دیتی ہے کہ ہم اُسکو
کرنے لگتے ہین۔ تغذیہ سے اصل مقصد یہ ہے کہ بدل ما یتحلل ہوتا جاوے
یعنے جو اجزاے جسم روزانہ تحلیل ہوتے رہتے ہین اُن کی جگہہ نئے اجزا
لیتے رہین۔ لیکن فطرت ہم سے یہ مقصد براہ راست حکم دیکر پورا نہین کراتی
بلکہ غذا مین اس قدر التذاذ رکھہ دیا ہے کہ ہم اُسے بکمال رغبت و اشتیاق
کہاتے ہین۔ خواب زندگی قایم رکھنے کے لئے لازمی ہے لیکن اس مقصود کو
پیش نظر رکھہ کر نہین سوتے بلکہ انسان کو نیند مین لذت محسوس ہوتی ہے پس
وہ سوتا ہے۔ اپنے اس عام طریق کار سے فطرت نے اس بارہ مین بھی کام لیا
یعنے لوگ عموماً اس لئے اتحاد تناسلی پر مایل نہین ہوتے کہ اُس سے کائنات کا
نظام نسلی قایم رہے گا بلکہ یہ عمل بجاے خود اپنے اندر اس قدر دلکشی و لطف
رکہتا ہے کہ انسان اُسے لذت کے غرض سے کرتا ہے۔

مقاصد قریبہ و مقاصد انتہائی و قانون ایتلاف اور اُسکی فعلیت و علاقہ۔

اصل یہ ہے کہ ہر فعل اور ہر عمل کا ایک فوری و نمایان مقصد ہوتا ہے
یا ایک انتہائی و آخری غرض و غایت اُنہی کو محرک کہتے ہین تو گویا محرک دو طرح
کے ہوتے ہین ایک محرک قریبہ دوسرا محرک بعیدہ۔ پہلا محرک عموماً فاعل کے
شعور و علم مین ہوتا ہے اور وہ اُسے پیش نظر رکھہ کر کوئی فعل کرتا ہے۔ لیکن
دوسرا فاعل کی نظرون سے مستور اور مجہول اور اُس کے لئے غیر شعوری رہتا ہے

بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان دونون محرکات مین باہم اختلاف بلکہ تضاد واقع ہو جاتا ہے یعنے کسی فعل کا جو انتہائی مقصد ہوتا ہے اُس مین اور اُس کے حصول کے وسایط و ذرایع مین (جو بجائے خود مقاصد قریبہ ہوتے ہین) تخالف ہو جاتا ہے۔ اب اگر مقصود انتہائی کا حصول منظور ہے تو انسان کو کچھ اور طریق عمل اختیار کرنا چاہیئے اور اگر مقاصد قریبہ کو پورا کرنا مدنظر ہے تو اُس سے بالکل مختلف طرز عمل رکھنا چاہیئے۔ عموماً فتح ہمیشہ مقاصد قریبہ کو حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ وہی انسان کے پیش نظر ہوتے ہین اور مقصود انتہائی اُس کے علم و شعور سے خارج ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی توضیح اگر نفسانی اصول پر ذہن نشین کرنا ہو تو ہمین قانون ایتلاف سے مدد لینا چاہیئے اس قانون کا منشا یہ ہے کہ بعض ذہنی کیفیات دوسری ذہنی کیفیات سے ایسا تخصیصی تعلق رکھتی ہین کہ جب اول الذکر پیدا ہوتی ہین تو آخر الذکر لازمی طور پر پیدا ہو جاتی ہین اور قانون مذکور بہ آسانی مقاصد کو وسایط اور وسایط کو مقاصد مین تبدیل کر دیتا ہے۔ ان اسباب کے بنا پر ہم جذبہ اتحاد تناسلی مین جس قدر قوت پاتے ہین وہ غیر متوقع نہین کہ مقاصد و وسایط مین تبدیل ہو جاتے ہین۔ یہان تک اُس جذبہ کی جو اہمیت دکھلائی گئی وہ عام حیثیت سے تھی خواہش اتحاد تناسلی ہر مرد و عورت کے ساتھ اور نر کو مادہ کے ساتھ ہو سکتی ہے لیکن زن و شو کے مابین کشش اُس سے بدرجہا زاید ہوتی ہے کشش ازدواجی محض خواہش اتحاد تناسلی کا نام نہین گو اُسکا جزو اہم ہے بلکہ اُس کے علاوہ اور بھی متعدد موثرات قوی انتخاب زوج کے سبب

نفس بشری پر غالب ہوتے ہیں۔ مثلاً اتحاد ذوق موافقت مزاج خوش سیرتی خوش دماغی اور سب سے بڑھ کر ایک عرصہ کا ارتباط و رفاقت۔ جب جانور و بیجان چیزیں جو ہمارے پاس ایک عرصہ تک رہتی ہیں ہمیں اُن سے لطف و اُنس پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ رفاقت بجائے خود ایک بڑا ذریعہ کشش و الفت و اُنس کا ہے تو اپنے صنف مقابل کے ساتھ جس سے ساتھ ہمنشینی بھی ہے اور جو معاشرت کے ہر پہلو میں ساتھ ہے کیوں نہ پیدا و قوی ہوگا خصوصاً در انحالیکہ اتحاد نسلی کی خواہش دوسری عورتوں سے سمٹکر صرف اُسی پر مجتمع ہو جاوے۔ پس ایسی صورت و کشش کا بدرجہا زیادہ پایا جانا اور ایسی زوجین میں پایا جانا جو نظام ازدواج کے عملی نصب العین میں زیادہ قرین انصاف و لایق عمل و قرین عقل ہے۔

قانون ایتلاف کے فعلیت کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک علاقہ مقارنت ہے یعنے جب دو یا زیادہ چیزیں زمانی یا مکانی حیثیت سے قرب یا اتصال رکھتی ہوں تو جو جذبات انسان پر ان میں سے کسی ایک سے طاری ہوتے ہیں وہی جذبات اُس کے مقارن شے یا اشیاء سے بھی پیدا ہونے لگیں مثلاً اگر زید سے عداوت ہے تو اس کے متعلقین و وابستہ اشخاص کے ساتھ ایک حد تک عداوت ہونے لگیگی۔ دوسری صورت علاقہ مماثلت ہے یعنے جب دو یا زاید چیزیں باہم اگر بعض حیثیات سے مشابہ ہوں تو جو جذبات ممثل لہ سے پیدا ہوتے ہیں وہی جذبات اُس کے مماثل اشیاء سے بھی پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اگر گلاب کا پھول خوشنما معلوم ہوتا ہے تو گلابی رخسار میں بھی دلفریبی معلوم ہونے لگتی ہے۔ تیسری صورت علاقہ تضاد ہے یعنے جب دو چیزوں میں باہم

تقابل یا تضاد ہوتا ہے تو جن جذبات کی تکوین ایک شے سے ہوتی ہے اسکے بالکل مخالف جذبات ہم مین شے یا اشیاے مقابل سے پیدا ہونے لگتے ہین اگر زید سے دشمنی ہے تو اس کے دشمن کو دوست خیال کرنے لگتے ہین غرض ایتلاف کی ان صورتون مین یہ ہوتا ہے کہ بعض مخصوص اشیا بعض دیگر مخصوص اشیا کو ذہن کے سامنے لے آتی ہین اور جو جذبات و خیالات پہلے اول الذکر سے پیدا ہوئے تھے وہ آخر الذکر سے پیدا ہونے لگتے ہین۔
یہ نفس بشری کا ایک مستحکم قانون ہے اس مین انسان کی خواہش و ارادہ کا دخل نہین ہوتا عموماً لزوم ذہنی کا یہ سلسلہ بغیر قصد و ارادہ کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے لیکن بعض اوقات اس سلسلہ مین ایک نئی بات اور پیدا ہو جاتی ہے کہ جس جذبہ کی تکوین براہ راست کسی شے سے ہوتی ہے وہ اس سے تو نہین پیدا ہوتا بلکہ جس شے سے بالواسطہ ہوئی تھی اب اس سے پیدا ہونے لگتا ہے۔ یعنے انتخاب جذبہ سکے براہ راست محرکات جو ہوتے ہین وہ شعور خفی مین ماند پڑ جاتے ہین اور جو چیزین کہ محض بالواسطہ ضمناً محرک ہو سکتی تھین وہ شعور مین آ جاتی ہین اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جن ذرات دماغ مین اعمال اول الذکر کے وقت حرکت ہونا چاہیے اس مین بربنا ر عادت و تواتر التزاماً اعمال آخر الذکر سے حرکت ہونے لگتی ہے مثلاً مربا کہاتے وقت کوئی گندی چیز اس مین نکل آئی اس کے بعد مربا کہانے سے نفرت ہو گئی اب جو مربا کو دیکھتے ہین تو بغیر پچھلے واقعہ کے یاد کے یعنے گندی چیز نکلنے کی یاد کے طبیعت خود بخود مالش کرنے لگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ طبیعت کی مالش کا اصلی باعث گندی چیز کا ہونا تھا لیکن علاقہ مقارنت کے بنا پر

ہمارے ذہن مین خودبخود مربا کے طرف سے نفرت سما گئی۔ یا مثلاً روپیہ سے محبت اس لیے ہوئی تھی کہ وہ آسایش کا ذریعہ و وسیلہ ہے لیکن کچھہ عرصہ بعد یہہ حیثیت نظر انداز ہوگئی اور روپیہ کی محبت مین ایسا لزوم ذہنی قایم ہوگیا کہ روپیہ کو محض روپیہ کے خاطر عزیز رکھنے لگے اور اپنی آسایش پر اُس کا صرف کرنا گوارا نہونے لگا۔ یا مثلاً صرف ونحو کی اصل غرض زبان وادب سیکھنے مین سہولت ہونے کی ہوتی ہے لیکن قانون ایتلاف معلمون اور متعلمون کے دماغ پر اس طرح عمل کرتا ہے کہ وہ اُسی کو مقصود بالذات سمجھنے لگتے ہین اور زبان وادب پر توجہ چھوڑ دیتے ہین۔ پس اس قانون کے اس صنعت کا مقتضا یہہ ہے کہ باسانی مقاصد کو وسایط اور وسایط کو مقاصد مین تبدیل کردیتا ہے اور قانون ایتلاف کا اثر یہہ ہوتا ہے کہ بعض ذہنی کیفیات دوسری ذہنی کیفیات سے ایسا تخصیصی تعلق رکھتی ہین کہ جب اول الذکر پیدا ہوتی ہین تو آخر الذکر بھی لازمی طور پر پیدا ہوجاتی ہین۔

نفس کا خود اپنے اوپر اور دوسرون پر اثر کرنا و یقین ۔ خواب مین آدمی تمام چیزون کو جو اُس نے خواب مین دیکھی ہین حقیقتاً موجود سمجھتا ہے حالانکہ کوئی چیز بھی موجود نہین ہوتی یہان تک کہ وہ کبھی اپنے کو ہوا مین اڑتا ہوا جانتا ہے اور کبھی جہاز مین اور کبھی ریل مین اور کبھی گھوڑون پر اور کبھی پیادہ کوسون سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے اور حقیقت مین وہ پلنگ پر چادر اوڑھے پڑا رہتا ہے زیادہ تعجب ہے کہ خواب مین اُس کو دن ہوتا ہے رات ہوتی ہے۔ سو برس کا زمانہ خواب مین گذر جاتا ہے مگر اُس کو سوئے ہوئے گھڑی دو گھڑی سے زیادہ نہین ہوتا

جاگنے مین بھی کبھی اُس کا ایسا خیال ہو جاتا ہے کہ شے غیر موجودہ کو علانیہ موجود دیکھتا ہے۔ اور یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ خود اپنے آپ پر اپنے نفس کا اثر پڑتا ہے۔ بعض مجنون آدمی اُن لوگون کو جن کا اُن کے دل مین خیال پک گیا ہے اپنے سامنے کھڑا و بیٹھا ہوا باتین کرتے دیکھتے ہین اور مثل شخص موجود کے اُس سے جواب و سوال کرتے ہین اور اُس کی باتین اُن کو سنائی دیتی ہین حالانکہ کوئی شے اور کوئی شخص موجود نہین ہوتا۔ اور یہ اثر اُسی قوت نفس انسانی کا ہے جو بسبب وقوع امورات غیر طبیعی کے ایک طرف مائل ہوگئی ہے دوسرون پر نفس انسانی کا اثر پڑنا تو ایسا بدیہی ہے کہ جب چاہو اُس کا تجربہ ہو سکتا ہے یہ قوت مشق اور مجاہدہ سے قوی ملکہ اقوے ہو جاتی ہے اور بعض مین فطرتی قوی ہوتی ہے اور تمام اُن کے خیالات خود اُنہی کو مرئی ہوتے ہین۔ یہانتک کہ جس مرے ہوئے شخص کا وہ خیال کرتے ہین اُس کی صورت خیالی جس کو وہ مردہ کی روح سے تعبیر کرتے ہین اُسی زرق برق لباس سے جو وہ پہنتا تھا اُن کے سامنے معلوم ہونے لگتی ہے۔ اُس قوت نفس کا اثر دوسرے شخص پر چھونے سے دم ڈالنے سے پھونک دینے سے نگاہ سے گھورنے سے توجہ ڈالنے سے منتقل ہوتا ہے اور علمی اصلاح مین اثر ڈالنے والے کو عامل اور جس پر اثر ڈالا گیا ہو اُس کو معمول کہتے ہین اس قوت کا ایسا قوی اثر ہے کہ معمول کی تمام طاقت اور تمام ارادہ اور خیال بالکل عامل کے تابع ہو جاتے ہین۔ عامل جس غیر موجودہ چیز کو کہتا ہے کہ ہے معمول اپنے خیال مین اُس کو واقعی موجود سمجھتا ہے اور اُس پر وہی حالت طاری ہو جاتی ہے جو درصورت واقعی موجود ہونے کے

اُس شے کی ہوتی اور جس موجودہ شے کو عامل کہتا ہے کہ نہین ہے معمول اُسکو یقیناً جانتا ہے کہ نہین ہے یہان تک کہ اگر عامل معمول کی کسی قوت کو کہتا ہے کہ نہین ہے تو معمول ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ گویا درحقیقت وہ قوت اُس مین نہین ہے یا جس موجودہ شخص کا موجود ہونا عامل بیان کرتا ہے معمول اُس شخص کو اُسیطرح حاضر و موجود دیکھتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اُن کے ارواحون سے پکڑے ہین - توجہ کیا ہے وہ تو نفس انسانی کا اثر ہے جو کسی مین بمقتضاے فطرت اور کسی مین کسب کے وجہ سے قوی اور اقوے ہوتا ہے اور دوسری طرح طرح کی کیفیات کا سبب ہوتا ہے

اخبارات کے ذریعہ سے کلہ بازیگر نے ہندوستان کے مسمریزم کی کیفیت ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مین نے بیس برس سے یورپ مین مسمریزم کی بڑی بڑی کارروائیان دیکھین لیکن ہندوستان کو اس معاملہ مین سب پر فوقیت ہے۔ مین نے ۱۸۷۹ء مین بمقام سکندرآباد سالار جنگ نظام کے ایوان کے چوڑے دالان مین اُس کی ایک کارروائی دیکھی۔ اُس وقت ڈاکٹر کرافر سرجن برٹش فوج اور سرجان ماحکبسن افسر رسالہ الانسر بھی موجود تھے چند منٹ بعد فقیر آئے اور اُنہون نے فوراً کارروائی شروع کی اور رام رام آتارام آتارام آتارام آتارام آتارام رام کہنے لگے۔ ایک بڈھے فقیر نے ایک نوجوان کو ایسا معمول کیا کہ گویا بالکل وہ مرگیا۔ ڈاکٹر نے دل کو دیکھا نبض پر ہاتھ رکھا معلوم ہوا کہ خون کا دورہ بند ہے۔ ڈاکٹر نے جانچ کے لئے معمول کے ناک کان آنکھ اور منھ وغیرہ کو گاڑھی مٹی سے بند کیا جس سے سانس لینا غیرممکن تھا پہلے جب مین نے دیکھا تو یہ شخص جس پر عمل ہوا تھا سانس لیتا تھا مگر اب بالکل

مردہ ہوگیا ہے کہ بڑی ہوئی سے انگلیاں چھپیدین اور اُس کو معلوم نہ ہوا اور عنبر کی لکڑی کا جلتا ٹکڑا اُس کے ہاتھ پر رکھا اور چراپندہ ہوئی لیکن اُس کو خبر نہ ہوئی لوگوں نے اُس کو اُٹھایا مگر وہ بالکل بے حس و حرکت تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کے زندہ کرنے کی بہت سی فکرین کین لیکن سب بے سود ثابت ہوئین جب اس حالت کو ایک گھنٹہ گذرا تو فقیر نے چند اشارے کئے اور معمول بیدار ہوگیا جس وقت معمول بیدار ہونے لگا اُس کا رنگ دھوان دھوان اور تکلیف زدہ معلوم ہوتا تھا جس سے ہم لوگوں کو خوف معلوم ہوا۔ بعد اس کے بوڑھا فقیر خود بیہوش ہوا انگارے ہاتھ پر رکھے اُس کو خبر نہ ہوئی اُس وقت ایسی خاموشی تھی کہ گویا ہم مُردہ کے سامنے ہین آہستہ آہستہ بات کرنے لگے۔

تمام چیزون اور جملہ انکشافات سب سے زیادہ لایق یقین انسان کو اپنی ذات اور اپنی انانیت کا یقین اور اپنے قوت ارادی کا علم ہے۔ یہ ایسی قوت ہے جو بلاواسطہ ہر انسان کی ذاتی ہے۔ یہ خود آگاہی و قوت ارادی انسان کے انسان ہونے کی سب سے پہلی بنیاد ہے۔ اصل مسئلہ جس سے دوسرے مسایل پیدا ہوتے ہین اور جس پر یقین ہونے کا دارمدار ہے یہ ہے کہ انسان جانتا ہے کہ مین ہون و عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہون اور میری قوت ارادی انکشاف و ادراک کا سبب ہوتی ہے اور ہر ایک قوت یا قوتون کے متعلق جو کائنات مین عمل کر رہی ہے اُس کے معلوم ہونے کا ذریعہ میری ہی قوت ہے۔ نفس انسانی کو اپنی ذات کے تسلیم کے بعد مشاہدات ظاہری و مشاہدات باطنی سے سبق ملتا ہے یعنے جب کہ وہ دیکھتا یا محسوس

کرتا ہے کہ مثلاً آفتاب روشن ہے اور آگ جلاتی ہے تو اس مشاہدہ
ظاہری کے یقین سے اُس وقت تک وہ انکار نہیں کرسکتا ہے جب
تک اُس کے خلاف اُس کو یقین نہ دلایا جاوے۔ اسی طرح مثلاً بھوک
پیاس وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو مشاہدہ ظاہری سے بھی زیادہ
محسوس ہوتی ہیں اور وہ اُن کے وجود سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ پس مشاہدہ
باطنی سے انکار کوئی ہوشمند نہیں کرسکتا ہے۔ مشاہدات ظاہری سے
تقریباً سب کے پہلے نیچر کے اُن افعال کا انسان کو علم ہوتا ہے جو ہمیشہ
یکسان ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے آفتاب کا وقت معین پر دکھلائی دینا اور
وقت معین پر غایب ہو جانا اور آگ کا ہر انسان کو جلانا بشرطیکہ کوئی خاص امر
اُس جلانے کے مانع نہ ہو۔ لہذا اُس سے یعنے استمرار سے نیچر کی یکسانیت
کا یقین اُس کو ہوتا ہے اور جیون جیون علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے تیون تیون
اُس کا یقین اُس پر مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ پس استمرار کے یقین اور نیچر کے
افعال کے یکسانیت کے یقین سے اپنے تجربات پر یقین کرلیتا ہے۔ یعنے
جب وہ بار بار ایک ہی چیز کو ایک ہی طرح پر واقع ہونا معلوم کرتا ہے تو یقین
کرلیتا ہے کہ اسی طرح ہمیشہ ہوگا کیونکہ نیچر کے کام مین یکسانیت ہے۔ لہذا
اپنے مشاہدات ظاہری کے متواتر ہونے پر اور جس طرح نیچر کی یکسانیت پر
یقین کرتا ہے اُسی طرح جو نتایج کسی فعل کے ایک ہی طرح ہوتے ہوئے
وہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہے اُس کو بھی یقین کرتا ہے پس یہ کہنا کہ تمیز فطری
اُس کے یقین کا سبب ہے ورنہ دور و تسلسل ناجایز لازم آتا ہے صحیح

نہین ہے - اپنی ذات اور اپنے مشاہدات پر یقین یہہ ہر انسان مین ضرور ہوتا ہے - اور یہ کہنا بھی صحیح نہین ہے کہ نوعی و نسلی تجربہ اولیات کو یقین دلانے کا سبب ہوتے ہین بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تغیر اپنے نفس کا اُس کا سبب ہوتا ہے - سورہ لقمان مین ہے -

و من الناس من یجادل	اور آدمیون سے وہ بھی ہے جو جھگڑتا ہے
فی اللہ بغیر علم و لا ھدی	اللہ کی بات مین بغیر علم اور بنے ہوے ہدایت
و لا کتٰب منیر	اور نہ ہوتے کتاب روشن کے -

یعنے بغیر علم ذاتی اور بغیر ہدایت ایسے کے جس کو منصب ہدایت کا ہے اور بغیر ایسی کتاب کے جس کا حکم روشن ہے اور جس کا اللہ کے طرف سے ہونا ثابت ہے - کیونکہ کتاب کے ساتھہ منیر کی قید بلا وجہ نہین ہے - کتاب اگر اللہ کے طرف سے بھی ہو اور اُس کا ہونا اللہ کے طرف سے مسلم ہو لیکن متشابہات مین سے اُس مین کوئی حکم ہو تو اُس کے بنا پر جھگڑنا صحیح نہین ہے - پس ایسی ہدایت صحیح ہونی چاہیئے جس کی صحت کا معیار یہہ ہے کہ ایسا شخص ہدایت کرے جس کو منصب ہدایت ہو ورنہ وہ ہدایت قابل مجادلہ نہ ہوگی - اسیطرح بغیر علم ذاتی و برہانی کے تقلید پر جھگڑنا نازیبا ہے - اور چونکہ یہہ تین ہی صورتین ہو سکتی ہین اس لئے اس آیت مین علم و کتاب و ہدایت کے ساتھہ اُس کا انحصار کیا گیا - لہذا علم و ہدایت و کتاب کے جو ذرایع ہین جب اون سے مسلسل و باقاعدہ فایدہ اُٹھایا جاوے تو وہ مفید یقین کے ہوتے ہین -

وسایل علم۔ نفس اور اُس کے قوے مین کوئی حقیقی و اصلی فرق نہین قواے ذہنی اس قسم کے موجودات نہین جن کو نفس سے جدا قرار دیا جاوے حقیقت مین تمام قواے ذہنی ایک ہی موثر کے مختلف مظاہر ہین لیکن سہولت کے لئے چند وسایل علم کے اقسام کا ذکر جیسا کیا گیا ہے کیا جاتا ہے۔ قوت مدرکہ جس کو قوت محصلہ بھی کہتے ہین وہ قوت ہے جسکے ذریعہ سے اشیاے خارجی و باطنی کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے اشیاے خارجی کے علم کو ادراک خارجی اور اشیاے باطنی کے علم کو ادراک باطنی کہتے ہین۔ اور قوت حافظہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے علم حاصل شدہ جمع رکہا جاتا ہے۔ اور قوت مستحضرہ یا ذاکرہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے وہ علم جو حافظہ مین جمع ہے ذہن کے سامنے آتا ہے اور اُس کے ذریعہ سے خیالات باقاعدہ و مرتبط سلسلہ مین مرتب ہو جاتے ہین۔ قوت متخیلہ یا واہمہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے جو علم حافظہ کے ذریعہ سے جمع ہوتا ہے اور مستحضرہ کے ذریعہ سے ذہن کے سامنے آتا ہے اُن سب کا بڑہانا گہٹانا اور نظیر اور مثال قایم کرنا اور کسی کو کسی مین جوڑنا یا کل کا جزو مین یا جزو کا کل مین تصور کرنا اور نئی صورت مین ترتیب دینا اُس کا کام ہے تصور تو کسی محسوس کا یا اُس کے مثل یا اُس سے کم و بیش یا فرضی و اضافی کا ہو سکتا ہے اور جس کا ادراک و احساس نہ ہوا ہو اُس کا تصور اُسی قدر ہو سکتا ہے جو واہمہ کے ذریعہ سے ہو اُس کے سوا نہین ہو سکتا۔ قوت مجوزہ وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے باہم اشیا کا تعلق ظاہر کیا جاتا اور مقابلہ و استقرا و تحلیل و ترکیب اُس کے وسیلہ سے

ہوتے ہین اور تعمیم واستدلال وتحلیل وترکیب وحکم دیتا اُس کے نتایج ہوتے
ہین۔ قوت جبلی وہ قوت ہے جو اُن علیات اولیات کا ماخذ ہے جو قوانین تفکر
کے بنا ہین۔ قوت جبلی قوانین تفکر یا چند ضروری اصولون کا مجموعہ ہے جن کے
بغیر کوئی علم حاصل نہین ہوسکتا۔ حکمار نے اس امر پر کہ آیا یہ قوت حقیقی ہے یا
فرضی بحث کی ہے۔ اکثر کہتے ہین کہ ایسی کوئی قوت نہین اور کسی نے حافظہ و
مستحضرہ کو اور کسی نے مستحضرہ و تخیلہ کو اور کسی نے کسی قوت کو ایک قرار دیا ہے
غرضکہ اُن کی تعین و تعریف مین بہت اختلاف ہے اور اصول یہ ہے کہ ورزش
قوے کے متعلق کی جاتی ہے اور جس قدر اطوار اثر ڈالنے اور اثر پذیری کے
ہین اُسی قدر مختلف قوتین شمار کیجاتی ہین اور مشابہ ورزشین قوت واحد کے
دایرہ مین رکھی جاتی ہین۔ تمام قواے ذہنی ایک ہی موثر یعنے نفس کے مختلف
مظاہر ہین۔ ابصارت کے اُن تجربون سے جو آلات کے ذریعہ سے کیے جاتے
ہین اور اس بات سے بھی کہ بینائی کو عینک سے کس طرح مدد ملتی ہے ظاہر
ہے کہ ہمارا اپنی آنکھون کے ذریعہ سے دیکھنا بمنزلہ عینک کے دیکھنے کے
ہے اور یہ کسی طرح نہین ثابت ہوتا کہ آنکھ بذات خود قوت بصارت رکھتی
ہے اور سماعت کی نسبت بھی یہی کہا جاسکتا ہے اور کسی چیز کے ذریعہ سے
جو ہمارے ہاتھ مین ہو کسی جسم شے کا بعد محسوس کرلینا اسی قسم کی ایک نظیر ہے
یہ سب اُس کی مثالین ہین کہ مادۂ خارجیہ یا وہ مادہ جو ہمارے جسم کا جز نہین
مثل آلات جن کے اشیا کو درک کرنے یا جاننے کے واسطے تیار کرنے
اور قوت مدرکہ تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتا ہے اور [illegible] آلات

جو اس دو قوتوں ایک ہی طرح کے وسایل ہیں مگر اس بات سے اُن کے
بذات خود مدرک ہونے کا ادنی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا آدمیوں کے بعض
آلات حسیہ کے جاتے رہنے اور اُن کے اپنی حالت اصلی پر بے کم و کاست
وہی ذی حیات قائم رہنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قوت محرکہ کی
بھی یہی کیفیت ہے کہ کسی عضو کے جاتے رہنے پر بھی یہ قوت بے کم و کاست
باقی رہتی ہے اس طرح کہ جس کا عضو جاتا رہا ویسے ہی حرکت کر سکتا ہے
جس طرح کہ وہ پہلے کرتا تھا بشرطیکہ وہ مصنوعی بنا دیا جاوے وہ مصنوعی پاؤں
کی ذریعے سے چل سکتا ہے جس طرح کہ ایک لکڑی کے وسیلہ سے اُن چیزوں کو
جو اُس کے قدرتی ہاتھ کی رسائی و طاقت سے باہر ہیں تھامتا اور اپنے نزدیک
لا سکتا ہے۔ پس حقیقت میں قواے ذہنی کے جو آثار ہیں وہ سب نفس ناطقہ
کے ہیں اور وہی کا سبب و مکتسب و فاعل و منفعل ہے۔ کبھی کبھی یہ تجربہ ہوتا ہے
کہ بعض آثار قوی ہوتے ہیں اُس کا سبب نفس ناطقہ کے طریق عمل کی طرف
منسوب ہو سکتا ہے یعنی جس طریق سے معلومات حاضر ہوتے ہیں وہ دماغ
میں محسوس ہوتا ہے۔ مختلف آدمیوں کی قوتیں باہم نسبتاً کم و بیش ہو جاتی ہیں
بعض کا ذہن بہت رسا ہوتا ہے بعض کا اس قدر کمزور کہ بالکل نہیں یا کوئی اُن
سے اتنی امتیاز سے نیز ایک دوسرے کی ذہنی قوتوں کو خیال کرکے مختلف
تام قوتوں کے رکھتے ہیں۔

جبکہ نفس جسمانی نہیں ہے تو وقت واحد میں متحد یا مختلف و متناقض
عمل اور چند کام کا انجام دینا اُس سے ممکن ہے۔ امارت نفس کو حاصل ہے

وہ امارہ ہے خواہ اُس میں کیفیت مطمئنہ پیدا ہو یا کیفیت لوامہ لہذا نفس مطمئنہ و نفس لوامہ سے اُس کی کیفیات کو تعبیر کرتے ہیں ۔ ہیلمٹن نے ثابت کیا ہے کہ مختلف قویٰ کے لیے مختلف مقام ہونا یا جس قدر سر بڑا ہو اُسی قدر ذہنی قوت کا ہمیشہ زیادہ ہونا غلط ہے البتہ دماغ اور اُس کی حالت ذہنی افعال پر کچھ کچھ تاثیر رکھتے ہیں اُس نے عورت اور مرد کے دماغوں کا وزن کیا ۔ اور بطور تمثیل کے ہیگ کا جو ظالم و خونریز تھا اور جارج یوکین کا جو نیک نہاد تھا ذکر کیا ہے کہ پچھلے میں پہلے کے بہ نسبت وہ حصہ جس کو ظلم و فسق و فجور کا مقام کہا جاتا ہے زیادہ تھا ۔ یہ بات اہل علم میں مسلم ہوتی جاتی ہے کہ کوئی تصور یا خیال پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کے پیدا کرنے میں روی الذات کی قوتوں میں سے کوئی قوت صرف نہ ہوئی ہو یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے اور حرکت یا حرارت یا نور احساس یا ادراک میں کیوں منقلب ہو جاتے ہیں یا یہ کہ ہوا کا تموج کان تک پہنچ کر آواز کی صورت کیوں پیدا کرتا ہے دماغ میں کیمیائی تغیر محبت ہمدردی حسد بغض غصہ خواہش وغیرہ صورت نفسانی کیوں پیدا کرتا ہے یہ ایسے بھید ہیں جو انسان کے سمجھ سے مافوق ہیں ذاتی یا انفعالی قوتیں مثلاً ادراک تصور تعقل جذبات نفسانی کبھی اسی طرح مادہ و حرکت کے تعامل کا نتیجہ ہیں اگر مادہ و حرکت کا نظریہ مان لیا جائے جس طرح واجب الوجود غیر قابل ادراک باعث ہوتا ہے اُن مظاہر کا جن کو ہم حرکت یا حرارت یا نور یا کیمیائی ارتباط کہتے ہیں اور جیسے وہ باعث ہوتا ہے اُن مظاہر کی ایک صورت سے دوسری صورت میں بدل جانے کا ویسا ہی واجب الوجود باعث ہے اُن مظاہر کا جن کو ادراک محبت بغض غصہ جذبات نفس تصور

متخیلہ حافظہ اور ممیزہ وغیرہ کہتے ہیں۔

لغت میں فطنت کے معنے زیرکی اور دانائی کے ہیں۔ اصطلاح میں فطنت سے وہ قوت ذہنی مراد ہے جو بعض انسانوں میں علی قدر مراتب باعتبار زیرکی و زود رسی۔ احساس و ذکاء۔ فہمیدگی اور قوت مدرکہ کے پائی جاتی ہے اور جوہر ایک ایسے بعض انسانوں میں مختلف مقدار اور حیثیت میں ہوتی ہے جس کی وسعت اور مقدار اور احساس و ذکا کے اعتبار سے دیگر انسان سے تمیز ہوتی ہے۔ اور کثرت ذکا سے اسی پر ہے کہ ہر ایک شخص صاحب عقل اور صاحب ادراک و دانش ہونے کے باوجود بھی صاحب فطنت نہیں ہو سکتا لیکن ایک صاحب فطنت عقل اور دانشمند اور مدرک بھی ہو سکتا ہے جس طرح بعض شعور رکھتے ہیں مگر صاحب عقل و تمیز نہیں ہوتے اسی طرح عام انسان عقل و دانشمند تو ہوتے ہیں لیکن فطنت نہیں رکھتے ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل رکھتا ہے لیکن ہر شخص فطنت نہیں رکھتا۔ عقل و دانش جو انسانوں کا ورثہ ہے زاید ہے نہیں لیکن فطنت ایک وہبیہ عطیہ ہے جو ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ اس غرض سے ہوتی ہے کہ دیگر افراد سے جس میں ہو اس کو فضیلت ہو۔ حافظہ کا مضبوط ہونا بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور انسان کے کمال کا وہ بڑا سبب ہے تخیل یا تخیل وغیرہ وہ نعمت ہیں کہ اگر انسان میں نہ ہو تو اس کو انسان صحیح طور سے نہیں کہا جا سکتا زود فہمی سبب فضیلت ہے۔ انتقال ذہنی کا جلد ہوتا اور ذہن رسا کا ہونا اور تفریق و تمیز بھی انسانوں کو دوسرے انسان سے افضل بنا کر کامیاب ہونے کا سبب ہے

متانت مین اگرچہ بہت جلد انتقال ذہنی نہین ہوتا لیکن متین شخص سمجھ کر عمل کرتا ہے اور جو زیادہ ذہین ہوتا ہے صبر اُس کو بہت دشوار ہوتا ہے لہذا ذہانت کے ساتھ متانت ہونا بہت بڑی نعمت اور کمال ہے۔ تصور کا دوربین ہونا سبب حزم واحتیاط وانجام اندیشی ودوربینی کا ہوتا ہے پس وہ بھی کم قابل قدر نہین ہے۔
قوت فیصلہ کا قوی ہونا اور جلد فیصلہ وصحیح فیصلہ کرنیکی عادت ذہنی قوتون کا کمال ہے۔
قلب سلیم ومذاق کا سلیم ہونا قوت فیصلہ کے لئے بہت بڑا معاون ہے اور وہ اپنی ذاتی کیفیت ہے۔ لہذا سب فضیلت اصلی ہے اس لئے کوشش کرنی چاہیئے کہ مذاق سلیم پیدا ہوتا رہے تاکہ قلب سلیم رہے۔

جذبات وعقل کو باہم کسطرح ہونا چاہیئے۔ جذبات اور عقل دو کیفیات ہین۔ پہلی زنانہ اور دوسری مردانہ۔ اگر صرف عقل ہی کی نشو ونما اور ترقی زیادہ ہو اور عقلی عمل زیادہ کیا جاوے تو جذبات محدود اور کمزور ہوجاوین گے۔ اسی طرح اگر عقل کے طرف سے غفلت کی گئی اور جذبات کی پرورش زیادہ ہوئی تو عقل پژمردہ ہوجاوے گی اور جذبات کا عمل اعتدال سے زیادہ ہوگا تو قوائے متفکرہ کو مُردہ کردے گا۔ اور انسان ذکی الحس مگر بے عقل ہوجاویگا۔
عقل انسان مین ذاتی تشخص اور اپنے آپ پر اعتماد پیدا کرتی ہے۔ اور جذبات مدنیت اور اُنس پیدا ہوتا ہے جذبہ سے انسان ذکی الحس اور بعض وقت ہر دلعزیز فرد ہوجاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ کم عقل اور نا انجام اندیش بھی ہوجاتا ہے۔ پرزور عقل ودماغ کا آدمی ابنائے جنس کی زیادہ صحبت سے متنفر ہوتا اور تنہائی مین خوش رہتا ہے لیکن پرزور جذبات والے آدمی کے لئے تنہائی موت ہے۔ وہ زود رو غمگین

ایسا گھل مل جاتا ہے کہ اُس مین سے رفتہ رفتہ رنگ تشخص غائب ہوجاتا ہے
اور خیالات کو باقاعدہ ترتیب دینے کی قوت اُس سے زایل ہوجاتی ہے
عقل والا آدمی بحیثیت عقل کے اکیلا ہے اور بحیثیت جذبات کے وہ منجملہ
اوروں کے ایک ہے۔ پُر زور عقل ودماغ کا آدمی خود مختار اور آزاد سا
ہوجاتا ہے اور اگر حد اعتدال سے زیادہ اُس مین افراط کرتا ہے تو رفتہ
رفتہ سوسائٹی مین رہنے کے قابل نہین رہ جاتا جہان عقل ہی عقل ہوتی ہو
وہان جذبات غایب ہوجاتے ہین وہان صرف اپنی ہی حفاظت اور اپنا ہی
خیال غالب ہوجاتا ہے جو مذموم خودغرضی تک پہنچتا ہے۔

جذبات انسان کو اپنی ہی ذات تک نہین رکھتے بلکہ دوسرے انسانون اور
اشیار قدرت کے طرف مایل کرتے ہین اور اہل جذبات اُن کیوجہ سے
اوروں کے درد کو اپنا درد سمجھنے لگتے ہین اور اس طرح دماغی قواے اور علوم
وفنون مین ترقی کا سبب ہوتے ہین۔ نتیجہ یہ ہے کہ جذبات کا کام عقل کی تحریک
اور عقل کا کام جذبات کو اعتدال پر لانا ہے وہ ایک دوسرے کی امداد کیلئے
عطا ہوئے ہین نہ کہ زایل وکمزور کرنے کے لیے۔ عقل وجذبات مین اتحاد
پیدا کرنا ظاہر وباطن مین موافقت قایم رکھنا اور باہم اعتدال پر رکھنا یا یون کہو
کہ ضبط نفس اور صحیح عمل کرانا اور جسم کے افعال کو جذبات وعقل کے زیر حکومت
رکھنا مذہب کے ذریعہ سے زیادہ انجام پاتا ہے۔ علوم نظری عقل کو بڑھاتے
تمدن وپالٹکس اتحاد مقاصد انسانی وقومی جذبات کو فروغ دیتے ہین۔
لیکن مذہب کا کام یہ ہے کہ جیسی ضرورت ہو ویسا عقل وجذبات سے کام لے

اور قوت نفسانی حیوانی کو دماغی و احساسی و جسم کی پرورش و نشوونما میں لگا دیگے

علم جہان کام آسکتا ہو وہاں ظن و اٹکل حجت نہیں ہو سکتے

سورہ انعام میں ہے۔ وان تطع اکثر	اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو دنیا
من فی الارض یضلوک عن سبیل	میں ہیں گمراہ کردیں تجھکو اللہ کی راہ سے
اللہ ان یتبعون الا الظن وان	نہیں پیروی کرتے وہ لوگ مگر ظن کی اور
ھم الا یخرصون ۝	نہیں ہیں مگر اٹکل کرنے والے۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر زمین کے رہنے والے اٹکل کرتے ہیں اور ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ لہذا اگر اُن کی اطاعت کی جاوے تو گمراہ ہو جاویں کیونکہ اٹکل کی تقلید کرنا سبب گمراہی کا ہے اور اٹکل والوں پر ظن کرکے اُن کی پیروی کرنا گمراہی ہے۔ سورہ انعام میں ہے۔

قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ	تو کہہ کیا ہے تمہارے پاس علم کہ ہمارے آگے نکالو
لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم	نہیں پیروی کرتے ہو مگر ظن کی اور نہیں تم مگر اٹکل
الا تخرصون قل فللہ الحجۃ	کرتے ہو تو کہہ تو اللہ کیلئے دلیل پہنچی ہوئی ہے
البالغۃ فلو شاء لھدٰکم اجمعین	تو اگر وہ چاہتا تو البتہ ہدایت کرتا تم سب کی۔

یہ آیات اس بات کے جواب میں ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا نہ شرک کرتے اور نہ کسی شئے کو حرام کرتے۔ پس اللہ تعالے نے اس کے جواب میں یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ علم ہے جسے لا کر دیتے حرام ہونے کے بابت کوئی حکم ہو تو اس کو علم میں ہمارے لاؤ محض اٹکل اور ظن سے کہ اگر خدا چاہتا تو ایسا نہ ہوتا حجت صحیح تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا علم کے مقابلہ میں اور جب یاین

علم کام آسکتا ہو اٹکل کرنا اور ظن کی پیروی کرنا قابل الزام ہے قابل حجت نہین ہے
سورہ بنی اسرائیل مین ہے۔ ولا تقف اور پیچھے اُس کے نہ چل جس کا تجھکو علم نہین
مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر سمع اور بصر اور دل ہر ایک سے انمین سے
والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا پوچھا جاوے گا۔
پس کان وآنکھ جو ذریعہ محرکات قلب ہین ان کا ذکر اور قلب کا ذکر ہے کہ جو کچھ
ان کے وجہ سے ارادی افعال ہون گے اُن سے پوچھا جاوے گا یعنی مواخذہ
کیا جاوے گا اس آیت مین ناک و قوت لامسہ وغیرہ کا ذکر نہین ہے اس لئے
کہ وہ براہ راست دل کی محرکات نہین ہین۔

ملکہ کی تعریف اور قوت شہوی و قوت غضبی کی افراط و تفریط اور ردائت و حکمت و کتاب مین فرق۔ خلق نفس کے اُس ملکہ کو کہتے ہین جو کسی فعل کے صدور کا مقتضی ہوتا ہے بے احتیاج کسی تفکر و کسی رویت کی کیفیات نفسانی مین جو کیفیت سریع الزوال ہوتی ہے اُس کو حال اور جو بطی ہوتی ہے اسکو ملکہ کہتے ہین۔ قوت تحریک ارادی سے دو قسم کے آثار ظاہر ہوتے ہین ایک جس کا انبعاث جذب نفع کے طرف ہوتا ہے اُس کو قوت شہوی کہتے ہین اور دوسرا جس کا انبعاث دفع ضرر کے جانب ہوتا ہے اُس کا نام قوت غضبی کہتے ہین۔ ہر قوت کے اعتدال مین دو طرح پر انحراف ہو سکتا ہے یعنے یا تو کمیت مین خلل ہوگا یا کیفیت مین اور کمیت مین جو خلل ہوتا ہے تو یا افراط کیطرف متجاوز ہوتا ہے یا تفریط کے جانب۔ پس ہر قوت کے لئے مرض تین جنس سے ہو سکتے ہین یعنے بحسب افراط یا بحسب تفریط یا بحسب ردارت۔ مثلاً قوت فکری کا

استعمال زیادتی کے ساتھ ایسے امر یا ایسی مقدار مین کیا جاوے جو نچاہیئے تو ایسا افراط سفہ حیلہ گری مکاری فتنہ انگیزی اٹکل وغیرہ کی صورت مین ہوگا۔ او اگر ارادتاً قوت فکری کو معطل کیا جاوے تو ایسی تفریط بلہ وغیرہ کی صورت مین ہوگی۔ اور اگر ایسے علوم کے طرف شوق کیا جاوے جو منتج یقین وکمال نفس کے طرف نہ ہون مانند جدل وخلاف ومقسطہ دکہانت وغیرہ کے تو ردارت ہوگی۔ اور قوت غضبی مین افراط تہور ہے اور وہ اقدام اُس امر کا ہے جس کا اقدام جمیل نہین اور اُس کی تفریط جبن ہے اور وہ حذر اُس چیز سے ہے کہ حذر اُس سے محمود نہین اور ردارت اُس کا شوق انتقامات فاسدہ کے ساتھ ہے جیسے جمادات وبہایم وغیرہ پر غصہ کرنا اور اُن کو برا کہنا اور مثل اس کے۔ پس قوت غضبی کا تہیج نے وقت وتجاوز از حد نہ چاہیئے اور حکمت وشرع کا تابع اُس کو ہونا چاہیئے۔ قوت شہوی مین افراط ہو تو اُس کو شرہ وہوا وغیرہ کہتے ہین اور وہ حرص کرنا ہے لذت پر زیادہ اُس مقدار سے جو چاہیئے اور تفریط کو خمود اور وہ سکون حرکت سے ہے از روے اختیار کے اُس لذت ضروری مین جس کی رخصت شرع وعقل نے دی ہو۔ اور اُس قسم کی خواہش کو جو نہ چاہیئے مثل مٹی کہانے کے اشتہا سے ردارت قوت شہوی کہتے ہین۔ غضب مثل شکاری کتے کے اور شرہ مثل گہوڑے کے ہے کتا کبھی فرمانبردار ہوتا ہے اور کبھی نہین ہوتا اور گہوڑا کبھی سرکش ہوتا ہے اور کبھی فرمانبردار۔ اس لیے جب تک گہوڑا شائستہ اور قابو مین اور کتا کہنے مین نہ ہو اور جب تک سوار ومالک ہوشیار ومضبوط نہ ہون تب تک اُمید نہین ہوسکتی کہ شکار ملجاوے گا بلکہ خود مالک وسوار کی ہلاکت کا خوف ہے۔

جب حکمت اور عفت وشجاعت تینون جنس کی فضیلت کسی کو حاصل ہو
اور یہ تینون باہم متمازج اور متسالم ہوجاوین توان کی ترکیب سے ایک
ایسی کیفیت متشابہ نفس مین حادث ہوجاتی ہے کہ تمام وکمال ان فضیلتوں کا
اُس کے سبب سے ہوتا ہے اور اُس کو فضیلت عدالت بمعنی اصطلاحی
کہتے ہین۔ لہٰذا حکمت وعفت وشجاعت کے ذریعہ سے جو عمل صادر ہو وہ
عدالت کے تحت مین بربناے اصطلاح مذکور ہوتا ہے۔ بیان مذکورہ سے
معلوم ہوگا کہ جس فضیلت کو عدالت کہا جاتا ہے قرآن مجید مین وہ تزکیہ نفس سے
تعبیر کیگئی ہے یا حکمت سے۔ اخلاق ناصری مین ہے کہ حکمت در عرف
اہل معرفت عبارت است از دانستن چیزہا چنانکہ باشد وقیام نمودن بکارہا
چنانکہ باید بقدر استطاعت تا نفس انسانی بکمالیکہ متوجہ آن است برسد۔
و چون چنین بود حکمت منقسم شود بہ دو قسم۔ یکے علم و دیگر عمل۔ علم تصور حقایق
موجودات بود و تصدیق باحکام و لواحق آن چنانکہ فی نفس الامر باشد بقدر
قوت انسانی۔ و عمل ممارست حرکات و مزاولت صناعات از جہت اخراج آنچہ
در حیز قوہ باشد بحد فعل بشرط آنکہ مودی بود از نقصان بکمال برحسب طاقت
بشری۔ و ہر کہ این دو معنے در و حاصل شود حکیمے کامل و فاضل بود و مرتبہ او
بلند ترین مراتب نوع انسانی باشد۔ اما حکمت عملی و آن دانستن مصالح
حرکات ارادی و افعال صناعی نوع انسانی بود بر وجہیکہ مودی بود بنظام احوال
معاش و معاد انسان و مقتضی رسیدن بکمالیکہ متوجہ اند بسوے آن۔ و
آن ہم منقسم می شود بہ دو قسم۔ یکے آن کہ راجع بود باہر نفسے بانفراد و دیگرے

آنکہ راجع بود با جماعتے بمشارکت وقسم دوم نیز منقسم می شود بہ دو قسم یکے آنکہ راجع بود با جماعتے کہ میان ایشان مشارکت بود در منزل و دیگرے آنکہ راجع بود با جماعتے کہ میان ایشان مشارکت بود در شہر و ولایت بل اقلیم و مملکت پس حکمت عملی بر سہ قسم بود اول را تہذیب اخلاق و دوم را تدبیر منزل و سوم را سیاست مدن خوانند۔

سورہ جمعہ میں ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ۔ وہی وہ ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک پیغمبر کو انہیں میں کا تلاوت کرتا ہے ان پر اسکی آیاتکو اور ان کو مزکی کرتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور پہلے تھے وہ گمراہی صریح میں۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ کی آیات کو اپنی قوم میں تلاوت کرتے تھے اور کتاب حکمت بھی سکھاتے تھے اور ان کے نفس کا تزکیہ کرا کر ان کو مزکی کر دیتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب و حکمت کے سکھانے اور اللہ کے آیات کی تلاوت سے انسان کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔ سورہ بقر میں ہے۔ یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب ۔ دیتا ہے حکمت جس کو چاہتا ہے اور جسکو دی گئی حکمت تو بیشک اسکو دیا گیا خیر کثیر اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحبان عقل۔

پس حکمت جس کو ملتی ہے اس کو بہت خیر ملتا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت لقمان کو بھی قران میں حکمت کا عطا ہونا بیان ہوا ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں

کی احکام ضروری کے بجنسہ بیان ہوا ہے کہ یہ حکمت میں سے ہے جو ہم نے آپ کی
طرف وحی کیا۔ لہٰذا حکمت ایسی اہم چیز ہے کہ آنحضرتؐ پر اُس کی وحی کی گئی۔
اور سورہ بقر میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ دعا مانگی تھی کہ میرے اولاد میں
ایسے پیغمبر کو پیدا کر جو حکمت سکھاتا ہو یعنے آنحضرتؐ کے لئے یہ دعا تھی۔ پس
حکمت کی فضیلت کے لئے یہ سب کافی ہیں۔ اب یہ غور طلب ہے کہ حکمت
اور کتاب میں کیا فرق ہے۔ دو جگہہ بالخصوص قرآن مجید میں حکمت کے جو
تفصیلی احکام ہیں وہ بیان ہیں۔ یعنے سورہ بنی اسرائیل و سورہ لقمان میں
اور کتاب کے احکام تمام قرآن مجید میں متعدد جگہہ ہیں۔ ان سب پر غور کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ جہاں پر حکمت کے احکام بیان ہیں وہاں پر نتایج بھی بیان
کر دیئے گئے ہیں تاکہ لوگ سمجھ کر اور اُس کے فایدہ و نقصان کو جانکر اُس سے
بچیں اور کتاب کے بیان میں ضروری نہیں ہے کہ وہ بیان کئے جاویں
بلکہ وعدہ یا وعید یا بغیر وعدہ و وعید کے بیان ہے یعنے صرف حکم بعض جگہہ
دیدیا گیا ہے۔ حکمت کی باتیں حکیم بھی بیان کر سکتا ہے لیکن کتاب بغیر وحی کے
نہیں سکھلائی جاسکتی۔ لہٰذا دونوں کے طرز بیان میں بھی فرق ہوتا ہے اور یہی
اختلاف حکمت اور کتاب میں مابہ الامتیاز ہیں۔ حکمت کہتے ہیں کام کی باتوں کو جو
عقل و شرع کے موافق ہوں سمجھنے اور کرنے کو۔ سورہ بقر میں ہے۔

الشیطٰن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء	شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو فقر کا اور حکم کرتا ہے
واللّٰہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا	تم کو بیحیائی کا اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے مغفرت
واللّٰہ واسع علیم ۝	و فضل کا اور اللہ کشایش والا جاننے والا ہے۔

پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت خیر کثیر کا سبب ہوتی ہے۔ اور
صاحبان عقل ہی نصیحت پکڑتے ہین یعنے قدر حکمت کی جانتے ہین اور شیطانی
وعدہ یہ ہے کہ اُس کے نتایج فقر و فحشا ہون اور اللہ کے وعدے کے نتیجے اُسکی مغفرت
اور اُس کا فضل ہے۔ لہذا حکمت کے فواید و نتایج بروے آیت یہ ہوے کہ فقر و
فحشاء سے انسان بچے اور فضل جو اُس کا ضد و مقابل ہے وہ اُس کو ملے
اور مغفرت اُس کی ہو کیونکہ وعدہ کے بعد ہی حکمت کی تعریف بالفاظ مذکورہ کیگئی ہے
پس اسطرح نتایج و فواید حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔ سورہ احزاب مین ہے۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من	اور یاد کرو اے نبی کی بیویو جو پڑھا جاتا ہے
ایٰت اللہ والحکمۃ ان اللہ کان	تمہارے مکان مین اللہ کی آیات اور حکمت مین سے
لطیفاً خبیرا ہ	اللہ لطف کرنیوالا خبردار ہے۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ لطیف خبیر آیات اللہ اور حکمت کی
تلاوت کو نعمت و مقابل یاد قرار دیتا ہے اور جس طرح آیات اللہ کا ذکر اس آیت
مین ہے اُسیطرح حکمت کا بھی ذکر ہے۔ لہذا حکمت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔
اور جبکہ آنحضرتؐ کے گھر کے اندر اُس کی تلاوت کا ہونا ثابت ہوتا ہے تو اور بھی
اُس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اخلاق مین دو قسم کے اصول ہوتے ہین ایک
دل اور سمجھ سے اور دوسرا مقررہ قواعد سے و نفس کے روکنے سے متعلق ہے
محنت ادب و عزت کرنا اول الذکر سے اور اعتدال آخر الذکر سے رکھتا زیادتی
سے پرہیز کرنے کی نصیحت و مقررہ قواعد بالغیب کی پابندی جلد باز و گرم مزاج
نئی عمر کے لوگون اور نوجوانون کو بدمزہ و بے لذت معلوم ہوتی ہین مگر وہ بعد مین سمجھتے

اور سکیتے ہین زیادتی اور کمی دونون حدون سے انسان کو یکسان پرہیز کرنا اور خوب سمجھہ لینا چاہیئے کہ عمر اور تجربہ کے زیادہ ہونے کے بعد اعتدال و صالحیت کی قدر وہ پہچانین گے وہ طاقتور نہین جو بے پروائی سے اپنی قوت کو استعمال کرین بلکہ وہ قوی ہین جو ہوشیاری کے ساتھہ ضبط رکھین اور عمل صحیح کرین۔

سورہ بنی اسرائیل مین ہے۔ ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صلحین فانہ کان للاوابین غفورا

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے نفوس مین ہے اور اگر تم صالح ہوگے تو رجوع کرنیوالون کیلیئے وہ غفور ہے۔

یہ آیت ماں باپ کے بابت جو آیت وقل رب ارحمھما کما ربینی صغیرا کے اور خرچ بیجا نہ کرنے کے حکم کے قبل ہے لہذا ثابت ہوتا ہے کہ صالح ہونا اور نفوس کو صالحیت پر قایم رکھنا اللہ غفور کے طرف رجوع ہونا او رحاشر مین محمود ہے۔ سورہ لقمان مین ہے۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین ہ

آدمیون مین سے وہ ہے جو مول لیتا ہے کھیل کی باتون کو تاکہ گمراہ کرے اللہ کی راہ سے بغیر علم اور ٹھیراتا ہے اُس کو ٹھٹھا اُنہین کیلیئے عذاب رسوا کرنے والا ہے۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کھیل کی باتون کو اس لیئے اختیار کرنا کہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرین اور اُس کو ٹھٹھا ٹھہرادین رسوا ہونے والے عذاب کا سبب ہے۔ کھیل کی بات کیا ہے وہ ہے جو حکمت کی بات کے خلاف ہو اسی لیئے اسی سورہ مین چند آیات کے بعد لقد اتینا لقمن الحکمۃ ان اشکر للہ

جس سے معنے مذکور کی تائید ہوتی ہے [illegible]
امتیاز مابین نباتات و ہر قسم کے حیوانات و کیڑون و انسانون کے
اور نفس انسانی و چوپایون۔ نباتات مین حس اور حرکت ارادی نہین ہین
نمو ہوتا ہے اور اپنے مادہ کو متغیر کرتے ہین پھر گھٹ جاتے ہین اُنکی حرکت
قسری ہوتی ہے نہ ارادی جس وقت خارج کی قوت اُن پر اثر کرتی ہے اُس
وقت حرکت کرتے ہین حیوانون مین حس و حرکت دونون پائی جاتی ہین نباتات
کے طرح اُن مین نمو ہوتا ہے اور وہ اپنے جسمون کا مادہ تبدیل کرتے اور
گھٹ جاتے ہین اور جو امر اُن کے سامنے واقع ہو اُن سے اُن کو آگہی ہوتی
ہے اور جس طرف جانا چاہین جا سکتے اور جس حالت کو چھوڑنا چاہین چھوڑ سکتے
ہین غرضکہ قواے حیوانی مین حس و حرکت ارادی کی قابلیت ہوتی ہے۔
حس و خواہش اُن کے مابین اور نباتات کے مابین امتیاز ہوتے ہین۔ پس حرکت
اور حس اور تغذیہ بدن تینون گویا کیڑون کی زندگی کے عناصر ہین۔ سب
کیڑون مین شہد کی مکھیون کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ
ایک خاص قسم کی فہم و ادراک کے مثل ایک قسم کی قوت رکھتی ہین وہ یکجا
رہتی اور ایک دوسرے کی مدد ایک حد تک کرتی ایک دوسرے کو غذا
پہنچاتی ایک دوسرے کا چھتہ طیار کر دیتی اپنے آرام کے لئے گھر بناتی موسم سرما
کے واسطے خوراک کا ذخیرہ دوسرے موسمون مین جمع کر رکھتی ہین اور جب کہ
بعض کیڑے جو اُڑ نہین سکتے ہین غذا کے نہ ملنے سے مر جاتے ہین اُس وقت بھی مکھیان
اپنے محنت کے ثمرہ اور ذخیرہ کرنے کے سبب سے اپنی جان بچا لیتی ہین شہد کی مکھی

بغیر تربیت کے اپنے عجیب افعال خود بخود کرنے لگتی ہے اور اپنے ہم جنسوں کی پیروی اور دیکھا دیکھی نہین کرتی بلکہ الہام و اقتضائے طبیعی کے ہدایت سے کام مین مشغول ہوتی اور اُس کو انجام دینے لگتی ہے اور جو اُن کی پرورش و زندگی کے لیے ضروری ہے اُس مین وہ کامل ہوتی ہے اور اُس کے سوا کوئی کام نہین سیکھ سکتی۔ اُس کی عقل طبیعی شروع ہی سے کامل ہوتی ہے وہ اپنے گھر اور غیر مکھی کے گھر مین تمیز کرتی ہین پھولون کے مختلف اقسام مین جو فرق ہے اُس سے واقف ہوتی ہین جو آدمی اُن پر دست اندازی نہین کرتے اگر پاس بھی آجائین اُن سے مزاحمت نہین کرتین اور اپنے بدخواہون کو جان لیتی ہین کیونکہ اس طریق سے اُن کی زندگی کی حفاظت ہے اور تربیت سے نہ وہ تبدیل ہوتا اور نہ بڑھ سکتا اور نہ زیادہ تیز ہو سکتا ہے اور نہ اُس سے کچھ اثر ہوتا ہے۔

ان علامتون سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل طبیعی اور قوت ممیزہ دو جدا قوتین ہین کیڑون مین قوت ممیزہ نہین ہوتی اُن مین عصب کے قسم کے آلات نہین ہوتے جن پر قوت ممیزہ اثر کرتی ہے۔ شہد کی مکھیان تنکے کے چھتے مین جو انسان بناتا ہے چلی جاتی ہین اور یہ نہین سمجھتین کہ انسان اُن کے شہد کے لینے کے لئے یہ کید کرتا ہے۔ اُن حیوانات مین جن کے افعال میل طبیعی کے اقتضا سے سرزد ہوتے ہین چھوٹے سے چھوٹا بچہ اُن کے پیدا ہونے کے برابر ہوشیار ہوتا ہے اس لئے کہ زندگی کی حفاظت کرنے کے لئے جس قدر بوڑھے جانور کے لئے ضرورت ہے اُسی قدر بچون کے لئے بھی اور عقل حیوانی اُن کو اُن کی حفاظت ہی کے لئے عطا ہوئی ہے۔ حیوانون مین

پیدا ہوتے ہی وہ آثار ظاہر ہوتے ہین جو میل طبعی پر منحصر ہین اُن کی عقل حیوانی اُسی وقت کامل ہو جاتی ہے جب حیوان پیدا ہو کر اپنی جماعت مین شامل ہو جاتا ہے۔ بخلاف عقل انسانی کے کہ تدریجاً اُس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اُس سے یہ غرض ہے کہ نفس مین ارتقا ہو اور آدمی کے اوصاف مین ترقی ہو اسی لئے جس قدر عمر بڑھتی ہے عقل زور آور ہوتی جاتی ہے یہ قوت ہر آدمی مین مختلف ہوتی ہے اور حیوانیت کے مشابہ درجہ سے ترقی کرتے کرتے انسانیت کے درجہ و فضیلت پر پہنچا دیتی ہے۔ انسان مین حیوانون سے ممتاز کرنے والی ایسی قابلیتین و صلاحیتین و استعداد ہین جو حیوانون مین نہین منجملہ اُس کے عقل و فکر ہے جو حیوان مطلق مین نہین انسان ہی مین یہ استعداد و طاقت ہے کہ اُسکے افعال عقل یا قوت متفکرہ و ممیزہ کے تابع ہون۔ انسان مین وہ طاقت ہے جس کے سبب سے وہ نتیجہ نکالتا اور اُس پر پہنچ سکتا ہے اور جو علم سلف نے حاصل کیا اُس کو حاصل کر کے اپنے فایدہ کے لئے وہ کام مین لا سکتا ہے حیوان مطلق دوسرون کے علم سے فایدہ نہین اُٹھا سکتا اُس کا اس قدر یاد رکھنا بھی ممکن ہے کہ بعض خاص امور سے خاص نتایج پیدا ہوتے ہین اُنکی کیفیت کو نہ وہ جان سکتا ہے نہ اُن کے جاننے کی کوشش کرتا ہے اُس کی یاد اپنے ہی تجربہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس مین تحریک طبعی ہوتی ہے جو کسی طبعی حرکت یا حافظہ کے بنا پر عمل کرتی ہے۔ حیوان مین بعض وقت نا تربیت یافتہ انسان سے زیادہ عقل بظاہر معلوم ہوتی ہے بلکہ تحریک طبعی کا ظاہری فعل بعض وقت خود عقل کے استعمال کے نتیجہ سے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ اُن کے تمام افعال قوت متفکرہ سے نہین بلکہ قوت حافظہ کا نتیجہ ہین یا اُس عقل کا نتیجہ ہین جو حیوان کے سکہانے والے انسان مین ہین نہ انکا جو خود حیوان مین ہین حیوان کسی جگہہ کو جو پہلے دیکہہ چکے ہین ممکن ہے کہ پھر دوسرے بار پالین جو اُن کے حافظہ کے طرف منسوب ہوسکتا ہے لیکن انسان اگر اُسکو پتہ دیا جاوے اور ہدایت کی جاوے تو ایسی جگہہ بھی جا سکتا ہے جس کو اُس نے پہلے کبھی نہین دیکھا۔ انسان ایک امر سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا نتیجہ نکالتا ہے اور مفید اور مضار مین اپنے انجام اندیشی و تجربہ اور دوسرون کے تجربہ سے تمیز کرکے تدبیر کرتا ہے علت و معلول کے سلسلے کو تلاش کرکے اُس سے فایدہ اُٹھاتا اور فیصلہ کرتا و حکم لگاتا و یقین و تسکین حاصل کرتا ہے۔ تفکر و تعقل و تصور اور تفقہ و تدبر وغیرہ قواے ذہنی کو کام مین لاتا اور دوسرون کو تعلیم بھی دیتا ہے۔ مجہول کو معروف مین لاتا اور عام کو عام تر کلیہ مین کرلیتا ہے۔ جزئی سے کلی اور کلی سے جزئی بناتا اور حواس کو ذریعہ و وسیلہ علم کرتا ہے اور اپنے نفس کا اثر دوسرے پر ڈالکر اُس کو معمول کرتا ہے احساسات و جذبات کو معتدل بناتا ہے۔ اُن سب حیوانون مین جن کے اعصاب کی بناوٹ کیڑون کے بناوٹ سے عمدہ ہے۔ سیانپت کے آثار بھی دیکھے جاتے ہین اور بتدریج تربیت ایسے افعال اُن سے سرزد ہوتے ہین کہ محض اقتضاے طبعی سے اُنکا ظہور نہین ہوتا بلکہ وہ نقالی یا سکھاے جانے کا نتیجہ ہوتے ہین یہانتک کہ اکثر اُن عادتون کو چھوڑ دیتے ہین جو بعض اوقات راسخ اُنمین ہو جاتی ہین یا محدود قسم کی سیانپت ان مین طبعاً ہوتی ہے۔ چوپایون مین ہاتھی سب سے زیادہ تربیت پذیر

اور سیانا معلوم ہوا ہے لیکن انسان سے مغلوب ہوجاتا ہے اور اُس کی سیانپت بھی ایک محدود درجے تک ہے۔ لومڑی سیانپت و مکاری مین یادگار ہے اور شکاری کتے کو بھی وہ دھوکا دیدیتی اور اُس سے اپنی جان بچالیتی ہے لیکن انسان اُس کو بھی گڑھے مین لاکر کانٹے مین پھنساکر گرفتار کرلیتا ہے وہ نہین سمجھ سکتی کہ کہان سے کہان آگئی۔ کتا بہت سمجھدار و سیانا کہا جاتا ہے وہ سکھلانے و سدہائے جانے سے ہوشیاری سے کام کرتا ہے۔ بیسالیکر دوکان سے روٹی اپنے لیے یا اپنے مالک کے لئے خرید لاتا اور اپنی غذا کو آیندہ کے لئے چھپا رکھتا ہے اور پیسا جس کے ذریعہ سے اُس کو روٹی دوکان سے ملسکتی ہے اُس کو بھی جمع کرکے پوشیدہ رکھتا ہے اور جب اُس کا آقا اس چھپائی ہوئی رقم سے واقف ہوجاتا ہے تو اُسے دوسری جگہ چھپا دیتا ہے اور جو اُس کے چھپانے کو ظاہر کردے اُس سے عداوت رکھتا ہے اپنے مالک و دوسرون کو پہچانتا اور خاص خاص حالت کے تحت مین اُنکو تلاش کرلیتا ہے وہ بھی انسان کا مسخر ہوتا ہے۔ اُن جانورون مین جو اقسام حیوانات مین آدمی سے ادنیٰ اور جانورون سے اعلیٰ ہین بندر بہت ہوشیار کہا جاتا ہے یہ سیانپت و فریب کرتا ہے اپنی پشیمانی اپنے افعال سے انسان پر ظاہر کردیتا ہے اپنے ساتھی بندرون کو ترکیب سے چڑھنے اُترنے مین مدد دیتا اور دریا کے پار باہمی مدد سے اُتار دیتا ہے اور آپس کے کمزور و مضبوط کا خیال رکھتا ہے نقالی کی استعداد اُس مین زیادہ ہے پس سکھائے ہوئے افعال کو وہ زیادہ اچھا کرتا ہے اپنے دُم و چارون ہاتھون سے درختون پر چڑھ جاتا ہے جب

ایک جگہہ سے دوسرے جگہہ کودکر جاتا ہے تو اُس کی دم کشتی کے پتوار کا کام دیتی ہے۔ ایک قسم کا بندر دوسرے قسم کے بندرون سے جدا رہتا اور باہم علاقون کو تقسیم کر لیتا ہے یعنے ایک قسم کے بندر دوسرے قسم کے بندر کے علاقے مین نہین آتے پھر انسان کی سمجھہ بندر کو بھی اپنے تابع کر لیتی ہے۔ چمپانزی بندر کی ایک قسم ہے جب تنکر وہ کھڑا ہوتا ہے تو قریب پانچ فٹ کے لمبا ہوتا ہے وہ ایک چھوٹے قسم کا بھی ہوتا ہے چمپانزی کے افعال و حرکات آدمی سے اسقدر مشابہ ہین کہ دوسرے حیوانات کے نہین وہ اپنے رہنے کی جگہہ پتون اور ڈالیون سے بطور جھونپڑی بناتا ہے اور اکثر زمین پر رہتا اور چند ملکر علحدہ علحدہ رہتے ہین لیکن بچپن مین جیسا وہ تربیت پذیر اور مسکین ہوتا ہے ویسا بوڑھا ہو کر نہین رہ جاتا۔ بچپن مین اُس کی کیسی ہی تربیت ہو بڑا ہو کر وحشی ہو جاتا ہے۔ لہذا نباتات و حیوانات و انسان مین یہ اور اس قسم کے فرق ہین جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتے اور ما بہ الامتیاز بناتے ہین غرضکہ انسان کے نفس کے اطوار و آثار سب سے زیادہ اُس کو ممتاز اور غالب کرتے ہین و جملہ حیوانات پر بوجہہ اپنی خاص قسم کے سیانت رکھنے کے غلبہ کر لیتا ہے۔

انجام اندیشی و تعرف نفس و اعتبار کی ضرورت اور کیا و کسطرح اعتبار کرنا چاہیئے۔

بحزم کوش کہ این رہ پر خطر است — باحتیاط قدم نہ کہ جا شور و شر است
ہمیکہ ابر ببارد چنان تصور کن — کہ سیل می رسد و خانہ تو بر گذر است
کسیکہ عاقبت اندیش و دوربین باشد — مقرر است کہ از خود ہمیشہ باخبر است
مباش غافل از حزم و بیگرانہ مشو — کہ حزم تیر بلائے زمانہ را سپر است

جو کرے گا بغیر سوچے کام — ہوگا آخر کو وہ بہت بد نام
جس کو انجام کا نہیں ہے خیال — اُس کو رہتا ہے ساری عمر ملال
تیر از کمان چو رفت ناید بشست باز — پس واجب است در ہمہ کارے تاملی
سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل — چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل
اگر خویشتن را ملامت کنی — ملامت نباید شنیدن ز کس
بہ تندی سبکدست بردن بہ تیغ — بدندان گزد پشت دست دریغ
غمے کز پسش شادمانی بری — بہ از شادیٔ کز پسش غم خوری
برگیر ز خود حساب اگر با خبری — کاے دل تو چہ آوردی و آخر چہ بری
مکن کس را باندک ظن باطل — عقوبت تا پشیمانی نیارد
بد نفس مباش بدگمان باش — از فتنہ و مکر در امان باش
اے گشتہ شب و روز بدنیا نگران — اندیشہ ہمی کنی تو از روز گران
آخر نفسے ببین و باز آے بخود — کا نام چگونہ می کنند با دگران
بنگر چہ کسی و از کجا آمدۂ — میدان چہ میکنی و کجا خواہی رفت

انجام اندیشی بھی انسان کی صفت خاص مین سے ہے حیوان جزا کے خوف سے کسی خاص قسم کا فعل نہین کرتا اور سزا کو یاد کر کے اُس سے باز رہتا ہے لیکن انسان سمجھتا ہے کہ ایسے فعل کے کرنے سے جس سے سزا یا تکلیف ہوتی ہے اُس کو فایدہ زیادہ ہے یا نقصان اور جیسا مناسب سمجھتا ہے ویسا کرتا ہے یعنے یا تو سزا کا اثر اُس پر نہ ہو یا برداشت کرے یا آیندہ ویسا فعل ہی نہ کرے یا اپنے نفع کے لئے اُس کی جگہہ پر دوسرا فعل کرے غرضکہ اس

امر مین انسان کا فعل بربنائے عقل و تفقہ ہوتا ہے اور حیوان کا بربناے
حافظہ و محض جذبات کے۔ اناکا یقین تو سب آدمیون کو بچپن ہی سے ہے
لیکن افراط و تفریط سے بچنا کمال و تعرف نفس حاصل کرنا ہے یعنے اپنی قابلیت
و حیثیت کا سمجھنا کہ صرف اس قدر مین مختار ہون اور اس قدر میرے فرائض
ہین اور اس قدر میری اصلی و واقعی قوت ہے۔ بے سمجھے بوجھے ہر شخص و
ہر شئے اور ہر خبر پر اعتبار کر لینا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان اپنے اور
دوسرون کے تجربہ کا فایدہ نہ اُٹھا کر اپنی ابتدائی سادگی پر قایم ہے جس کا نام
دوسرے الفاظ مین حماقت ہے پس وہ اُس کے وجہ سے بازیچہ مکر و
فریب بنا رہتا ہے۔ خبر مین احتمال ہوتا ہے کہ وہ صادق ہے یا کاذب لہذا
حزم و احتیاط و انجام اندیشی کا مقتضا یہی ہے کہ اصول صحیحہ کے ساتھہ
انسان اُس کو پرکھتا رہے اور بغیر جانچے اعتبار نہ کر لیوے۔ اعتبار کی
کمی انسان کو متلون مزاج بنا کر بزدل بنا دیتی ہے اور جب لوگ سمجھہ لیتے ہین
کہ شک کسی کے مزاج پر غالب ہے اور سچون پر اعتماد نہین کرتا تو اُسکو بھی
لوگ علاوہ شکی اور برے گمان کرنے والے کے یہ بھی سمجھنے لگتے ہین کہ خود
بھی وہ قابل اعتبار نہین اسی لیے تو وہ اپنے نفس پر قیاس کرکے دوسرونکو
بھی اپنے مثل سمجھتا ہے۔ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ ہمارا تعلق باہمی ایسا ہے
کہ بغیر اعتبار کے ایک لحظہ آسایش سے بسر نہین کر سکتے۔ راحت و اطمینان
قلب کے لئے دوسرے پر اعتبار ہی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کھانے
پینے اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کام کاج ہر چیز مین انسان دوسرون کا محتاج ہے

اور وہ اُس کو بغیر اعتبار کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے وحشی کو بے اعتباری کی وجہ سے کھانا جب ہی نصیب ہوتا ہے جب خود اپنے ہاتھ سے پکائے۔ رات کو بھی آرام نہیں ملتا آنکھیں دروازہ کی طرف لگی رہتی ہیں کہ کہیں کوئی آکر گلا نہ دبا دے۔ غرضکہ اسی قسم کی کشمکش سے اعتبار کا سبق انسان کو ملتا ہے۔ سب سے پہلے خود اپنے قویٰ پر اعتبار کرنا پڑتا ہے کیونکہ انسانی ترقی کا اصلی راز خود اپنے اوپر اعتبار کا پیدا ہونا ہے۔ قدیم مقولہ ہے کہ اعتبار اعتبار ہی سے پیدا ہوتا ہے گویا اعتبار ایسا درخت ہے کہ جس کا بیج بھی اعتبار ہے اور جس کی آبیاری بھی اعتبار ہی سے ہوتی ہے اور جس کا پھل پھول بھی اعتبار ہوتا ہے۔ تمام کارخانہ فطرت کے علت و معلول کے سلسلہ کے مستقل و مضبوط ہونے کا یقین اعتبار ہی سے ہوتا ہے اور اسی اعتبار پر انسان کُل کام کرتا ہے۔ پس اعتبار زیادہ کرنا اور بے اعتباری کم کرنا ہی مفید ہے اور اعتبار با اعتدال کا اختیار اسی اصول پر ہونا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ خبروں کو بغیر جانچ کے قبول نہ کرنا اور جن میں شہادت ضروری ہے اُن میں شہادت کا لینا اور بغیر شہادت کے اعتبار نہ کرنا لازم ہے لیکن عمل کرنے میں زیادہ اعتباری کرنا چاہیے اگر اعتبار نہ بھی ہو تب بھی بغیر سخت ضرورت کے بے اعتباری کو ظاہر نہ کرنا چاہیے لیکن بغیر اصول صحیح کے جانچ کے اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ جب لوگ سمجھ لینگے کہ اصول صحیح سے جانچکر اعتبار کوئی کرتا ہے تو اُس کو شکی نہ سمجھیں گے اور نہ وہ نامرد و نامراد ہوگا۔

تاریخ و تجربہ و مشورت فرزانگان و حصول نصیحت و تفہیم سے سفنے

نصیحت و دعوے کے لئے دلائل و مثال - تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات مین جو تغیرات پیدا کئے ہین اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے اُن دونون کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے - اور ایک بڑے حکیم نے یہ تعریف کی ہے کہ اُن واقعات و حالات کا پتہ لگانا جس سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے اور علت و معلول کے سلسلہ سے جو نتایج پیدا ہوئے ہین اُسکا کھوج لگانا ایک مورخ کی مدح کی گئی ہے - اس نے تاریخ مین شاعری سے کام نہین لیا وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا کسی واقعے کے بیان کرنے مین مطلق پتہ نہین لگتا کہ جو اُس نے بیان کیا ہے اُن سے کن سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناخوش اور اُس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے - واقعہ کو سچا بیان کرتا اور اُن کی پوری تصویر پیش کرتا ہے -

حکایات و احوال پیشینیان ۔۔۔ روایات و اخبار کار آگہان
دل و دیدہ را روشنائی دہد ۔۔۔ بعلم و خرد آشنائی دہد
پدوران بسے تجربہ کردہ اند ۔۔۔ بہر کار بس رنجہا بردہ اند
درختے کہ کشتند در روزگار ۔۔۔ بسے آورد میوہ ہا نغز بار

من جرب المجرب حلت بہ الندامہ - انظر الی ما قال لا تنظر الی من قال

مکن تکیہ بر ملک و گنج و سپاہ ۔۔۔ ز فرزانگان راے و تدبیر خواہ
رخ از ہیچ از مشورت زیرا کہ ارباب خرد ۔۔۔ مشورت را پیشکار اہل دولت گفتہ اند
مدد خواہ از خردمندان آگاہ ۔۔۔ کہ تا یابی سوے مقصود خود راہ

مرد باید که گیرد اندر گوش ۔ ور نوشتست پند بر دیوار
گفت عالم بگوش جان بشنو ۔ ور نماند بگفتنش کردار
دلالت دو نوع است بر فعل خیر ۔ کزان هر دو حاصل شود سود غیر
یکے آن که مردم نصیحت کنی ۔ براهِ خدا خلق دعوت کنی
دگر آن که خلق از نکو کاریت ۔ کند اقتدائے بہ ہشیاریت
در بحث علم تند خوئی چہ کنی ۔ جنگ و جدل و درشت خوئی چہ کنی
این مجلس درس است نہ میدان قتال ۔ این حق جوئی است جنگجوئی چہ کنی
ہر کہ گردن بدعوے افرازد ۔ خویشتن را بہ گردن اندازد
نہ گفتہ نہ دارد کسے با تو کار ۔ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار
نہ دانستی کہ بینی بند بر پاے ۔ چو در گوشت نیاید پند مردم
گرچہ دانی کہ نشنوند مگوے ۔ ہر چہ دانی ز نیک خواہی و پند
زود باشد کہ خیرہ سر بینی ۔ بہ دو پاے فتادہ اندر بند
دست بر دست می زند کہ دریغ ۔ نشنیدم حدیث دانشمند

امور مذکور پر عمل بھی انسان کے صفات مخصوصہ میں سے ہے اور حیوان و انسان میں ما بہ الامتیاز ہیں اور انجام اندیشی کے لئے اُن کی ضرورت ہے لہٰذا مختصراً اونپر اشارات کئے گئے۔

اعلیٰ نصیحتوں کا یاد رکھنا و سوانحمری سے مستفید ہونا اور مطمح نظر اعلیٰ مثال پر قایم کرنا و سب سے بہتر عمدہ صحبت کا اختیار و بُری صحبت سے پرہیز تم اپنے دل و دماغ میں پاک و بہتر نصیحتوں کا ذخیرہ رکھو وہ تمھیں

بد اثرون سے بچنے کی تحریک کرے گی جیسے ساتھ کا سپاہی اپنے آقا کو مدد دیتا ہے
اُس سے بھی زیادہ کار آمد و مفید یہ ہے کہ اعلی بزرگون اور بہادرون کو نمونہ و
مثال قرار دے لو۔ دوسرے الفاظ مین یون کہنا چاہیئے کہ بزرگ و اعلی ہونے
کے لئے درست طریقہ یہ ہے کہ نیک و مشہور بزرگون کی سوانحعمری سے کمسن ہی
مین واقفیت حاصل کیجاوے اور اُن کو مثال بنایا جاوے اعلی بزرگونکی
نیک مثال زیادہ پُر اثر ہوتی ہے جب ہم اسکو پیش نظر رکھکر اپنی نظرون کے سامنے ایسے
کام دیکھتے ہین جو دشوار معلوم ہوتا تھا تو نہایت زور سے یہ آواز معلوم ہوتی ہے
کہ جا تو بھی ایسا ہی کر اور ایسا ہی ہو۔ بلاشک ہر آدمی ویسا نہین ہو سکتا لیکن
تاہم ممکن ہے کہ تم ویسے ہو جاؤ یا کم سے کم اُس سے ایسا فایدہ اُٹھاؤ جو ترک سے
نہین اُٹھا سکتے تھے۔ نصب العین تک پہنچنے کے لئے ثابت قدمی سبب کامیابی
ایک سچا پُچھے انسان کی عزت اُس کے موافق کرنا جو دنیا کرتی ہے محض دھوکا ہے
لہذا لازم ہے کہ لغو اور بیہودہ انسانیت کی تصویرون سے جو کہ جھوٹے قصون مین
پائے جاتے ہین اجتناب کرو۔ دلچسپ قصہ وان ہونی بات جس سے نصیحت نہ ہو
و اُس کی مثال نہ قایم ہو سکے مثل دھنک کے ہے جو خوبصورت تو معلوم
ہوتی ہے مگر ہوا لگتے ہی جلد غایب ہو جاتی ہے۔ سوانحعمری سے بھی زیادہ
بہتر زندہ نیک بزرگون کی صحبت اور اُن کی صحبت کی تاثیر ہے اگر خوش قسمتی سے
ملجاوے تو اُس سے اور کیا بہتر ہے۔ عمدہ خوبیون اور اچھی باتون کو اُن سے
سیکھنا چاہیئے وہ باتین سیکھنا اُن سے مقصود ہے جن کے وجہ سے وہ
نیک سمجھے جاتے ہین نہ اُن باتون کو جو بوجہ ضعف بشریت کے اُن مین پائی جاوے

اُن کو ناقص ثابت کرتی ہین۔ پس تقلید زندہ یا مُردہ کی انہین باتون کی کرنی چاہیے
جو نیک ہون اور بد سے بچنا چاہیے۔ عمدہ کتابین نیکی کے طرف مائل کرنے اور
ترغیب دینے کے لئے مناسب ذریعہ ہین۔ لیکن زندہ نیک شخص کی کشش
کے مقابلے مین اُن کی کشش کمزور ہوتی ہے۔ کسن کے لئے اس سے
زیادہ اور کوئی برکت نہین کہ نیک صحبت اُس کو ملجاوے۔ ہوشیار و عقلمند بدچلن
کے بہ نسبت نیک چلن کی صحبت زیادہ مفید ہے۔ بُری صحبت سے پرہیز کرو
وہ مثل وبا کے اثر کرتی ہے خصوصاً نوجوانی کے ایام مین قسم قسم کی ہوسین و
لالچین بُری صحبت سے پیدا ہوتی ہین ایسی صورت مین سب سے بہتر یہ ہے
کہ عہد کرلو کہ بُری صحبت مین نہ جاوٗگے۔ تمہاری نفس پروری کی خوشی جو محض
دھوکا ہوتی ہے اُن نقصانات کا معاوضہ نہین ہوسکتی جو بد اخلاق ورذیل
صحبتون سے عاید ہوتا ہے۔ ہمین گناہگارون کے واسطے رونا چاہیئے مگر گناہ
کو کھیل و تماشہ نہ بنانا چاہیئے۔ علم و عمل اور دین مین جو تم سے بہتر ہون اُنکی صحبت
اختیار کرو اور جب تمہین اپنے کمترون کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تو اس بات کو
بسنجیدگی ذہن مین رکھو کہ اگر تم اپنے اُن ساتھیون کو مناسب موقع پر اپنے
مثل بنانا نہ چاہوگے جس کے لئے خالص محبت و دانائی درکار ہوتی ہے
تو وہ تمھین ضرور اپنے مثل بنا لینگے۔ لہذا اچھی باتون کو اختیار اور بُری کو ترک
کرو اور نہایت ہوشمندی برتو۔ احمقون کی صحبت سے احتراز تابہ امکان ضروری ہے
کیونکہ اول تو اُن کی صحبت کا اثر نامعلوم و خفیہ طور پر بموجب فطرت انسانی ہونا
لازمی ہے۔ دوسرے اُن کے افعال و حمق سے کم سے کم کچھہ نہ کچھہ نقصان

پہنچتا ہے۔ تیسرے جو خود نقصان اُن کو بوجہ احمقی پہنچتا ہے اُس کے رفع کرنے یا کم سے کم اُس پر افسوس ہونے سے صحبت رکھنے والے کو تکلیف ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے نیکون کی صحبت اور عقلمندون کی صحبت مین رہنا چاہیئے۔ صلحا و نیکون کی صحبت سے اگر خود کچھہ بھی نہ سیکھے تب بھی خفیہ و نامعلوم اثر خود بخود پہنچتا اور نیک بنا دیتا ہے اور نیکون سے جو فواید پہنچتے ہین وہ دوسرون کو سبب ترغیب قوی کا ہوتے ہین۔ علما بسبب علم و عمل کے شایع و حاصل کرنے اور نیک بنانے کا ہوتے ہین لہذا اُن کی عزت کم سے کم ضرور کرنا چاہیئے۔ روح را صحبت ناجنس عذاب است الیم۔

بیاموزمت کیمیائے سعادت	ز ہم صحبت بد جدائی جدائی
طلب کردم از دانایان یکے پند	مرا گفتند با نادان مپیوند
از سفلہ تند خوئے وبیعقل ووقار	زنہار مخور بادہ کہ رنج آرد بار
جانم فدائے آنکہ او اہل بود	سر در قدمش اگر نہم سہل بود
خواہی کہ بدانی بہ یقین دوزخ را	دوزخ بہ جہان صحبت نااہل بود
رقم برخود بنادانی کشیدی	کہ نادان را بصحبت برگزیدی
پارسا را ہمین قدر زندان	کہ بود ہم طویلہ رندان
عالم اندر میان جاہل را	مثلے گفتہ اند صدیقان
شاہدے درمیان رندان است	مصحفے درمیان زندیقان
بتر زین نباشد عذابے الیم	کہ با احمقے ہمسر آفند حکیم
کرستے کہ جفت لیمان شود	برو سختی مُردن آسان شود

ہمنشین تو از تو بہ باید تا ترا عقل و دین بیفزاید
با اہل خرد نشین کہ اصل من و تو گرد ے و شرارے و نسیمے و نمے ہست
ہر کہ با بدان نشیند اگر طبیعت ایشان در و اثر نہ کند بفعل ایشان متہم شود

حزن و فرح - اب ہم اُن بقیہ جذبات کا بیان کرتے ہین جو حیات حیات مین بالواسطہ معین ہوتے ہین - انبساط و انقباض اگرچہ عام کیفیت احساسی ہین جن کا وجود تمام جذبات مین ہوتا ہے لیکن زیادہ صحیح طور پر یہہ کہنا چاہیئے کہ وہ عناصر مفروزہ ہین جو ہر جذبہ مین پائے جاتے ہین بلکہ بعض صورتون مین یہ کیفیت احساسی اس قدر قوی ہوتی ہے کہ جذبہ کے دیگر خواص اُس کے مقابل مغلوب ہو جاتے ہین اور دیگر جذبات اُس کے وجہ سے طاری نہین ہوتے - یہ جذبہ غیر مرکب و غیر مخلوط ہے - مسرت کے مختلف مدارج و غیرہ مین اگر احساس ہلکا و مستمر ہو تو اُس کیفیت کو زندہ دل کہتے ہین اور اگر آیندہ مسرت کی توقع ہو تو اُمید مسرت کہتے ہین - غم کے مختلف مدارج کے بھی مختلف نام ہوتے ہین - اضمحلال اور الم نفسی کو افسردگی اور اندوہ و حرمان و حزن و ملال و پریشانی و حسرت و کرب و اذیت و کلفت و انقباض وغیرہ الم کے بیسیون فروع و اقسام ہین - سورہ آل عمران مین ہے - و لا تھنوا و لا تحزنوا اور نہ سست ہو اور نہ غم کرو اور تم غالب ہو و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۝ اگر تم مومن ہو -

پس اس آیت مین غم پر قایم نہ رہنے کی ممانعت ہوئی جس سے غم پر قایم رہنا اُسی طرح بُرا ہوا جس طرح سستی کرنا -

سورہ توبہ میں ہے۔ اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ ۝
جبکہ نبی کہتا تھا اپنے رفیق کو تو غم کہا اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اُتارا اللہ نے اپنی تسکین اُس پر۔

پس اس آیت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ غم پر قایم نہ رہنے کی آنحضرت نے اپنے رفیق کو ممانعت کی اور اللہ نے تسکین دیا یعنے غم میں۔ دوسرے ان اللہ معنا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ ہو اُس کو غمگین نہ ہونا چاہیئے۔ سورہ روم میں ہے۔

ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ۝
اور اُس دن خوش ہونگے مومن اللہ کی مدد سے جب روم عنقریب غالب ہونگے۔

پس اس آیت میں مومنین کو فرح کی بشارت دی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خوش ہونا مستحسن ہے اور چونکہ غلبہ اللہ کے مدد کی وجہ سے ہونیوالا تھا لہذا غالب ہونے پر خوشی کرنا اللہ کیطرف سے ہوا۔ سورہ روم میں ہے۔

واذا اذقنا الناس رحمۃ فرحوا بہا وان تصبہم سیئۃ بما قدمت ایدیہم اذا ہم یقنطون اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر ۝
اور جب چکھاتے ہیں ہم آدمی کو رحمت خوش ہوجاتے ہیں اُسکے ساتھ اور اگر پہنچے اُنکو بُرائی بسبب اُسکے کہ آگے بھیجا اُنکے ہاتھوں نے اُسوقت وہ ناامید ہوجاتے ہیں کیا نہیں دیکھا اُنہوں نے کہ اللہ پھیلاتا ہے رزق جسکے لیئے چاہتا اور تنگ کرتا ہے

پس ان آیات میں فطرت انسانی کا بیان ہے کہ رحمت سے کیفیت خوشی کی انسان میں پیدا ہونا لازم ہے اور جب بُرائی پہنچے تو وہ ناامید ہوجاتے ہیں اور

نہین دیکھتے کہ اللہ رزق کو پھیلاتا اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے
یعنے جو اس کو خیال کرلیتا ہے وہ ناامیدی سے بچ جاتا ہے پس جو ناامید ہو
اُس کے لئے اس خیال سے امید پھر پیدا ہوسکتی ہے۔ سورہ حدید مین ہے

لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا	تاکہ مایوس نہ ہو اُسکے سبب سے جو جاتا رہا تم سے
بما اتٰکم واللہ لا یحب کل مختال	اور نہ خوش ہو اُسکے سبب سے جو دیا تم کو اُس نے اور اللہ
فخور ہ	نہین دوست رکھتا ہر بڑائی کرنیوالے فخر کرنے والے کو۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے یہ چاہا ہے کہ قوت سے مایوس نہ ہوجاوین کہ بڑائی وفخر کرنے لگین اور اطمینانی حالت سے افراط ہوجاوے اور قلبی کیفیت کے علاوہ دوسری کیفیت افراط کی پیدا ہوجاوے کیونکہ واللہ لایحب کل مختال فخور بھی ولا تفرحوا کے ساتھ ہے۔ لہذا فرح فخور ہونا بُرا ہے نہ کہ خوش ہونا۔ غرضکہ فرح معتدل ہونے اور حزن قایم رہنے کی تنقیض بہت جگہہ قران مین ہے۔

انبساط ومسرت وفرح مین تمام جسم مین عموماً اور سر اور چہرہ مین خصوصاً دوران خون کی رفتار تیز ہوجاتی اور چہرہ پر رونق اور آنکھون مین چمک آجاتی ہے جسم تنجاتا اور آنکھین بلند ہوجاتی اور شرائین کی دہانین پھیل جاتی ہین انسان سانس جلد جلد لینے لگتا اور اُس کی حرارت غریزی بڑھ جاتی ہے اعضا مین تقویت آجاتی اور کاہلی جاتی رہتی اور بھوک کھل جاتی ہے۔ انسان محنت کیلئے اپنے کو مستعد پاتا ہے عضلات مین قوت کا ذخیرہ جو جمع رہتا ہے وہ خارج ہونا چاہتا ہے اس لئے انسان اضطراری حرکات مثل نعرہا سے مسرت وگانے وغیرہ کے کرنے لگتا ہے۔ انقباض وحزن وغم مین نظام دموی مین اختلال ہوتا

حرکات قلب دھیمی پڑجاتین دوران خون کی رفتار سست ہوجاتی آنکھون کی چمک جاتی رہتی چہرہ پر زردی وسنے رونقی چھا جاتی جلد خشک ہوجاتی آنکھین نیچی ہوجاتین اور رخسار وچہرہ کی جھلک جاتی رہتی اور چہرہ نیچے لٹک جاتا اور غشی طاری ہوجاتی ہے تنفس مین اختلال ہوجاتا اور تنفس بڑھ جاتا دم گھٹنے لگتا اور اُس کے رفع کرنے کے لیے انسان اضطرارا گہری سانس لے اٹھتا ہے کاربونک ایسڈ جو ہر سانس کے بعد باہر آتا ہے کم ہوجاتا ہے - اعمال ہضم مین اختلال ہوجاتا رطوبات معدی وکبدی کی تولید کم ہوجاتی ہے جسکے باعث غذا ہضم نہین ہوتی اور رفتہ رفتہ لاغری ونقاہت بڑھ جاتی ہے - نظام غدودی مین بھی اختلال ہوجاتا ہے رطوبات کے تمام غدود اپنے افعال ترک کردیتے ہین جس سے جسم مین خشکی بڑھ جاتی ہے آنسو نکلتے رہتے ہین لعاب دہن کی تقلیل سے مُنھ خشک وتلخ ہوجاتا ہے بعض دفع تولید بول بھی مختلف طور ہوتی ہے - اعضاے محرکہ مین بھی اختلال ہوتا ہے - قواے محرکہ کبھی شل ہوجاتے ہین اور انسان بحیس وحرکت رہ جاتا ہے اور کبھی قواے محرکہ غیرمعمولی تیز ہوجاتے ہین جس سے انسان چیخنے چلانے بال نوچنے مُنھ پیٹنے وغیرہ کی حرکات کرنے لگتا ہے اور اُس سے تکان ہونے لگتا ہے - لہذا فرح وحزن دونون مین خیال واعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیئے - بذلہ سنج طبیعت ہونا اور بذلہ سنجی کو نازبان کے کمال مین سے ہے خصوصاً تشبیہ اور استعارہ اور سادہ ترکیب مین عالمانہ بذلہ سنجی جس مین ظرافت کی معتدل چاشنی ہو اور خوش مذاقی کے ساتھ ہو تو وہ بہت ہی کمالات مین سے ہے خدا تعالےٰ نے

جس کو دیوے۔ جب کوئی دلچسپی سے اس پر خوش ہو تو داد دینے سے اور بھی فایدہ ہوتا ہے۔

زندگی زندہ دلی کا ہے نام   مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

زندہ دلی و شگفتہ روئی کی عادت خوش خوئی کے لئے بہت کار آمد ہے۔ مردہ دلی و پژمردہ رہنے سے تکلیف کو اور ترقی ہوتی ہے بخلاف اس کے اگر کوشش کرتے جاوین کہ شگفتہ رو و زندہ دلی کی عادت پڑے تو کیسے ہی مصیبت ہو وہ کم محسوس ہوتی اور کم ترقی کرتی ہے۔ شگفتہ روئی اور زندہ دلی سے دوسرون کو بھی خوشی ہوتی ہے بخلاف اس کے ترش رو پژمردہ صورت کو لوگ مکروہ سمجھتے ہین اور ان کی صورت دیکھنا اور اُنسے بات کا سننا گوارہ نہین کرتے اور ان کی صورت ہی حاجتمند کے تلخی کو بڑہا دیتی ہے اگر حاجت روائی بھی نہوں نے کی تو حاجتمند تلخی کے بعد فایدہ پاتا ہے۔ لہذا خوش نہین ہوتا۔ بعض لوگ تو اپنی حاجت ایسے لوگون کے پاس لیجانا ہی شدید عیب سمجھتے ہین۔ پس انسان جس کو حاجت روائی اور دوسرون کے کام آنا فرض ہے وہ پژمردگی مین یا تو فرض ہی نہین ادا کرسکتا یا اس فرض کو ناقص طور پر ادا کرتا ہے۔ بخلاف اس کے جو زندہ دل اور زندہ رو ہوتے ہین وہ اگر حاجت براری بھی نہ کرین لیکن ان کی خوش آیند با اور خوش کن افعال سے حاجتمند خوش ہو جاتا ہے اور حاجت نہ پوری ہونیکی تکلیف اس کی کچھ کم ہو جاتی ہے اور اس کے دل کو یہ ڈھارس ہو جاتی ہے کہ مجبوری کے وجہ سے مدد نہین ہو سکی۔

خوف و مایوسی۔ بقاے حیات کے لئے لازمی ہے کہ عوامل مہلکہ سے

اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے قوت موجود ہو جس کا مظہر خوف ہے۔ خوف کے انتہائی شدت کو دہشت کہتے ہیں اور آئندہ واقع ہونے والے خطرات کے ادراک یا تصور سے جو جذبہ مدافعت پیدا ہوتا ہے اس کا نام خوف ہے اسکے اقسام و فروع میں اندیشہ۔ ہراس۔ وحشت مرعوبیت وغیرہ ہیں۔ جب افراد کسی شے کی عظمت و سطوت سے بدرجہ غایت متاثر ہو جاتے ہیں تو انکے قوے ماند و معطل پڑ جاتے ہیں۔ ان کے آلات حواس صحیح و سالم معلوم ہوتے ہوں لیکن جبکا رعب پڑ اسکے بالکل ہاتھ میں مثل ایک بے جان آلہ کے رہتے ہیں اور وہ کنسے وہ جو کام چاہے لے سکتا ہے۔

فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون — نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے

قرآن مجید میں کئی جگہ مثلاً سورہ بقر وغیرہ میں ہے خوف و حزن دونوں کو ساتھ بیان کرکے دونوں سے نجات دینے کا دنیا ہو یا آخرت میں بعوض اعمال مخصوص مندرجہ آیات میں وعدہ ہے۔ لہذا خوف و غم سے بچنے کی فضیلت ان سے ثابت ہوتی ہے۔ خوف سے بچنے کے بڑے بڑے عنوانات ذیل ہیں۔

(۱) قوت ارادی کے ذریعہ سے ضبط نفس حاصل کرنا۔ (۲) قوت جسمانی۔ ضعف جسمانی کے وجہ سے جو خوف پیدا ہو ہو اس کا علاج ہے (۳) خود اعتمادی کے ذریعہ سے۔ اس کے ذریعہ سے مخالف حالات سے انسان اپنے تئیں ہراساں نہیں ہونے دیتا اور مقابلہ کے لئے طیار رہتا ہے۔ (۴) وسعت نظر۔ ضعیف الاعتقادی و کم نظری سے جو خوف پیدا ہوتا ہے وہ اس سے جاتا رہتا ہے۔ (۵) وسعت اختیارات۔ محکومیت و مغلوبیت سے

وجہ سے جو خوف پیدا ہوتا ہے اُس کا علاج ہے۔ (۶) زندہ دلی کی عادت۔
(۷) خدا اور ہدایات مذہب و عقل پر اعتماد رکھنے سے۔ (۸) توجہ ہٹانے سے
اپنے ذہن کو خطرات کے تصور سے ہٹا کر دوسرے طرف متوجہ کرنا۔ خوف
دور کرنے کی جتنی صورتین ہین اُن کا دار مدار عموماً کسی نہ کسی اُمید پہ ہے جب
ہر طرح کی توقع باقی نہین رہتی تو انسان پر یاس چھا جاتی ہے جس کا نتیجہ جذبہ
یاُوسی ہے۔ خوف مین نظام دقوے مین اختلال دوران خون مین فتور ہو جاتا
ہے شرائین کے دہانے سکڑ کر تنگ ہو جاتے ہین۔ بدن مین رعشہ ہو جاتا
لب مرتعش ہو جاتے ہین۔ دل دھڑکنے لگتا ہے رفتار خون سست رہتی ہے۔
بعض اعضا مین تشنج ہونے لگتا ہے۔ اعصاب ارادی مین اختلال ہوتا
اعصاب محرکہ شل ہو جاتے ہین اور انسان کو اپنے عضلات پر قابو نہین رہتا
آواز بھاری ہو جاتی اور بعض دفعہ بالکل بند ہو جاتی ہے۔ آنکھ مخوف شے
کی طرف گڑ جاتی ہین پتلیان کشادہ ہو جاتی ہین ہاتھ مضطرانہ اُسکیطرف پھیلتے ہین۔
نظام آلی مین اختلال ہو جاتا مختلف غدود اپنے افعال چھوڑ دیتے ہین۔ منھ
خشک ہو جاتا ہے زبان تالو مین لگ جاتی ہے عورتون کی چھاتی مین دودھ
خشک ہو جاتا اور اُن کا ایام رک جاتا اور پسینہ آنے لگتا ہے۔ جلد پر بال
کھڑے ہو جاتے ہین تنفس مین دقت ہونے لگتی ہے کبھی کبھی بول و براز
بے اختیار خارج ہو جاتے ہین۔ اشتہا بالکل جاتی رہتی ہے۔ بعض دفعہ
دست بھی آنے لگتے ہین۔ سورہ فتح مین ہے۔

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب   وہی اللہ وہ ہے جسنے آثار اطمینان مومنین کے

المؤمنین لیزدادوا ایماناً مع ایمانهم	دلمین تاکہ بڑھ جاوین ایمان مین اپنے ایمان کے
وللہ جنود السموات والارض	ساتھ اور اللہ کے لئے ہے لشکر آسمانون اور
وکان اللہ علیماً حکیماً لیدخل	زمین کا اور اللہ علیم حکیم ہے تاکہ داخل کرے
المؤمنین الآیہ	مومنین کو الآیہ

پس سکینہ یعنے اطمینان کی فضیلت اور زمین اور آسمان کی سب چیزون کا اللہ کا لشکر ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اور انہی لشکرون سے یعنی عوامل واقعات ارضی وسماوی وکیفیات قلبی سے اللہ مدد دیتا ہے۔

غیظ وغضب۔ جس طرح نفس انسان مین قوت مدافعت کا مظہر جذبہ خوف ہے اسیطرح قوت اقدام کا مظہر جذبہ غضب ہے۔ بقائے حیات کیلئے صرف یہی ضروری نہین ہے کہ مخالف مہلک اشیاء سے مدافعت کیجاوے بلکہ یہ بھی ہے کہ انسان خود سبقت کرکے اُن کو شکست دینے کی کوشش کرے جس جذبہ کی صورت مین اس قوت کا اظہار ہوتا ہے اُس کا نام غضب ہے اُس کا افراط عارضی جنون کے حد تک پہنچا دیتا ہے۔ جذبہ غضب صیانت حیات مین خوف کے مساوی الرتبہ بلکہ دراصل اُس کا متمم ہے اگر یہ جذبہ نہ ہوتو ہم عوامل مہلکہ کے مقابلہ مین ہرگز اپنی ہستی نہ قایم رکھ سکین اگر یہ قوت نہ ہو تو جو چاہے ہم کو نقصان پہنچاوے اور ہم اُس کی مقاومت ومدافعت نہ کرسکین غضب مین نظام دموی مین اختلال ہوجاتا ہے تمام شرائین کے منہ پھیلنے لگتے ہین جلد کے شرائین مین رفتار خون بہت تیز ہوجاتی ہے بڑی بڑی وریدین خصوصاً سر وچہرہ کی وریدین کھچ جاتی اور سرخ ہوجاتی ہین۔ شدت غضب مین ناک یا سینہ

بعض خون کی نالیان پھٹ جاتی ہین اور انسان کبھی مر جاتا ہے جسم مین گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ آلات غدودی مین اختلال ہو جاتا اور غدود فعلیت مین تیز ہو جاتے ہین منھ مین کف بھر آتا ہے جسم کے تقریباً تمام رطوبات مین سمیت آجاتی ہے۔ نظام آلی مین اختلال ہو جاتا اعصاب ارادی کی قوت تیز ہو جاتی ہے لیکن ربط تکلم کی قابلیت نہین رہتی ہے آواز بھاری اور غیر مسلسل ہو جاتی ہے منھ سے الفاظ پورے نہین نکلتے سانس اوپر ہی اوپر آتی جاتی معلوم ہوتی ہے نتھنین پھول جانے کے ساتھ پھڑکنے لگتے ہین ہونٹھ کانپنے لگتے ہین جسم تنجاتا ہے پیشانی مین بل پڑجاتے ہین بالائی لب کھنچکر اوپر کے طرف سکڑ جاتا ہے آنکھون مین چمک آجاتی ہے جس سے شعلہ نکلتا معلوم ہوتا ہے آدمی مٹھیان کس لیتا دانت پیستا ہونٹھ چباتا سر اور منھ پیٹتا بال نوچتا اور خون دانت سے کاٹنے لگتا سارے جسم مین رعشہ پڑجاتا اور بدن ٹھلنے لگتا ہے۔

آسانی کا محمود ہونا اور نرمی کا ہر وقت و ہر آدمی کیساتھ محمود نہونا و حدود اللہ کے اجرا مین تغافل نہ کرنا۔ آسانی پسند ہونا اور ایسے امور کو چھوڑ دینا و رفت و گذشت کرنا اور ایسے عمل کو نہ کرنا جس سے لوگون پر زیادہ سختی اور تکلیف مالایطاق ہو پسندیدہ و محمود ہے لیکن ایسے امور مین چشم پوشی و تغافل و درگذر کرنا جس سے معمولی برائی بھی پیدا ہو غیر محمود و ترک فرض ہے۔ اور اثم یا عدوان پہنچانے بر و تقوے کے معاونت کے مدد کرنا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے روگردانی کرنا ہے اگر اس برائی کا اثر اپنی ذات تک محدود رہے اور خود برائی کرنیوالے

اور دوسروں کو براہ راست یا بواسطہ ضرر نہ پہنچے تو ایسی صورت مین مقاومت کی
قوت کا استعمال اور رافت کرنا اور عفو کرکے انتقام نہ لینا انسان کی عمدہ صفات
مین سے ہے اور وہ نرمی نہین ہے بلکہ عفو کی عمدہ خصلت پر مجموعہ سختی وثبات پر
قایم رہنا ہے درشتی ونرمی اپنے اپنے موقع پر بہتر ہین محض نرمی یا محض سختی بہتر صفت
نہین ہوسکتی ہر شخص اس قابل نہین ہوتا کہ اُس پر رحم کیا جاوے اور نہ
ہر شخص اس لایق ہوتا ہے کہ اُس پر شدت کیجاوے - اللہ کے حدود شرعی
وسزاؤن مین رافت کرنا اور جو نا قابل معافی ہین اُن کو معاف کرنا سخت نقصان دہ
اور انتظام کے برہم ہونے اور فتنہ وفساد پھیلنے کا سبب ہوتا ہے پس خفیف
سے خفیف واقعہ مین اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو جس طرح ہوسکے اُس کو رفع کرنا اور
درگذر کرنا نہ چاہیئے اور اگر نہ ہوسکے تو کم سے کم زبان سے یا دل سے نفرت کا
اظہار ہونا چاہیئے اور قلب مین نفرت کی کیفیت پیدا ہوجانا چاہیئے تاکہ فرض
ادا ہوجاوے اور اپنا نفس سلامت ومحفوظ رہے مثلاً کسی شخص نے ہماری
کسی چیز کو ہماری بغیر اجازت لے لی اگرچہ اُس کا مقصد چوری اور اُس کا ضایع
کرنا نہین ہے لیکن عارضی ضرورت کے رفع کرنے کی اس کے ذریعہ سے
نیت ہے اب چونکہ اُس سے ناجایز وبرے فعل کرنے کی ابتدا ہوئی لہذا
ہم کو یہ خیال کرکے کہ ہماری چیز بھی دوسرے کو لینے والے نے نقصان نہین
پہنچایا صرف ہم کو خفیف مضرت پہنچی باز نہ رہنا چاہیئے بلکہ اس لیئے کہ وہ آیندہ
بے احتیاطی نہ کرے اُس سے چیز کو واپس لینا چاہیئے اور اُسکو سمجھا دینا چاہیئے
کہ اجازت لیکر استعمال کرے بغیر اجازت اُس کو حق نہین ہے اور خود اُس کے

نفس کی سلامتی یا جازت لینے مین ہے اور اگر وہ تعمیل نہ کرے تو بھین سزا کا
وہ مستحق ہو اُس کے دینے یا دلانے مین دریغ نہ کرنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی
عزیز و قریب ہو یہ طریق قسط کرنے اور کرانے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر و
معاونت بر و تقوے کی کرنے کا اور اثم و عدوان سے بچنے کا اور حلم اور عفو
کرنے کا ہے۔ پس آسانی و نرمی مین جو فرق ہے اُس کو ہمیشہ خیال رکھنا
چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ نرمی ہر وقت ہر آدمی کے ساتھ اچھی خصلت
نہین ہے بغیر سختی کے اگر سزا بھی دینا چاہین یا بدلا بھی لینا چاہین آسانی چاہیے
اسی طرح اور برائیون پر بھی قیاس کرنا چاہیے اور نفرت اُن پر ضروری ہے
بلکہ خفیف باتون مین زیادہ توجہ چاہیے۔ آقا مروت و نرمی نہ کرے و باقاعدہ تنبیہ
کرتا رہے تو خلل نہ ہو انسانون کی مروت بیجا ہی باقاعدہ کام نہین ہونے دیتی۔ سورہ نور مین ہے

لا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ	اور نہ آوے تم کو نرمی زانی اور زانیہ کے
ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم	نسبت سو درہ مارنے مین اللہ کے حکم چلانے مین
الآخر ٥	اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور یوم آخر پر

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدود اللہ مین نرمی نہ چاہیے۔ یہ ممانعت نہین ہے
کہ رحم کی کیفیت دل مین نہ پیدا ہو بلکہ رحم کا مقتضا یہ ہونا چاہیے کہ جس
طرح انسداد ہو وہ کیا جاوے اور اس کا نتیجہ ظلم نہ ہونا چاہیے۔ آنحضرت نے
جو اپنے تکلیف دہی کا بدلا نہین لیا وہ اسی اصول پہ تھا کیونکہ یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ کے
حکمون کی تعمیل اور سزا دینے مین کبھی آپ نے ذرہ برابر بھی تاخیر و درگذر نہین کی
فرمائی۔ پس جو تکلیف ذاتی آپ کو پہنچی یا تو وہ ایسی تھی کہ بدلا لینا محمود تھا یا تکلیف دہندہ

آپ کے ساتھ دوسرے کو بھی تکلیف دی۔ پس آپ نے دوسرے کی تکلیف میں
جو بدلا لیا گیا وہ کافی تھا ضرورت آنحضرت کے تکلیف دہی کے بدلا لینے کی نہ تھی۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است	چو رگ زن کہ فصاد و مرہم نہ است
درشتی نگیرد خردمند پیش	نہ نرمی کہ زایل کند قدر خویش
ملامت چو پند نہ آید بکار	سر بہ جبری کشد ناچار
ہر کہ بر خویشتن نہ بخشاید	گر نہ بخشد بروے کسے شاید
خطاے نہان اندرو صد عتاب	بہر نوش او نیشہا جانگداز
عتابے نہان اندرو صد خطاب	بہر نیش او نوشہا دلنواز
بیکدست دریاے گوہر نثار	بیکدست شمشیر زہر آبدار
پیراست خطا بہ ستران وانگہ بند	چون پند دہند نشوند بند نہند
وقتے بقہر گوے کہ صد کوزہ نبات	گر گہ چنان بکار نیاید کہ حنظلے
وقتے بلطف گو و مدارا مردمی	باشد کہ در کمند قبول آوری دلے
جوانے با پدر گفت اے خردمند	مرا تعلیم کن پیرانہ یک پند
بگفتا نیک مردی کن نہ چندان	کہ گردد خیرہ گرگ تیز دندان
سخن بہ لطف و کرم با درشت خوے مگو	کہ زنگ خوردہ نگردد بہ نرم سوہان پاک
کسے کہ لطف کند با تو خاک پایش باش	وگر ستیزہ کند در دو چشمش افگن خاک
دو عاقل را نباشد کین و پیکار	نہ دانائے ستیزد با سبکسار
اگر نادان بوحشت سخت گوید	خردمندش بہ نرمی دل بجوید
دو صاحبدل نگہدارند موئے	ہمیدون سرکشے و آزرم جوئے

وگر ہر دو جانب جہلا انند — اگر زنجیر باشد بگسلانند
یکے را زشت خوئے داد دشنام — تحمل کرد و گفت اے نیک فرجام
بتر زانم کہ خواہی گفت آنی — کہ دانم عیب من چون من نہ دانی
ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد — ساعد سیمین خود را رنجہ کرد
زہشیار عاقل نہ زیبد کہ دست — زند در گریبان نادان دست
چو کردی با کلوخ انداز پیکار — سر خود را بہ نادانی شکستی
چو تیر انداختی بر روے دشمن — چنان دان کاندر آما جش نشستی

جو درشتی کی ضرورت یا سختی ترشی کرتے ہین اور جن مین کیفیت غیظ کی ہنین طاری ہوتی اگر ان کو حلیم کہا جاوے تو واقعات اُس کی تکذیب خود ہی کر دیتے ہین۔ لہذا قران مجید مین غیظ کے دبا جانے و غضب کے معاف کرنے کا حکم ہے نہ یہ کہ اُس کے سر سے نہ آنے کی ممانعت ہو۔ غصہ یا تو کمزور پر آتا ہے یا مضبوط پر۔ پس مضبوط کے مقابلے مین اگر بہتر ہو تو اُس کا پی جانا اچھا ہے اور اگر کمزور کے مقابلے مین اسکا معاف کرنا بہتر ہو تو اُس کا معاف کرنا سبب ثواب کا ہے۔ پی جانا اور معاف کرنا اس طرح ہونا چاہیئے کہ جو کیفیت نفس یا صورت مین پیدا و نمایان ہو وہ جاتی رہے تب تو فضل و فایدہ ہے۔ اسی لئے یہ بہتر سمجھا گیا ہے کہ جب کیفیت غصہ کی یا خوف کی جو دفع کے لئے ہو جاتی رہے تب مناسب عمل کرنا چاہیئے اور سزا کردی جاوے یا بدلا لیا جاوے اور یہ اُسی وقت ہونا چاہیئے جب عقل پر عمل ہو سکتا ہو ایک حکیم سے جس کو وہ سزا دے رہا تھا اُس نے کہا کہ تو کیسا حکیم ہے کہ غصہ مین سزا دے رہا ہے تو اُس نے کہا کہ میرے چہرہ و افعال مین کہان غصہ کا اثر

ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا یہ خیال غلط ہے۔ سورہ قلم مین ہے۔

فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب	سو صبر کر بانتظار اپنے رب کے حکم کے اور نہ ہو مثل
الحوت اذ نادی وھو مکظوم لولا	صاحب الحوت کے جبکہ پکارا اُسنے اور غیظ سے وہ بھرا تھا
ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ	اگر نہ سنبھالتی اُسکو تیرے رب کی نعمت تو ڈالا جاتا
بالعراء وھو مذموم فاجتباہ ربہ	بدبختی کی زمین مین اور وہ الزام دیا گیا ہوتا تو چنا
فجعلہ من الصلحین ٥	اُس کو اُس کے رب نے اور ٹھرایا اُس کو صالحین مین سے۔

پس غصہ کے وجہ سے تعجیل کی ممانعت اور صبر کرنے کی ہدایت اور غیظ مین بھر جانے کے وجہ سے الزام کا ہونا اور پھر صالحین مین سے ہوجانا سب ان آیات سے ثابت ہوتا ہے اور چونکہ ایک رسول مرسل جلیل القدر کا غصہ مین بھر جانا اور پھر ان کا صالحین مین سے ہونا مذکور ہے لہذا غصہ مین بھر جانا انسانیت سے مافوق نہین ہے اور یہ کہنا کہ غصہ نہ آوے صحیح نہین ہے۔ سورہ ہود مین ہے۔

ان ابراھیم حلیماً اواہ منیب	ابراہیم حلیم رجوع رہنے والا ہے۔

غصہ کا پی جانا اور عقل کے موافق بروقت غصہ عمل کرنا حلیم ہونا ہے۔ اواہ اُس رجوع ہونے والی نرم دلی کو نہین کہتے جو بہتر نہ ہو بلکہ اُس نرم دلی کو کہتے ہین کہ بروقت ضرورت حسن کا ہونا بہتر ہے۔ لہذا حلم کے ساتھہ اُس کا ہونا زیادہ مفید ہے۔ سورہ آل عمران مین ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن	اور پی جانیوالے غصہ کے اور معاف کرنیوالے
الناس واللہ یحب المحسنین ٥	آدمیون کو اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالونکو

پس اس آیت سے غصہ کا پی جانا اور معاف کرنا احسان مین شامل کیا گیا ہے۔ اور

احسان کے نسبت اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ اُس کو دوست رکھتا ہے۔ اور بوجہ جو متقین افعال مذکورہ کرتے ہین اُن کا ثواب جنت وغیرہ قرار دیا ہے۔ لہذا غصہ پی جانے اور معاف کرنے کی فضیلت اس سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ پر جو غصہ آتا ہے اُس مین عموماً اُس پر سختی کیجاتی ہے۔ پس مخصوصاً اس قسم کے غصہ سے یہ آیت متعلق ہے۔ یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ غیظ کا دبانا اور معاف کرنا فضیلت و احسان قرار دیا گیا ہے۔ غیظ کا مطلق دبانا یا بالکل معاف کردینا محمود نہین قرار دیا گیا کیونکہ کیفیت نفس مین جو دفع مضرت و مقاومت کے لئے پیدا ہوتی ہے اور جس کو غیظ کہتے ہین اگر وہ نہ پیدا ہو تو انسان سے غیرت و حیا ہے اور اپنی حفاظت کے ناقابل ہے یا اسی طرح ضرورت کے وقت دفعی و مقاومتی قوت کا استعمال نہ کیا جاوے بلکہ معاف کیا جاوے تو نقصان عظیم ہو لہذا احسان مین اسی لئے شامل کیا گیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو معاف نہ کیا جاوے غضب اور غیظ مین بروے استعمال قرانی یہ فرق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے غضب اپنے طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن غیظ کی نسبت اپنے طرف نہین کی۔ اور ایک آیت مین ہے واذا غضبوا ہم یغفرون کہ جب غصہ ہوتے ہین تو معاف کرتے ہین۔ پس غضب اُس غصہ کو کہتے ہین جس مین اختیار معافی کا ہو اور اگر معاف کیا جاوے تو نقصان نہ ہو اور معاف کرنا عدل کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے چونکہ خدا تعالےٰ مین کیفیت غصے کی پیدا ہونا ناممکن و غیر ضروری ہے لہذا غیظ و غضب مین یہہ فرق بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ عداوت و بغض بھی غصہ کے نتایج مین سے ہین اور وہ ہمیشہ نامحمود نہین ہین۔ چنانچہ سورہ ممتحنہ مین حضرت ابراہیم کی زبانی مذکور ہے

بدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضآء ابدا حتی تؤمنوا باللہ وحدہٗ
اور ظاہر ہوگئی ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ جبتک تم ایمان نہ لے آو اللہ کیلئے پر

پس بری باتون کے لئے بغض و عداوت رکہنا غیر محمود نہین لیکن اس کے علاوہ بغض و عداوت رکہنا جایز نہین اور خود اپنے اور انواع و اقسام کے نقصان کا سبب ہے۔ سورہ اعراف مین ہے۔

ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختہا ھدی و رحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون ۝
اور جب دبا موسیٰ مین غضب اٹہالین اس نے تختیان جمین لکہی ہوئی تہین ہدایت اور رحمت ان کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہین۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو بہی غضب آتا تہا اور اس قدر بڑہ جاتا تہا کہ الواح کو جس کا ذکر اس آیت مین ہے چہوڑ کر اپنے بہائی کی داڑھی پکڑ کر کہینچنے لگے جیسا کہ اس آیت کے قبل کی آیت مین ذکر ہے لہذا غضب کا آنا اور پہر اس کا فرو ہو جانا اور اس قدر سخت نہ آنا کہ ایسے امور ہون جو زیادہ برے ہون چندان عیوب نہین اور انسانی فطرت مین داخل ہے خصوصا جب کہ حق اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجا آوری مین ہو۔ حلم و عفو ایک دوسرے کے بہت قریب ہین چشم پوشی وہی کر سکتا ہے جسے اپنے نفس پر اختیار اور اپنی طبیعت پر اقتدار حاصل ہو جسمین حلم نہین اس مین رحم نہین۔ سورہ نحل مین ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم
بلا اپنے رب کی راہ کیطرف حکمت کی باتون کے ساتہ اور اچہی نصیحت کیساتہ اور بحث کر ان سے جس طرح بہتر ہو تیرا رب وہی زیادہ جاننے والا ہے

۴۔۲۲ ۳۶۹

بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم	جو گمراہ ہوا اُسکی راہ سے اور وہی زیادہ جاننے والا ہے
بالمھتدین وان عاقبتم فعاقبوا	راہ پانے والون کو اور اگر بدلا لو تم لوگ تو بدلا لو مثل اُس چیز کے
بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو	کہ ایذا دیئے گئے ہو اُس کیساتھ اور اگر صبر کرو تو وہ
خیر للصٰبرین واصبر وما صبرک	بہتر ہے صبر کرنیوالون کو اور صبر کر اور تیرا صبر نہین مگر اللہ کی
الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک	توفیق پر اور مت غم کھا اُنپر اور نہ تنگی مین رہ اُن کے
فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع	مکر سے اللہ متقیون کے ساتھ ہے اور اُن کے
الذین اتقوا والذین ھم محسنون ۵	ساتھ جو نیکی کرتے ہین۔

پس اس آیت مین حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بُلانے اور احسن طور پر مجادلہ کرنے کے بابت حکم ہے اور یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ ضال اور مہتدین دونون کو خوب جانتا ہے۔ سورہ نسا مین ہے۔

ان تبدوا خیرا او تخفوہ او	اگر ظاہر کروگے خیر کو یا چھپاؤگے اُس کو
تعفوا عن سوء فان اللہ کان	یا معاف کروگے برائی کو تو اللہ ہے معاف
عفوا قدیرا ۵	کرنے والا قدرت رکھنے والا۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تینون مذکورہ آیت اعمال مین کسی ایک کے کرنے سے اللہ بھی معاف کرے گا کیونکہ فان اللہ کان عفوا قدیرا کے کہنے سے صاف یہی مقصود معلوم ہوتا ہے نہ یہ کہ اللہ کا اخلاق ہی معاف کرنا ہے لہذا تینون اعمال کو یا اُنمین جو ہوسکین ضرور کرنا چاہیئے اس واسطے کہ ثابت ہوتا ہے کہ کے بدلے مین اللہ عفو کرے گا۔

ذلت و مسکنت و رسوائی۔ اپنے نفس کی عزت نہ کرنا اور خود داری سے اپنا وقار قایم نہ رکھنا اور برائے سفلہ و ملکات کے روکنے کی فکر نہ کرنا بے غیرتی و کمینی

اور بیحیائی سے ہے احساس سے قوت دفع ومقاومت کا پیدا ہونا اسی لیے انسان پر ہے کہ اپنے عزت ووقار کی حفاظت کرے ایسا نہ ہو کہ ذلیل ورسوا ہو کر عمل کا فایدہ نہ حاصل کر سکے اور نہ دوسرون کو بچا سکے اور احساس اپنی حفاظت کا بھی جاتا رہے لہذا سلف رسپکٹ ایک حد تک ضروری ہے۔ خودبینی وبدبینی نہ چاہیے اور بیخود نہ ہو جانا چاہیے اور اپنے خودی کے وجہ سے دوسرون کی خودی کا لحاظ نہ چھوڑنا چاہیے۔ تواضع وایثار بہ نسبت تکبر کے زیادہ مفید وعزیز ہین لیکن ذلیل ہونا بھی بدتر ہے اپنے اوپر بھروسا کرنے اور اپنی عزت خود کرنے سے دوسرے بھی بھروسا وعزت کرتے ہین برخلاف اس کے دوسرون پر بھروسا کرنے سے اور اپنے کو کم وقار ثابت کرنے سے انسان کمزور اور ناخوددار سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس کو قابل بھروسا نہین سمجھتے اور ذلیل وخوار سمجھتے ہین۔ اس واسطے خودسازی یعنے اپنے نفس کو ضبط وقابو مین رکھنا اور ایسی قوت اور ایسا ملکہ اور عادت واستعداد پیدا کر رکھنا تاکہ نفس پر قابو ہو کر قایم رہے بہترین صفات مین سے ہے جس کو انسان حاصل کر سکتا ہے۔ سورہ بقر مین ہے۔

وضربت علیهم الذلة والمسکنة	اور ڈالی گئی اُن پر ذلت اور محتاجی اور
وباؤ بغضب من اللہ ٥	کما لائے غضب اللہ کا۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ذلت ومسکنت اللہ کے غضب کی نشانی ہے اور ذلیل ومسکین ہونا اللہ کے غضب مین مبتلا ہونا ہے۔ سورہ بقر مین ہے۔

فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا	سو کیا سزا ہے جو ایسا کرے تم مین مگر رسوائی
خزی فی الحیوة الدنیا ویوم القیمة	دنیا کی زندگی مین اور قیامت کے دن پھیرے

یردون الی اشد العذاب ۵ جائینگے سخت عذاب کے طرف -

پس دنیا کی رسوائی کو غیر محمود اس آیت مین بیان کیگئی ہے لہذا ذلت و رسوائی و مسکنت تینون غیر محمود و سزا سے عذابی ہے اور فلاح و آرام کے خلاف ہین

سورہ طٰہٰ مین ہے - ولو انا اھلکنھم اور اگر ہم ہلاک کرتے انکو عذاب کیساتھ اس سے

بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا پہلے تو کہتے اے پروردگار ہمارے کیون نہ بہیجا

ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک تو نے ہماری طرف رسول کو تو پیروی کرتے ہم تیرے

من قبل ان نذل ونخزی ۵ آیات کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے -

پس ذلیل اور رسوا ہونا بری صفت بروے اس آیت کے قرار دی گئی اور اتمام حجت کے لیے رسول قبل عذاب بہیجے گئے -

جذبہ لطیف وزن وشوئی - وہ جذبات جن پر افزائش نسل و پرورش اولاد منحصر ہے اُن کا بیان کیا جاتا ہے - شہوت جنسی جسے جذبہ لطیف بھی کہتے ہین اُس کے ذریعہ سے جو لطافت و لذت قدرت نے انسان مین رکہا ہے وہ جسقدر زیادہ قوی ہے وہ ہویدا ہے - اس جذبہ کے ابتدائی مقدمات اگرچہ طفولیت ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہین لیکن اس کا پورا ظہور جب ہوتا ہے جب انسان بالغ ہوتا ہے عشق کے نسبت تحلیل وتجزیہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ابتدائی منزل شہوت جنسی ہوتی ہے - صوفیہ جس شے کو عشق حقیقی سے موسوم کرتے ہین اُس کا اصل ماخذ یہی جذبہ شہوت جنسی ہوتا ہے - شہوت کی حالت مین تنفس گہرا و تیز ہوجاتا ہے - طبیعت مین ایک خاص طرح کا جوش اور ولولہ معلوم ہوتا اور آنکہون مین چمک آجاتی ہے بدن مین ایک طرح کی سنسنی محسوس ہونے لگتی ہے

دوران خون کی رفتار تیز ہوجاتی ہے۔ بیوی کے فرایض ہین اپنے شوہر ہی پر قانع رہنا عفت کفایت و شوہر کی فرمانبرداری و دشواری کے وقت سازگاری و خدمت والفت و صداقت و تسکین دینا و نیکی پر ثابت رہنے و معصیت سے بچنے کی ترغیب دینا ہے بسبب اس کے کہ بیوی پر مرد خرچ کرتے ہین اور اُن کے کھانا کپڑا وغیرہ کی ذمہ داری اُن پر ہے اور خاص قسم کے فرایض و قوا کے وجہ سے شوہر فضل رکھتے ہین۔ اور شوہر پر بھی مثل اس کے فرایض ہین خصوصاً اُن کے صنف ضعیف ہونے کا لحاظ کر کے اُن سے شفقت و محبت کرنا و اُن کو راحت پہنچانا ہے زن و شوی کے تعلقات اسی وجہ سے بہت مستحکم ہوتے ہین کہ وہ باہم ایک دوسرے کے تمام عمر کے یار غمگسار مونس تار یا کار دوست و دمخزوا ایک تو کم سے کم مدت مدید تک ہوتے ہین یا تا بہ عمر ہونے کی اُمید ہوتی ہے۔ وہ ذریعہ اولاد ہین جو یادگار رہتے ہین ان کی محبت سے بے تکلفی باہمی کی ہوتی ہے اور بغیر خاص قسم کی بے تکلفی کے جذبہ مذکور سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ کماحقہ نہین حاصل ہوتا اُس قسم کی بے تکلفی اور اُس بے تکلفی کی محبت دوسرے سے ہو نہین سکتی۔ غرضکہ وہ ایک دوسرے کو تسکین دینے اور نیک باتون پر ثابت رہنے اور فایدہ کی رہنمائی کے ایسے مخلصانہ سبب ہوتے ہین کہ دوسرا نہین ہوسکتا۔ جو اسباب زن و شوی کے تعلقات پیدا کرنے کے ہین اور جو نتایج اُن سے مقصود ہوتے ہین وہ خود اس کو ثابت کرتے ہین کہ تا بہ عمر بہتر طور پر عموماً اُن ہین قایم رہین مجبوری سے معذوری ہے۔ چونکہ خاص قسم کی بے تکلفی زن و شوی کے تعلقات مین بغرض خاص قسم کے لطف کے لازمی ہے لہذا ایسے تعلقات اُن لوگون کے مابین نہین قایم ہوسکتے جن کے درمیان

ارحام کا واسطہ ہے کیونکہ ارحام کا تعلق جن سے ہے اُن کی محبت و اُلفت کا تعلق اس خیال کے وجہ سے ہے کہ رحم درمیان مین واسطہ ہے اور جو محبت و معاوضۂ محبت و احسان و پرورش یعنے صلۂ رحم کے وجہ سے وجود پذیر ہوتی ہے وہ اُس قسم کی بے تکلفی باہمی کے مانع ہے جن سے زن و شو کو لطف مطلوبہ حاصل ہوتا ہے وہ چھوٹون سے ادب و تعظیم اور بڑون سے شفقت و رحم چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ قریبی رشتہ دارون سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے۔ لہذا رشتہ زن و شوئی اُن مین نہ چاہیے لیکن عام طور پر یہ نہین سمجھتے کہ قریبی رشتہ دار غرض معلومہ کے لیے کسکو سمجھنا چاہیے۔ اصلی سبب یہ ہے کہ بوجہ خیال رغبت و بے تکلفی خاص قسم کی جن سے نہین ہو سکتی اُن سے تلذذ کما حقہ نہین حاصل ہوتا اس واسطے اولاد کمزور ہوتی ہے۔ قریبی رشتہ دارون مین مادہ کی حیثیت سے ایسا مادہ ہونا صحیح طور پر ثابت نہین ہے جن سے لازماً مادی طور پر رشتہ زن و شوئی ہونے سے اولاد کمزور پیدا ہو بلکہ صرف رغبت خیالی ہی مانع رشتہ تلذذ و بے تکلفی ہو سکتی ہے مذہب اسلام مین حسب بہتر طور پر جن رشتہ دارون سے نکاح کی ممانعت کیگئی ہے وہ سب طریقون سے بہتر ہے لہذا نہ اُن سے رشتہ زن و شوئی کا قایم ہونا چاہیئے جن سے اسلام مین ممانعت ہے اور نہ اُنسے ترک ہونا چاہیے جن سے اسلام مین ممانعت نہین۔ سورہ نساء مین ہے اور مت نکاح کرو اُن سے جن سے نکاح کیا تمہارے آبا نے عورتون مین سے مگر جو گذر چکا وہ فاحشہ و بیزاری کی چیز اور بُری راہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جن عورتون سے آبا نے

نکاح کر کے لطف اُٹھایا ہو اُن سے اُن کی اولاد اگر نکاح کرے تو جب تک بیحیائی نہ ہو اور محبت آبائی جاتی نہ رہے مقصد نکاح کا حقہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر فرمایا اللہ تعالے نے حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور باپ کی بہنیں اور ماں کی بہنیں اور بھائی کی لڑکی اور بہن کی لڑکی اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور دودھ پلائی بہنیں۔ پس یہ جملہ عورتیں ہوئیں جن میں باپ و ماں یا بھائی کا واسطہ بطور رحم براہ راست ہے یا رضاعت کا واسطہ براہ راست ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایسوں سے نکاح سبب اُس محبت کا نہیں ہوسکتا جس کی ضرورت تعلقات زن وشوئی میں ہے بلکہ اُنکی محبت دودھ کے رشتہ یا رحم کے قربت ومحبت کے وجہ سے عموماً خود ایسی قوی ہوتی ہے کہ زن وشوئی کی محبت کو مانع ہو اور کمزور ومغلوب رکھے پھر فرمایا اللہ تعالے نے اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور اُنکی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں اُن عورتوں سے جن سے تم نے دخول کیا سو اگر تم نے دخول نہیں کیا تو گناہ نہیں تم پر اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہارے صلب سے ہیں۔ ساس کو اس وجہ سے حرام کیا گیا کہ جب اُس کی بیٹی نکاح میں آچکی تو وہ قابل ادب ہوگئی۔ داماد و ساس ایسا باہم بے تکلف نہیں ہوسکتے ہیں جیسا کہ زن وشوئی کے لیئے درکار ہے۔ اسی طرح جن عورتوں سے دخول ہوچکا ہو اُن کی بیٹیوں کا حال ہے کہ وہ بے تکلف نہیں ہوسکتیں اور اُن کی ماں کے نکاح کا خیال اُن کو فی الاصل ہمیشہ مانع رہے گا اسی لئے جن سے دخول نہ ہوا ہو اُن کی لڑکی سے اجازت نکاح ہے اسی طرح صلبی لڑکونکی

عورتون سے نکاح کی ممانعت ہوئی کیونکہ وہ بھی ادب کرینگی بوجہ صلبی لڑکے کے بیوی ہونے کے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور یہ کہ اکٹھی کرو دو بہنون کو مگر جو گذر چکا۔ اس ممانعت کی وجہ رحم یا رضاعت وادب کا مانع ہوتا نہین بلکہ باہم دو بہنون مین قطع محبت وقطع تکلف ہے لہذا جب تک ایک نکاح مین ہے دوسرے کے ساتھ نکاح نہ کرنا چاہیئے اور اس حکم کے بہتر و معتدل ہونے مین شک نہین ہوسکتا۔ پھر فرمایا اور محصنات عورتون مین سے مگر جن کے مالک ہوچکے ہین تمہارے ہاتھ اس سے یہہ مراد ہے کہ پاکدامن عورتین یعنے غیر کی نکاحی حرام ہین پھر فرمایا حلال کی گئین ماوراء اُن کے اس طرح کہ تلاش کرو بذریعہ اپنے مالون کے پاکدامنی چاہتے ہوئے نہ شہوت رانی کرتے ہوئے سو جس نے فایدہ اُٹھایا اُس سے عورتون سے تو دو اُن کو اُن کا مہر مقرر کیا ہوا۔ لہذا اس آیت سے ماوراء اُن سب کے جو مذکور ہوا اور عورتین حلال ہوئین ان شرطون کے ساتھ کہ احصان کے لئے نہ شہوت رانی کے لئے مقررہ مہر دیگر جب کہ عورتون سے فایدہ اُٹھایا ہو اُن کو حلال سمجھا جاوے۔ پس متعہ بھی اس طرح ناجایز ہوا کیونکہ اُسکی غرض احصان نہین ہوتی بلکہ شہوت رانی ہوتی ہے اور مدت معین اور مال معین کو دیکر وہ ہوتا ہے دوسرے مقرر کے شرط کردینے سے یہ فایدہ ہوا کہ اعلان نکاح بھی ہوگیا اور گواہ وشاہد بھی ہوگئے اس لئے کہ جب مال کا معاہدہ ہوگا تو اُس کے لئے گواہ بدلیل دوسری آیات کے ضروری ہے

سورہ نور مین ہے کہ مرد زنا کرنے والا نہین نکاح کرتا ہے مگر زانیہ یا مشرکہ کے
ساتھہ اور عورت زنا کرنے والی کو نہین نکاح مین لاتا مگر مرد زنا کار یا مشرک اور وہ
حرام کیا گیا ہے مومنین پر۔ پس زنا کرنے والی عورت سے شوہر والی ہو یا بے شوہر والی اور
مشرکہ سے نکاح زنا ہوتا ہے کیونکہ فحش اور د خو ل فی النار کا دو سبب ہوتی ہین۔
اور سورہ مایدہ مین ہے آج حلال کی گئین تمہارے لئے پاکیزہ عورتین اور کھانا
ان لوگون کا جن کو کتاب دی گئی ہے حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا
حلال ہے اُن کے لئے اور پاکدامنین مومنات مین سے اور پاکدامنین اُن
لوگون مین سے جن کو دی گئی ہے کتاب تمہارے پہلے جب دید تم اُن کو اُنکے
مہر پارسائی چاہتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چھپکر دوستی کرتے ہوئے
پس اس آیت سے محصنات مومنات اور محصنات اہل کتاب ماقبل اس شرط
کے ساتھہ حلال کیگئین کہ ایک تو مہر دیا جاوے دوسرے عفت چاہنے کیلئے
تیسرے بدکاری نہ کرنے کے لئے چوتھے چھپکر آشنائی نہ ہو۔ اہل کتاب کی
پاکدامن عورتین حلال ہوئین اس شرط کے ساتھہ کہ آشنائی نہ ہو لہذا اس
حکم کی حکمت قابل خیال ہے لیکن اہل کتاب مرد کے ساتھہ نکاح
زن مومنہ کا جایز نہ ہوا۔ لہذا اس آیت سے متعہ کی بھی ممانعت
ہوئی کیونکہ پاکدامنی چاہتے اور بدکاری نہ کرنے کے غرض سے مہر دینے کا
حکم ہوا و متعہ مدت معین کے لئے خلاف اس کے ہوتا ہے۔ اور اگر محصنات سے
مراد کسی کی منکوحہ عورت سے لیا جاوے تو اس سے کہ مگر جن کے مالک ہو چکے
ہین تمہارے ہاتھہ یہ مراد ہوگی کہ جن لوگون کی منکوحہ سے تم نکاح کر چکے ہو انکے

علاوہ اس کے غیر کی منکوحہ حرام ہوئی بہر حال دونوں صورتوں میں وجہ حرمت رحم و قرابت نہیں نہ رضاعت ہے۔ پہلے معنے زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں اور سورہ بقر میں ہے او مت نکاح کرو مشرک عورتوں سے یہانتک کہ ایمان لاویں البتہ لونڈی مومنہ بہتر ہے مشرکہ سے اور اگرچہ خوش آوے تم کو اور مت نکاح کرو مشرک مردوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لاویں۔ البتہ غلام مومن بہتر ہے مشرک سے اور اگرچہ خوش آوے تم کو۔ وہ لوگ بلاتے ہیں نار کیطرف پس اس آیت سے نکاح مشرک و مشرکہ سے بوجہہ اس کے کہ وہ نار کیطرف بلاتے ہیں یعنے ان کی صحبت سے مشرک ہو جاتے یا ایسا ہو جانیکا اندیشہ ہے جس کی سزا نار ہے ممانعت ہے اگرچہ وہ کتنا ہی خوش لگیں۔ ان کی صحبت و محبت ہی دعوت الی الشرک کرتی و ممکن ہے کہ ترغیب شرک کا سبب ہو علاوہ اس کے دوسری آیات سے مطلقہ جب تک دوسرے شوہر کر کے طلاق نہ پالیں و عدت نہ گذرے حرام ہیں۔ حسب ذیل قسم کی عورتوں سے زن و شوئی کا تعلق قایم نہیں رہ سکتا اور وہ قابل نکاح و قابل معاشرت عام طور سے نہیں ہوتیں۔ (۱) انانہ۔ جو عورت اکثر کراہتی و بیمار ہی رہے اور دائم المرض ہو (۲) حنانہ۔ جو عورت پہلے شوہر کی اولاد کو بغیر اجازت شوہر حال کے شوہر حال کا مال دیدیتی ہو۔ (۳) منانہ۔ جو عورت اپنی مالداری کی وجہہ سے یا اور کسی وجہہ سے شوہر پر منت رکھتی ہو (۴) عنانہ جو عورت پہلے شوہر کو حال کے شوہر پر ترجیح دیتی ہو۔ (۵) غیر عفیفہ۔ متخذات اخدان۔ جو عورت بدکار ہو جو فحش میں مبتلا اور فحش کو دوست رکھتی ہو چھپکر دوسرے سے بات چیت کرتی ہو

(۶) حلافہ۔ وہ عورت جو طماع ہو اور فرمایش کرتی رہے۔ (۷) سدافہ۔ جو نکمی و جلد روٹھنے والی عورت ہو۔ (۸) فجارہ۔ وہ عورت جو ڈھٹائی کیساتھ گناہ کرتی ہو۔ (۹) جو عورت اپنے حسن پر کبر کرتی ہو۔ (۱۰) جو عورت ایسی بدخو ہو جس سے نبھ نہ سکے اور لڑنے والی تندخو ہو۔ (۱۱) بلاسبب خلع چاہنے والی جو عورت ہو۔ (۱۲) افراط سے بناؤ سنگار کرنے والی جو عورت ہو۔

جذبہ ہمدردی و اُلفت۔

اے کردہ شکم سیر ز انواع طعام | یاد آر ازان گرسنہ بے آرام
تو شب ہمہ شب بخواب داو نالہ کنان | خود گو کہ چنین روا بود در اسلام

وہ جذبات جن کا مقصد اجتماعی و عمرانی تعلقات اصلیہ کو قایم کرتا ہے اُن کا بیان ہوتا ہے۔ کوئی قوم دنیا مین صحیح و سالم و قابل عمل اُسوقت تک رہ سکتی ہے جب تک کہ اُس کے فرقے و افراد صحیح و سالم و زندہ و قابل عمل ہون اور اپنا اپنا مختلف کام پورے اور اچھے طور سے ٹھیک وقت پر بغرض مشترک و غرض مختص کرتے ہون۔ دنیا کے تجربون نے ثابت کر دیا ہے کہ جو لوگ معاملون مین پڑتے ہین اُن کو راستبازی۔ دیانتداری۔ وفا عہد۔ ہمدردی۔ ایثار۔ معالی اخلاق ضروری و لازمی و مقدم ہین۔ فرد کی زندگی قوم کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے و قوم کو نفع پہنچتا ہے تو فرد خود بخود اُس سے متمتع ہو جاتا ہے۔ جیسے بچے آگ سے اور آدمی درندون سے اپنے ذاتی تجربون سے بچنے لگتے ہین ایسا ہی تجربہ کار و راستکار اہل معاملہ بدمعاملگی سے بچنے لگتے ہین۔ معاملہ حقیقت مین سچی انسانیت و اخلاق محمدی کے سیکھنے کی

بہترین درسگاہ ہے جس تعامل سے انسان وہ عادات وکردار واطوار سیکھ سکتا ہے جو اُس کو اللہ تعالےٰ کے احکام کا فرمانبردار بنا کر نار سے بچاوے اور اہل جنت مین کردے اور اُس کے پروردگار کو راضی رکھے۔ ہر زمانہ مین ایسے لوگ بھی ہوتے ہین جن کو لوگون کے نفع پہنچانے کے اسباب کو بڑہانے اور اذیت کے اسباب کو گہٹانے کا شوق ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اُن کو انسان اور اُس کے ارد گرد کی چیزون سے جن کا اثر انسان کے جسم عقل اور اخلاق پر پڑتا ہو آگاہی حاصل کرنا اور اُن سے متناسب ہونا اور اپنے آپ کو کسب معاش سے فارغ کر لینا اور پاک وسادہ وسودمند زندگی بسر کرنا چاہیئے پھر اُن اسباب کو جن سے نوع انسان کی بہبودی ہو سکتی ہے ایک دو تین جو سب سے زیادہ پسند ہون اور جنکے کرنے کا سب سے زیادہ اُنکو موقع ہو انتخاب کرکے اپنی قوت اور وقت اور ہمت اور مال کو لوجہ اللہ قسم کی بیجا خودغرضی سے بقدر امکان جدا ہو کر لگانا چاہیئے۔ اُلفت وہمدردی سے ملتا جلتا وہ جذبہ بھی ہے جسے اصطلاح مین جذبہ لطیف کہتے ہین جب کسی شخص کو دیکھکر ہمارا دل پسیجتا ہے اور ہم اُس پر لطف ومحبت کرنا چاہتے ہین تو اس حالت کو ہمدردی کہتے ہین۔ یہ جذبہ حسب ذیل طریق سے پیدا ہوتا ہے۔ (۱) عورت کو دیکھکر مرد مین یا برعکس اُس کے۔ (۲) احسان کے معاوضہ مین احسان۔ (۳) ابوت یا امومت مین۔ (۴) مصاحبت متواترہ مین۔ (۵) استماع منت پذیری مین جیسے محسن ملک وغیرہ کے ساتھ۔ (۶) رشتہ داری مین۔ (۷) عام نازک سڈول اور خوشنما مصنوعات مین۔ (۸) تمام مخلوقات مین جیسکے جسم ملایم گدازا اور نازک ہون

جب بچہ اپنی دایہ کو غمگین دیکھکر بسورنے لگتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ جذبہ ہمدردی میں ہویدا ہوا ہمدردی والفت سے بہت بڑے بڑے فضایل کے عمل ہوتے ہیں۔ صرف یہاں پر ہم چند اشعار متعلقہ کہ کس کے ساتھ احسان نہ کرنا چاہیئے اور کس کا احسان نہ قبول کرنا چاہیئے نقل کر دیتے ہیں جو تقریباً جامع ومانع ہیں۔

کسکے ساتھ احسان نہ کرنا چاہیئے اور کسکا احسان نہ قبول کرنا چاہیئے

بگفتیم در باب احسان بسے ۔ ولیکن نہ شرط است با ہر کسے
بخور مردم آزار را خون و مال ۔ کہ از مرغ بد کندہ بہ پر و بال
کسے را کہ با خواجہ تست جنگ ۔ بدستش چرا میدہی چوب و سنگ
بر انداز بیخے کہ خار آورد ۔ درختے نہ پرور کہ بار آورد
کسے را بدہ پایۂ مہتران ۔ کہ بر کہتران سر نہ دارد گران
نبخشاے بر ہر کہ او ظالم است ۔ کہ رحمت برو جور بر عالم است
جہان سوز را کشتہ بہتر چراغ ۔ یکے بہ در آتش کہ خلقے بداغ
ہر آنکہ کہ بر دزد رحمت کنی ۔ بیازوے خود کاروان می زنی
جفا پیشگان را بدہ سر بباد ۔ ستم بر ستم پیشہ عدل است و داد
نہ ہر کس سزاوار باشد بہ مال ۔ یکے مال خواہد یکے گوشمال
بر اخلاق نرمی مکن یا درشت ۔ کہ سگ را نہ مالند چون گربہ پشت
سگے را لقمہ ہرگز فراموش ۔ نہ گردد گر زنی صد نوبتش سنگ
وگر عمرے نوازی سفلہ را ۔ بہ کمتر چیزے آید با تو در جنگ
ترک احسان خواجہ اولے تر ۔ کا حتمال جفاے بوابان

تقاضائے روزی ز شغل خسیس　　بسے بہتر از امتنان رئیس

زنہار ز دست ناکسان آب زلال　　بر لب مچکان اگر در آتش باشی

ہر چہ از دونان بمنت خواستی　　در تن افزودی و از جان کاستی

مبر حاجت بنزدیک ترش روے　　کہ از خوے بدش فرسودہ گردی

اگر حاجت بری نزد کسے بر　　کہ از رویش بہ نقد آسودہ گردی

نکوئی با بدان کردن چنان است　　کہ بد کردن بجائے نیک مردان

سنگ در دست و مار بر سر سنگ　　خیرہ رائی بود قیاس و درنگ

ترحم بر پلنگ تیز دندان　　ستمگاری بود بر گوسفندان

پسندیدہ است بخشایش ولیکن　　منہ بر ریش خلق آزار مرہم

ندانست آنکہ رحمت کرد بر مار　　کہ آن ظلم است بر فرزند آدم

جذبہ دوستی و دشمنی - جذبۂ الفت میں جذبہ دوستی و دشمنی اور اُس کے مقصود کو خاص قسم کا امتیاز حاصل ہے لہذا اُس کا ذکر ہوتا ہے۔ انسان کے تعلقات باہمی میں جب تصادم ہو تو حب فی اللہ جس کی تائید کرے اُس کی جانب ہو جانا اور اُس کو سب پر ترجیح دینا مقتضائے عقل و شرع ہے۔ ایک مومن دوسرے مومن سے دینی بھائی ہونے کے وجہ سے حب فی اللہ رکھتا ہے لیکن ایک درجہ محبت کا اور ہے جس کو خلّت یا دوستی کہتے ہیں جب خیالات میں باہم ایسا اتحاد اور ایسی نسبت ہوتی ہے کہ ایک خاص قسم کی کشش باہمی محادثت و الفت اور مودت کی پیدا ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ وہ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ تمام ارادوں و الفتوں پر تقریباً غالب ہونے لگتی ہے۔ پس حب فی اللہ تو سبب ارادی سے پیدا

ہوتی ہے لیکن خلت کشش و خیالات دوستی سے نامعلوم طور پر اور بلا ارادہ زیادہ ہوجاتی و خاص قسم کی کشش مثل جذب مقناطیسی رکھتی ہے۔ بیوی و شوہر کے نسبت تو یہ کہا جاتا ہے کہ دو مغز اور ایک پوست ہوتے ہین لیکن باہم دو صادق وفادار دوست کے نسبت یہ کہنا بجا ہنین کہ ایک مغز اور دو پوست ہوتے ہین۔ یہ قول ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو تمام برائیون کا مجموعہ سمجھے جب تک کہ اُس کے بخلاف نہ ثابت ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام انسانون کو نیک سمجھے جب تک کہ اُس کے برخلاف ثابت نہ ہو۔ پہلے قول پر عمل کرنا مقننون کا موضوع ہوسکتا ہے جو امن انصاف کے قایم رکھنے اور جرایم کے انسداد کے لئے اصول قانون بناتے ہین لیکن دوسرے قول پر عمل کرنا تعامل و تصاحب کو خوشگوار و ہموار بناتا ہے۔ تیسرا قول بھی ہے کہ ہر انسان کو نہ نیک سمجھنا چاہیئے نہ بد بلکہ جیسا ثابت ہو ویسا سمجھنا چاہیئے یہ قول تقریباً دوسرے قول کی تشریح ہے لیکن ان تینون اقوال کے علاوہ دوستی کے بابت بھی یہ اقوال ہین ایک یہ کہ کسی کو اپنا ہمدم و ہمراز نہ بناوے تاکہ اگر دشمن ہوجاوے تو مضرت نہ پہنچا سکے۔ اور برخلاف اس کے یہ ہے کہ دوست کو دوست سمجھے اور جس امر کے وہ لایق ہو اُس مین اُس کو اپنا ہمدم و ہمراز بناوے اور اپنے رازون کو کہنا اُس سے دریغ نہ کرے و نہ چھپاوے تاکہ غایبانہ وہ اپنے دوست کی معاونت کر سکے اور جو امر خود اُس کا دوست نہین کہہ سکتا اُس کو کہہ سکے اور پورے اعتماد و ذمہ داری کے ساتھ حق دوستی ادا کر سکے اگر دشمن ہوکر وہ افشاے راز کرے یا مضرت پہنچاوے تو اُس کا سوے اخلاق و سوے عمل ہوگا لیکن اس اندیشہ سے

اُن فوایدو نعمتوں سے محروم ہونا جو دوسرے طور پر نہیں حاصل ہو سکتے اور جو بیش بہا ہیں قرین عقل نہیں۔ ہم تو دوسرے قول کو پسند اور اُس پر عمل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کسی کے اگر ایسا دوست نہ ہو تو اُس کی زندگی تنہائی کے قید کے مانند ہے۔ ایک سچے آدمی کا راز صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ایک مدت معین تک کسی امر کا ظاہر کرنا مناسب نہ ہو کیونکہ بعض باتیں اگر ناسمجھوں کے قبل اُن باتوں کے اسباب مہیا ہو جانے کے ظاہر کر دی جاویں تو نقصان ہو لیکن بعد اسباب مہیا ہونے کے جب وہی باتیں انہی لوگوں سے ظاہر کر دیجاتی ہیں تو وہی اُس کے معاون ہوتے ہیں اور خود اعتراف کرتے ہیں کہ پہلے اگر وہ بات ظاہر ہوتی تو اُس پر وہ عمل کرنا خلاف مصلحت سمجھتے۔ مکر و فریب ہی کی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جو اگر صیغہ راز میں نہ رہیں تو نقصان پہنچاتی ہیں لہذا جب کوئی شخص راستکار ہو تو اُس کا راز اُسی قسم کا ہو سکتا ہے جو بیان ہوا اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور کیا عجب ہے کہ دوست اگر دشمن ہو کر اس کو ظاہر کرے تو اُس کا ظاہر ہونا بجاے مضرت کے فایدہ بھی پہنچاوے پس ہم کو ایسا عمل ہی نہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے لئے ایسے راز ہوں جو دوامًا ناقابل افشا ہوں اور افشا ہو جانے کے بعد اُن سے ندامت اُٹھانی پڑے۔ جب دوست کا انتخاب سمجھ کر ہو تو بہت زیادہ یہ مشکلات اور بھی کم ہو جاتی و ناقابل لحاظ ہو جاتی ہیں۔ انسان ہزاروں خواہشوں اور لاکھوں جذبات کا مجموعہ ہے اُس کو بہت سی ایسی ضرورتیں ہوتی ہیں جو بغیر مشورہ اور بے مدد صادق دوست کے انجام نہیں پا سکتیں اس لئے ہر انسان کو ضرور ہے کہ اپنی محبت اپنی ذات و سوسائٹی میں تقسیم کرے۔ انسان کے نیچر میں یہ ہے

کہ جب تک وہ اپنے دل کی بات کسی سے مخلص بالطبع ہو نہیں کہہ لیتا تب تک اُس کی طمانیت نہیں ہوتی اور انقباض کم نہیں ہوتا۔ بیکن کہتا ہے کہ سب سے بڑا فایدہ دوستی کا وہ فرحت قلبی و اظہار خوشدلی ہے جو کہ ہر قسم کی خواہشوں اور ولولوں کو پیدا کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو کام ایک شخص سے نہیں ہو سکتا وہ دوسرے کے قدرت میں ہوتا ہے۔ اور انسان کو اپنے خیالات کو مرتب رکھنے کے بہ نسبت ایک تصویر کے سامنے بیان کرنا بہتر ہے جو دوست نہیں رکھتا وہ مردم خوار اور وحشیانہ طبیعت رکھتا ہے۔ دوست سے بیان کرنے میں رنج کم اور خوشی زیادہ ہوتی و تقریر صاف ہو جاتی اور ترتیب خیالات میں ہو جاتی ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ متکلم را تا کسے عیب نہ گیرد سخنش اصلاح نہ پذیرد۔ پس اس کام کے لئے بھی دوستی ضروری ہے اگرچہ دوست عیبوں کو چھپاتا اور ہنروں کو پھیلاتا ہے اور ہنر دیکھتا اور عیب پر کم خیال کرتا ہے لیکن جب اُس کو عیب اپنے دوست کا معلوم ہو جاتا ہے تو اُس کے ترک کرانے کی سب سے بہتر تدبیر وہ کر سکتا ہے اور اُس کا زیادہ موقع نسبتاً اُس کو ہوتا ہے اور چونکہ وہ اپنے دوست کے خیالات و اُس کے طبعی کیفیات و رازوں سے واقف ہوتا ہے لہذا وہ پوری تدبیر و صحیح طریق اختیار کر سکتا ہے۔ آدمی خود اپنا خوشامدی ہے لیکن دوست اگرچہ ایک جز دوست کا ہوتا ہے لیکن وہ بجائے خوشامد کے اصلاح کرتا ہے غرضکہ جو دانشمندی و اصلاح قلیل مدت میں بذریعہ دوست حاصل ہو سکتی ہے دوسرے طرح وہ کثیر مدت میں نہیں حاصل ہوتی جس مقام پر اپنی تعریف باوجود ضرورت نہیں ہو سکتی وہاں دوست تعریف کرتا ہے

جو بات خود نہین کہہ سکتے وہ دوست سے کہلا سکتے ہین۔ دوست جہان جاتا ہے اپنے دوست کی تعریف ہی کرتا و غایبانہ سراہتا ہے اور اُس کی بُرائی کو سُننا گوارا نہین کرتا بلکہ اُس کے مٹانے کی بہترین کوشش کرتا ہے اور اپنے دوست کی جان و مال و عزت کی اُسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ غایبانہ حفاظت کرتا ہے جیسا کہ اپنے دوست کی حاضری مین کرتا اگر کسی معاہدہ کی ضرورت اس کے دوست کے بابت ہوئی اور اُس کا دوست موجود نہ ہوا تو دوست اپنی ذمہ داری پر اُس کو کر لیتا ہے اور جو راز سے واقف نہین ہوتے وہ سمجھ تک نہین سکتے کہ کون واقعہ اُن کے دوست کو نقصان پہنچا دے گا۔ برخلاف اس کے ہمراز غایبانہ بھی جب سمجھ لیتا ہے کہ اسکے دوست کو اُس واقعہ سے نقصان پہنچے گا تو خود سینہ سپر ہو کر اپنے دوست کے بچانے کی فکر کرتا ہے۔ مکار بے ایمان کی بڑی سزا یہ ہے کہ اُس کے دوست نہین ہوتے اور اُس پر اعتبار نہین کیا جاتا۔ پریشان حالی و درماندگی مین بھی دوست ساتھ نہین چھوڑتے بلکہ اُس وقت اور زیادہ محبت و نصیحت مناسب کرتے ہین۔ دوستی نہ صرف دوستون مین قایم رہتی بلکہ اُن کے ورثا مین بھی سلسلہ محبت برقرار رہتا ہے اور محبت موروثی دوستی ورثا و محبت کی سلسلہ جنبانی و آئندہ قایم رہنے کی سبب ہوتی ہے

میل کسے کن کہ وفایت کند | جان ہدفِ تیر بلایت کند
بہترین دوست کہ جانی بود | دوستیِ جان نہ گرانی بود
صحبت آن کن کہ بصدق و صفاست | دامن آن گیر کہ اہلِ وفاست
کسے کہ حق نہ شناسد از و اُمید مبر | کسے کہ نیست وفایش بدو مکن پیوند

جب ایک دوست دوسرے دوست کو کہتا ہے تو ایک عجیب قسم کی کیفیت

حظ و انبساط کی اُس کے چہرے سے نمایان ہوتی ہے اور جب دونون دوستون کی نگاہین چار ہوتی ہین تو ایک ایسی لطیف مسکراہٹ دونون کے چہرے سے دیکھنے مین آتی ہین کہ اُس کا لطف اُسی کو معلوم ہو سکتا ہے جس سے اُس کے صادق دوست کی نگاہ چار ہوئی ہو اور لطف مذکور حاصل ہوا ہو۔ دو سچے دوست اپنے یا چھون کے کہل جانے سے پہچانے جا سکتے ہین۔ پس وہ فرحت قلبی اور اظہار خوشدلی ہزارون نعمتون سے بھی زیادہ خوشگوار ہین۔ دوستون کا باہمی فرض یہ ہے کہ برے کامون سے ایک دوسرے کو بچاتے رہین اور اُس کے ترک کرنے مین بہترین کوشش ثبات و عالی ہمتی کے ساتھہ کرتے رہین اور جب کہ اُن کا دوست بدی مین مبتلا ہو تو دوستی تا بہ امکان ترک نہ کرین کیونکہ وہ اُس وقت زیادہ محتاج اعانت کا ہوتا ہے۔ دوست صادق دوست کے کام کو بلا اطلاع ایک دوسرے کے انجام دیدیتے ہین۔ ارسطو کا قول ہے کہ دوست ایک جان دو قالب ہوتے ہین۔ دوستی ایسی ہونی چاہیئے کہ گدگدیان پیدا ہونے لگین دوستون کی باتین باہم بڑے مزے کی ہوتی ہین جو دل مین ہوتا ہے وہی زبان پر بے تکلف و آزادانہ صاف دلی سے نکلتی ہوتی ہین دوست کے عیب کو بلا خوف و بے تکلف دوست اُس کے منھہ پر کہدیتا ہے اور وہ سنکر برا نہین مانتا۔ پس وہ باہم ایک دوسرے کے آئینہ ہو جاتے ہین۔ دوستون کو باہم افسردہ بیٹھا رہنا اور اپنے خیالات کا اظہار نہ کرنا محبت و دوستی کو روز بروز کم کرتا جاتا ہے۔ اور برخلاف اسکے زندہ دلی و شگفتہ روئی و اظہار عیب دوستی کو بڑہاتے ہین۔

زاہدے در میان رندان بود ۔۔۔ زان میان گفت شاہد بلخی

گر ملولی زما ترش منشین | کہ تو ہم در میان ما تلخی

ارسطو کہتا ہے کہ جو تجھ سے گریز کرے اُس سے ملنا دناآت ہے اور جو تجھ سے ملنا چاہے اُس سے پرہیز قصور ہمت۔ دیوجانس کا قول ہے کہ جس شخص نے تیرا ساتھ چھوڑ کر دوسرے کا ساتھ لیا اُس کو اپنے ساتھ سے نکال ورنہ ایکدن تجھ کو بھی موقع پر چھوڑ دیگا۔ اس سے اُس کی مراد یہ ہے کہ جو دوست دوسرے دوست کو ترجیح دے وہ پورا دوست نہیں ہے۔ دوست پر دوست تلوار کا وار تک کرے تو وہ سہہ سکتا ہے لیکن اُس سے کبر و دروغ اور افشائے راز اور دشمنوں کی دلجوئی اور بے ایمانی و خود غرضی کو نہیں سہہ سکتا اور ان میں سے کسی ایک خفیف سے خفیف امر پر قطع دوستی ہو جاتی ہے۔ لہذا کوئی عمل ایسا نہیں کا ہرگز دوستوں کے درمیان نہ ہونا چاہئے

زخم دندان دشمنے تیز است | کہ نماید بچشم مردم دوست
بشنو اے عزیز دوستداران دوست | کہ با دشمنانت بود ہم نشست

جو دوست دوست کی خوشی کو اپنی خوشی اور اُس کے رنج کو اپنا رنج نہ سمجھے وہ صادق دوست نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس وقت تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے دوستی و محبت کرے تو اُس کو اعتصام کرنا چاہئے اس واسطے کہ یہ بات کمتر ہوتی ہے۔ اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو اپنے بھائی کے چہرے کو مودت و رحمت سے دیکھنا عبادت ہے۔ فتح موصلی نے اپنے ایک دوست کے گھر جا کر جو مکان پر موجود نہ تھا اُس کی لونڈی کے ذریعہ سے اسکا صندوقچہ منگایا اور جو ضرورت تھی اُس میں سے لے لیا۔ جب اُن کا دوست اپنے گھر آیا تو اُس نے لے لینے کی خوشی میں لونڈی کو آزاد کر دیا۔ ایک شخص نے

حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ مین آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہون آپ نے فرمایا کہ جانتے ہو
کہ دوستی کا حق کیا ہے۔ یہ ہے کہ روپیہ پیسہ دوست سے عزیز نہ ہو۔ بزرگون کا ایک
دوست اپنے دوست کے پاس گیا اور کہا کہ مین چار سو درہم کا قرضدار ہون تو اُسنے
چار سو درہم دیئے اور رونے لگا۔ اُس کی بیوی نے کہا کہ اگر دینا منظور نہ تھا
تو دینا ضرور نہ تھا۔ اُس بزرگ نے یہ جواب دیا کہ مین اس سبب سے روتا ہون
کہ مجھ سے میرے دوست کو مانگنا پڑا اور مین ایسا غافل ہوا کہ قبل مانگنے کے اُسکو
نہ دیا۔ اور حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہین کہ ایک روز کی دوستی صلہ ہے اور
ایک مہینہ کی دوستی قرابت ہے اور ایک سال کی دوستی قرابت قریبہ ہے۔
جو کوئی اُن مین سے کسی کو قطع کرے گا اللہ اُس کو قطع کرے گا۔ ایک بزرگ نے
اس شرط پر دوستی کرنا منظور کیا کہ اول یہ کہ میری شکایت نہ سننا۔ دوسرے یہ
کہ میرے کہنے کی مخالفت مت کرنا۔ تیسرے یہ کہ ناز سے مجھے پامال نہ کرنا۔
حضرت مسروقؒ اور خثیمہؒ مین دوستی تھی ایک نے دوسرے کا اس طرح قرض
ادا کر دیا کہ قرضدار کو ادا کا حال پیچھے معلوم ہوا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ بیس درم کو
دوست کے حق مین صرف کر دون اس سے دوست تر رکھتا ہون کہ سو درم فقیرونکو
دون۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ حضرت عمرؓ تمکو
دوست رکھتے ہین پانچ چیزون کا ضرور خیال رکھنا۔ کوئی بھید نہ ظاہر کرنا۔ کسی کا
عیب اُن سے نہ کرنا۔ جھوٹ نہ کہنا۔ حکم کی تعمیل کرنا اور ہرگز خیانت نہ ہونے پاوے۔
آنحضرتؐ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھکر مسکراتے اور وہ دونون حضرات
جب آنحضرتؐ کو دیکھتے تو مسکراتے۔ (ترمذی) پہلے سلام کرنے اور اچھی طرح

بٹھلانے اور اچھے نام کے پکارنے سے محبت زیادہ ہوتی ہے اور باہم لباسی و ہم طعامی سے بھی اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ بزرگون نے کہا ہے کہ جب اپنے دوست سے تو کہے کہ چل اور وہ کہے کہ کہان تو ایسے شخص کی دوستی کامل نہین۔ حضرت ابودرداؓ نے بیلون کو دیکھا کہ جب ایک اٹھا تو دوسرا بھی اٹھا۔ روئے اور فرمایا کہ دینی بہائی ایسے ہی ہوتے ہین کہڑے ہوئے یا چلنے مین موافقت کرتے ہین۔ جو کدورت دوستون مین ہو اس کو صاف کردینا اور جلد صفائی کرلینا بہتر ہے ورنہ رفتہ رفتہ طول ہوجاتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بدترین دوست وہ ہے کہ اس سے عذر خواہی کی حاجت ہو۔ شیخ سعدیؒ کے ایک دوست نے تہوڑے نفع کے سبب ان کو آزردہ رکہنا جایز رکہا اور باہم دلبستگی ہو گئی۔ جب شیخ سعدیؒ نے سنا کہ ان کے دوست نے ان کے ایک شعر کی تعریف کی اور ترک صحبت قدیم پر افسوس کرکے اپنے خطا کا اقرار کیا اور جب انہون نے دیکہا کہ اس کو بہی رغبت ہے تو یہ اشعار لکہکر صلح کرلی۔

نہ مارا در جہان عہد و وفا بود	خطا کردی و بدمہری نمودی
بیک بار از جہان دل در تو بستیم	ندانستم کہ برگردی بزودی
ہنوزت گر سر صلح است باز آ	کزان محبوب تر باشی کہ بودی

مدت کے بعد جب دوست باہم ملتے ہین تو پہلے کے بہ نسبت ان مین کچھ تبدیلی ہوجاتی ہے۔ خوش نصیب وہ ہین جن کا دوست زندہ دل نہ چھوڑے بے تکلفانہ الفاظ دوستون مین دوستی کو اور بڑہاتے ہین۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم مین سے کوئی اپنے بہائی کو دوست رکہے تو چاہیے کہ اسکو آگاہ کردے الخ او موترمذی

اس سے فایدہ یہ ہے کہ دوسرا بھی دوست رکھیگا۔ اسلام نے عملی طور پر برادرانہ تعلیم کی
یعنی اخوت کا سلسلہ جاری کیا چنانچہ صحابہؓ مین عقد اخوت باہم جو جاری تھا
دوستی پیدا کرنے کا عملی طریقہ تھا۔ پس یہ فضل اسلام کو حاصل ہے۔ دوست
کی شکایت اگر دوست سنے تو اپنے دوست کو آگاہ کردینا چاہیئے۔ جب
دوست سے چشم پوشی و آگاہ نہ کرنے کی وجہ معقول نہین پاتا تو اُس کو رنج ہوتا ہے
جو دوست شکایت کرنیوالے کا نام نہین بتاتا تو وہ گویا دشمن ہے جو اُس کو آگاہ نہین کرتا۔

ہمہ یاران سہ قسم اند ار بدانی — زبانی اند و نانی اند و جانی
بنانی نان بدہ وز در برانش — مدارا کن بہ یاران زبانی
ولیکن یار جانی را بدست آر — برآنش جان بدہ گر می توانی

حضرت امام زین العابدینؓ نے پوچھا کہ تم مین سے کوئی اپنے بھائی کی آستین یا تھیلی
مین ہاتھ ڈالکر جو چاہتا ہے بدون اُس کی اجازت کے لے لیتا ہے یا نہین
جواب پایا کہ نہین۔ آپ نے فرمایا کہ پس تم دوست نہین ہو۔ جب تک کسی کی
عادت سے واقفیت نہ ہو جاوے تب تک اُس کو یار نہ بنانا چاہیئے۔ رفتہ
رفتہ مدارج دوستی مین ترقی ہوتی ہے لیکن جب عادت و خلوص طبیعت قابل
دوستی معلوم ہو جاوے تو دوستی کرنے اور نسبت رشتے مین جلدی کرنا چاہیئے۔
افلاطون نے کہا ہے کہ جب کسی کو پہچاننا چاہو تو اُس سے مشورہ کرو اور اسطرح
اُس کی رائے کے حسن و قبح کو سمجھ سکو گے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اُسکے
اعتقادات و عادات اور مشوروں کو دیکھو کہ وہ اچھے اور مفید ہین کہ نہین۔

پدرے باپسر وصیت کرد — کاے جوانمرد یاد گیر این پند

ہر کہ با اہلِ خود وفا نہ کند ۔۔۔ نشود دوست روے دانشمند

یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے والدین و عزیز و اقارب اور دوستوں اور متعلقین و کمزور و مضبوط وغیرہ سے کیسا معاملہ و برتاؤ کرتا ہے۔ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے غلبہ کو دیکھنا چاہیئے اگر عیبوں کے طرف غلبہ ہو تو دوستی نہ کرنا چاہیئے اور اگر صلاحیت کے طرف ہو تو اختیار کرنا چاہیئے۔

صائب غریب و بیکس و نا آشنا شوی ۔۔۔ در تلاش دو تجربہ دوستان مباش

اخیار کو دوست اور اُن کے حقوق کو نگاہ رکھنا خیر کو زندہ اور جاری کرتا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ دوستی عاقل صلاح کار نیک خو سے کرنا چاہیئے۔ نادان دوست سے دشمن دانا اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے جس پر حمق غالب ہو اُس سے دوستی نہ کرنا چاہیئے۔ رنج و تکلیف و ضرر اُس کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جب دوست عقلمند و ذی وجاہت ثابت ہوتا ہے تو زیادہ محبت و قدر اسکی دوستے دشمن رنج میں

اے برادر میگریز از یار بد ۔۔۔ یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمیں بر جان زند ۔۔۔ یار بد بر جان و بر ایمان زند

بد چلنوں سے دوستی کرنا نیک چلنوں پر ظلم اور اُن کی توہین کرنا و نقصان اٹھانا ہے۔ احسان فراموش کی دوستی کام نہیں آتی اور نہ کوئی اُس کا دوست ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اُس کا ساتھی نقصان اٹھاتا ہے۔ کاہل ہمیشہ محتاج اور حقوق کو ضایع اور موجودہ سرمایہ کو غارت کرتا ہے اور طماع تھوڑی سے طمع میں دوست کو چھوڑ دے گا اور مراعات نہ کرے گا۔ مغرور و زود رنج سے دوستی نہیں نبھ سکتی۔ وہ بیجا فخر کرے گا اور تھوڑی باتوں پر رنج کرنے پر آمادہ ہو جاویگا۔ جو شخص

صاف گو نہین ہوتا وہ منافق ہوتا ہے اور ہمیشہ ذلیل رہتا ہے اُس سے دوستی
نہین ہوسکتی اور ہمیشہ ذلّت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بیحیا اور ناصبر اپنی طبیعت پر خود
اختیار نہین رکھتے۔ ہمیشہ آفت مین مبتلا رہتے ہین۔ دنی طبیعت کا ہونا ہمیشہ مذلت
ہی کے طرف لے جاتا اور ذلیل بناتا ہے۔ خاین قابل دوستی اور اعتبار کے نہین ہوتا
ناشکرا اُس اور ظالم کی طبیعت قایم نہین رہتی بخیل حقوق کو ضایع کرتا ہے اور
مسرف خود اپنے ہی کو بیچڑ الیتا ہے۔ عالی ہمت سے دوستی کرنی اعلی مراتب کو پہنچاتی
ہے۔ انصاف پسند اور امین ہونا بڑی نعمت ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ فاجر کی
محبت نہ کر۔ اپنا راز اُن سے نہ کہہ۔ نیک سے مشورہ لے۔ اور فرماتے ہین کہ احمق
کی دوستی سے بچنا چاہیئے کہ وہ نفع کے ارادہ سے نقصان کر بیٹھتا ہے۔ اور
فرمایا کہ کسی کے خلق پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے جب تک کہ غصہ کی حالت مین اُس کو
دیکھہ نہ لو۔ اور کسی کی دینداری پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے جب تک کہ طمع کے وقت
اُس کو نہ پرکہہ لو۔ احیاءمین امام غزالیؒ فرماتے ہین کہ اور اس لئے کہا کرتے ہین کہ جب
حالت اقامت مین آدمی کے ہمسایہ اُس کی ثنا کرین اور سفر مین اُس کے رفیق
مدح خوان ہون اور بازارون مین اہل معاملہ اُس سے راضی رہین اور اچھا
کہین تو اُس کی نیک بختی مین کچھہ شک نہ کرنا چاہیئے۔ اور حضرت عمرؓ کے سامنے
ایک گواہ آیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ایسے شخص کو میرے سامنے لا جو تجھہ کو
پہچانتا ہو۔ وہ ایک شخص کو بلا لایا جس نے اُس کی تعریف کی۔ آپ نے اُس سے
سوال کیا کہ کیا تو اُس کے قریب رہتا ہے کہ اُس کو آتے جاتے دیکھا ہو۔ اُسنے
عرض کیا نہین۔ پھر پوچھا کہ کیا تو کسی سفر مین اُس کے ساتھہ رہا ہے کہ سفر مین مکارم اخلاق

معلوم ہو جایا کرتے ہین۔ اُس نے عرض کیا کہ نہین۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ تونے نقرہ وطلا کا اُس سے معاملہ کبھی کیا ہے جس سے آدمی کی پرہیزگاری معلوم ہوا کرتی ہے۔ اُس نے کہا کہ نہین۔ پھر آپ نے فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تونے اُس کو مسجد مین کھڑا دیکھا ہے کہ قرآن مجید آواز بنا کر پڑھتا اور اپنا سر کبھی نیچے اور کبھی اوپر کرتا ہوگا۔ عرض کیا کہ یون ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو جا اُس کو تو نہین پہچانتا اور اُس سے کہا کہ دوسرے شخص کو لا جو تجھہ کو پہچانتا ہو۔ اور اکابر سلف کے آثار مین ہے کہ جب واعظ لوگون مین وعظ کہتا ہے تو علمار فرماتے ہین کہ اُس مین تین باتین دیکھو اگر بدعتی ہو تو اُس کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ شیطان کی زبان سے بولتا ہے اور اگر اُس کا اکل حلال نہ ہو تو خواہش نفس سے کلام کرتا ہے۔ اور اگر عقل کا پکا نہ ہو تو اُس کے وعظ سے خرابی زیادہ اور اصلاح کم ہوگی اُس کے پاس بھی مت بیٹھو۔ اور حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہین کہ پانچ آدمی کا ساتھہ مت اختیار کرو۔ اول دروغ گو کہ تم کو اُس سے دہوکا ہوگا اُس کا حال مثل سراب کے ہے بعید کو تجھہ سے قریب کرے گا اور قریب کو بعید۔ دوم احمق کہ اُس سے تجھہ کو کچھہ نہ ملے گا۔ جب نفع پہنچانا چاہے گا تو اُس کی بیوقوفی سے تجھہ کو ضرر پہنچے گا۔ سیوم بخیل کہ جب تجھہ کو اُس سے حد سے زیادہ حاجت ہوگی دوستی توڑ دیگا۔ چہارم نامرد کہ وقت پر تجھہ کو چھوڑ کر فرار ہوگا۔ پنجم فاسق کہ ایک لقمہ سے کمتر کے عوض مین تجھہ کو بیچ کریگا۔ ابوسعیدؒ توری نے فرمایا کہ جب تم کو کسی سے بھائی چارہ منظور ہو تو اول اُس کو خفا کردو پھر خفیہ ایک شخص کو بھیجو کہ تمہارا حال اور تمہارا راز اُس سے دریافت کرے اگر

تمہارے حق مین وہ بہتر کہے اور راز افشا نہ کرے تو اُس کی محبت اختیار کرو۔ اور ابو زید سے کبھی کسی نے پوچھا کہ تم کس صفت کے آدمی سے صحبت رکھتے ہو فرمایا جو میرے اُن مخفی حالات کو جانتا ہے جن کو خدا جانتا ہے اور اُنکو ایسا ہی چھپاتا ہے جیسے خدا پردہ پوشی کرتا ہے۔ تیرا دوست وہ ہے کہ تیرا نفس اُس پر بھروسا کرے اور تیرا دل اُس سے مطمئن و بآرام رہے اور تجھکو معصیت سے وہ باز رکھے۔ دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے غفلت و بے احتیاطی دانشمندی نہین۔ دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمرد۔ لیکن جہان تک ہو سکے دشمنی کو بڑہانا نہین چاہیئے لیکن اُسکے فریب مین نہ آنا چاہیئے و حزم کرنا چاہیئے۔

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست | با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

جب دشمنون مین باہم جنگ ہو تو آسودہ و خاموش بیٹھ سکتے ہو لیکن اگر باہم موافق ہون تو حفاظت لازمی اور اگر ضرورت ہو تو حملہ ضروری ہے۔

چو بینی درمیان دشمنان جنگ | برو با دوستان آسودہ بنشین
وگر بینی کہ باہم یک زبانند | کمان را زہ کن و بر بارہ سنگ

جذبہ قدرشناسی و تنافس و حسد۔ کسی کی خوبی دیکھکر اُسکی قدر و تعریف نہ کرنا اور اُس پر حیرت نہ کرنا بہتر نہین ہے۔ افلاطون کا قول ہے کہ تعجب و حیرت دراصل ایک حکیمانہ کوشش ہے جس قدر زیادہ ہم مین یہ صفت ہوگی اور دل مین خوبیون کا ادب رہیگا اور نگاہ و تمیز جانچ کرنیوالی ہوگی اُسی قدر بہتر ہوگا۔ اپنے قدرشناسی سے دوسرے کی بھی قدر ہوتی ہے جب کسی بچے مین یہ وصف پاؤ تو سمجھہ لو کہ ہونہار ہے اور جب اُس کو نہ پاؤ تو

جان لو کہ وہ بے پروا و خود غرض و شیخی باز و نادان ہوگا۔ بعض اوقات بچون مین
چھوٹی چستی و ہوشیاری دکھائی دیتی ہے۔ جس کو سادہ دل لیاقت
مان لیتے ہین برعکس اس خلاف قدرت اور ناپسندیدہ عادت کے ہم ہر کمسن کو
نصیحت کرتے ہین کہ ادب و عزت کرنا سیکھو اگرچہ تم اس خوبی کو صاحب اقتدار
لوگون مین زیادہ نہ پاؤگے مگر خیال رکھو کہ وہ خوبیون کے اصل اصول مین سے
ہے۔ جب ہم خوبی کو حیرت اور خوشی کے ساتھ دیکھینگے تو ہم مین اُس کے ہونے
کی ریس ہوگی۔ انسان جس کی ستایش کرتا ہے اُس کی ریس و تقلید
کرتا ہے۔ اسٹوئک حکما کا قول ہے کہ انسان کی زندگی سے اصل مراد یہ ہے
کہ جہان جو عمدگی دیکھے اُس کے سیکھنے مین کوشش کرے۔ سچی قدر شناسی
کامل تمیز و جانچ و نیک و شریفانہ جوش کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن تبرا کہنے و
و نظر حقارت سے دیکھنے کی عادت اس نیک اثر کے نتیجہ کو کم کر دیتی ہے اسمین
افراط طمع ہے جو مذموم ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ اچھی باتون کی قدر کرے
اور غیر واجب نفرت و تعصب سے پرہیز کرے۔ مومن کو واجب ہے
کہ اپنے دینی بھائی مومن کے ساتھ اخوت کو مضبوط کرے۔ ایک ایماندار
سچائی سے مدد کرنے والا بے پروا دوست سے بہتر ہے۔ جا بیجا ہونے
پر غور کر لو اور انصاف و مہربانی سے پیش آؤ۔ کل بنی نوع انسان کی عزت کرنا
دانائی ہے و پاکیزہ ہے مگر تم اُس کو نہین کر سکتے جب تک کہ مردم شناس
نہ ہو اور برادرانہ نظر سے نہ دیکھو۔ کسی جتھے یا گروہ کے فلاح مین انہماک ظاہر
کرنا یا سوسایٹی کے کسی جماعت سے جس سے ہمارا تعلق ہے محبت کرنا واجبات کا

اختیار کرنا جمہور کی محبت کا بیج ہوتا ہے۔ یہ اُس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جسکے سہارے ہم ملک اور بنی نوع انسان کے طرف بڑھتے ہین۔ سوسائٹی کی اُس جماعت کی فلاح ایک امانت ہے جس مین سوائے بُرے لوگون کے کوئی خیانت نہین کرسکتا اور سوائے غدار کے کوئی اُسے اپنے ذاتی اغراض کے لئے قربان نہ کرے گا۔

بدخواہ کسان ہیچ بمقصد نہ رسد | یک بد نکنند تا بخود سہ چند نہ رسد
حاسد کو ایکدم نہین راحت جہاں مین | رنج حسد سے جبتک ہی جان جائین
بمیر تا برہی اے حسود کین رنجیست | کہ از مصیبت او جز بمرگ نخواہی رست
راست خواہی ہزار چشم چنان | کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

الحسد یذیب الجسد۔ حسد قضائے الٰہی پر خشمناکی ہے۔ سورہ فلق مین ہے
ومن شر حاسدٍ اذا حسد ٥ اور پناہ مانگتا ہون مین شر سے حسد کرنیوالے کے جب حسد کرے

پس حسد کرنا شر قرار دیا گیا ہے اور اُس سے پناہ چاہی گئی ہے لہذا اُسکے مذموم ہونے کے لئے یہ وعید کافی ہے۔ حسد اُس خصلت کو کہتے ہین کہ آدمی کے نفس مین پیدا ہو جاتی ہے کہ کسی شخص مین جو خوبی ہے یا جو نعمت وجاہ اُس کے پاس ہے وہ جاتی رہے خواہ حاسد کو ملے یا نہ ملے اس طرح حاسد ہمیشہ جلتا رہتا ہے اور حسد سے اپنے جسد کو جلایا کرتا ہے۔ پس وہ ہر وقت اور ہر آدمی پر نامحمود ہے برخلاف اس کے تنافس یعنے کسی خوبی کے نسبت یہ چاہتا کہ جو کسی مین ہے اُس کے مثل اُس کو بھی حاصل ہو جاوے عمدہ خصلت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے

وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۔ اس مین چاہئے کہ تنافس کرین تنافس کرنیوالے۔

ناوانون کی کثرت راے وکثرت مشاورت وعوام کی راے کی پابندی نادانی ہے وحق وحیا وزبان خلق۔ نادانون کی کثرت راے اور عوام کی راے کو صحیح سمجھنا قدرشناسی نہین بلکہ احمقی ہے لہذا اُس کا ذکر بیان کیا جاتا ہے

پبلک (خلقت عامہ عوام کالانعام) جیسا کو ورن۔ بزدل۔ شکی۔ کان کا کچا۔ غل کرنے والا بے عقلی سے۔ ضد و بدتہذیب۔ مطلب پرست۔ کینہ توز۔ حاسد۔ ناشکرگذار کوئی تلاش کرنے سے بھی نہ ملے گا۔ بزدلون مین اُس کا اول نمبر ہے کیونکہ پبلک اپنے آپ سے ڈرتی ہے۔ ذرا سے مقابلہ پر بھی یہ بید مجنون کی طرح کانپنے لگتی ہے اپنے ہی سایہ سے بھڑکنا اور اپنے ہی نام سے سہم جانا اُسی کا کام ہے۔ منھ تو اس کا شیر کا سا ہے مگر دل خرگوش کا سا۔ کان لمبے لمبے۔ مگر آنکھون مین عنید نہ دارد۔ ڈر کی بات کو کان دھر کے سنتی ہے اور خود اپنی ہی راے سے ایسی ہراسان ہوتی ہے کہ کبھی راے قایم کرنے کی جرأت نہین کرتی۔ بعض دفعہ کسی اُڑتی ہوئی لایعنی افواہ کو جھپٹ جاتی ہے تاکہ راے قایم کرنے مین تاخیر کا گمان بھی نہ ہو اور پھر اُس کو بار بار دہراتی ہے اور اس شور و جوش مین اور کسی خبر کے سننے کے قابل ہی نہین رہتی یہ خیال کہ پبلک کیا کہے گی پبلک کو تو خبر کچھہ سوچنے ہی نہین دیتا مگر شخصی راے پر بھی اس کا اثر جادو سے کم نہین ہوتا۔ الغرض یہان تک نوبت پہنچتی ہے کہ کسی طالب شہرت نے دزاطلاق سے کچھہ کہہ دیا تو وہی عام راے بنگئی جو کچھہ ایک شخص کہتا ہے اُسے سب سنتے ہین اور یہ خیال کہ ایک خاص بات سب کو

معلوم ہے پبلک کیلئے اس امر کی دلیل بنجاتی ہے کہ ہر ایک کا اُس پر یقین ہے اور بس جب یہ یقین ہوا تو پھر عقل کی چپکی چپکی نصیحت سب دھری کی دھری رہجاتی ہے۔ آدمی سنتا زیادہ اور سوچتا کم ہے جیسا ہم دیکھتے ہین کہ کسی بات کا چرچا ہے تو یہ مان لیتے ہین کہ اس کے چرچے کا کچھہ نہ کچھہ اثر ضرور لوگون کے تخیل پر ہوا ہوگا اور خواہمخواہ ہی اعتبار کرنے لگ جاتے ہین چاہے ہم کو یقین ہی ہو کہ افواہ غلط ہے مگر اس وسوسہ کے باعث کہ اور لوگ اس کو مانتے ہین اور ہم خود مخالفت کے مخمصہ مین پھنسا نہین چاہتے ہم اپنے اصلی ارادے کو اس بیہودہ اور محض بے معنی شور کے نذر کرتے ہین بجاے اس کے کہ عام راے ایک وسیع اور مضبوط و صحیح بنا پر قایم ہو اور فرداً فرداً ہر ایک شخص کے غور و خوض کا نتیجہ ہو اکثر چھچھورے پن اور دکھاوے پر مبنی ہوتی ہے۔ اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہین کہ پبلک ہرگز عام راے کی موجد نہین ہوتی بلکہ اُس کے ادنی مقلدون مین ہوتی ہے۔ شلر کا مقولہ ہے کثرت۔ اس کے کیا معنے؟ فہم بہت تھوڑے ہی اشخاص مین اکثر جمع ہو سکتا ہے راے کی قدر کرنی چاہیے نہ کہ اُسے شمار کرنا چاہیے۔ اس طور کی حالت وہان کبھی نہ کبھی تباہی پھیلادیگی جہان کثرت تعداد کی حکومت ہے اور نادانی کا فیصلہ ہے ایک حکیم نے کہا ہے کہ کثرت مشاورت تباہی و احمقی ہے۔ کثرت آراسے جنکے درمیان مین کثرت ہے اُن کی باہمی قوت کا پتہ چلتا ہے کہ اُنکے باہمی راے مین کسقدر قوت ہے نہ کہ مابین حق و مابین دیگر اشخاص کے خصوصاً جو حق پر ثبات رکھتے ہون۔

شاید پس کار خویش بنشستن	لیکن نتوان زبان مردم بستن
آنانکہ بکنج عافیت بنشستند	دندان سگ و زبان مردم بستند

کاغذ بدریدند و قلم بشکستند — وز دست و زبان حرفگیران رستند

فراهم نشینند تردامنان — که این زهد خشک است و آن دام نان

چو راضی شد از بنده یزدان پاک — گر اینها نگردند راضی چه باک

بداندیش خلق از حق آگاه نیست — ز غوغای خلقش بحق راه نیست

از آن ره بجایے نیاورده اند — که اول قدم پے غلط برده اند

دو کس بر حدیثے گمارند گوش — یکے نکته چین و دگر مرد هوش

یکے پند گیرد دگر ناپسند — نه پردازد از حرفگیری به پند

فرومانده در کنج تاریک جاے — چه دریابد از جام گیتی نماے

مپندار اگر شیر و گر روبهی — کز اینان بمردی و حیلت رهی

اگر کنج خلوت گزیند کسے — که پرواے صحبت ندارد بسے

مذمت کنندش که زرق است و ریو — ز مردم چنان می گریزد که دیو

وگر خنده روہست و آمیزگار — عفیفش ندانند و پرهیزگار

غنی را بغیبت بکاوند پوست — که فرعون اگر هست در عالم اوست

وگر مرد درویش در سختی است — بگویند ازو بار و بدبختی است

وگر کامرانے درآید ز پاے — غنیمت شمارند و فضل خداے

که تا چند ازین جاه و گردن کشی — خوشی را بود در قفا ناخوشی

وگر تنگدستے تنک مایۂ — سعادت بلندش کند پایۂ

بخایندش از کینه دندان به زهر — که دون پرور است این فرومایه دهر

چو بینند کارے بدستت درست — حریصت شمارند و دنیا پرست

دگر دست همت بداری ز کار — گدا پیشه خوانندت و بچه خوار
دگر ناطقی طبل پر یاوه — دگر خامشی نقش گرمابه
تحمل کنانرا نخوانند مرد — که بیچاره از بیم سر بر نه کرد
اگر در سرش هول مردانگیست — گریزند ازو کین چه دیوانگیست
تعنت کنندش گر اندک خوراست — که مالش مگر روزی دیگریست
دگر نغز و پاکیزه باشد خورش — شکم بنده خوانندش تن پرورش
دگر بی تکلف زید مالدار — که زینت بر اهل تمیز است عار
زبان در نهندش به ایذا چو تیغ — که بدبخت زر دارد از خود دریغ
دگر کاخ و ایوان منقش کند — تن خویش را کسوت خوش کند
بجان آید از دست طعنه زنان — که خود را بیاراست همچون زنان
وگر پارسایی سیاحت نه کرد — سفر کردگانش نخوانند مرد
که نارفته بیرون ز آغوش زن — کدامش هنر باشد و رای و فن
جهاندیده را هم بدرند پوست — که سرگشته بخت برگشته اوست
گرش حظ ز اقبال بودی و بهر — زمانش براندی ز شهرش به شهر
عذب را نکوهش کند خرده بین — که می لرزد از خفت خیزش زمین
وگر زن کند گوید از دست دل — بگردن در افتاد چون خر بگل
نه از جور مردم رهد زشت روی — نه شاهد ز نامردم زشت گوی
کس از جور دست زبانها نرست — اگر خود نمایست وگر حق پرست
اگر بر پری چون ملک ز آسمان — بدامن در آویزدت بدگمان

بکوشش توان دجلہ را پایے بست نہ شاید زبان بد اندیش بست

عوام (پبلک) عموماً ناسمجھ۔ نادان وبیجا شور وشر کرنے والے اور بے سمجھے تقلیدی راے پر چلنے والے ہوتے ہین اور دو متضاد امور مین عمل کرنے اور اُس کے نہ کرنے پر ملامت کرتے رہتے ہین۔ لہذا اُن کی شکایت و ملامت کی پروانہ کرنی چاہیئے بلکہ حق کوش وحق نیوش ہونا وسچی وصحیح راے رکہنا چاہیئے۔ پس جایز ومخلصانہ اطاعت متابعت اُن کی جنکی چاہیئے اور حق پر چلنے والون اور نصیحت کرنے والون کی کرنا اُس کے منافی نہین بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی متابعت کرنا ہے۔ کامن سینس اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو کہتے ہین تو اُس کے مطابق عمل کرنا بہتر وزیبا ہے۔ بیجا خواہش وبیجا عمل کو خدا تعالے وآخرت کے خوف یا سوسایٹی کے لحاظ سے روکنا حیا ہے۔ بعض اوقات معمولی حق باتون کا نہ کہنا بھی حیا کے وجہ سے اچھا ہوتا ہے۔ جیساکہ سورۂ احزاب مین ہے۔

ولکن اذا دعیتم فادخلوا	ولیکن جب بلائے جاؤ تب جاؤ پس جب کہا چکو تو متفرق
فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین	ہو جاؤ اور نہ آرام لو بات کیلئے یہ تکلیف دیتا ہے نبی کو
لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی	سو حیا کرتا ہے تم سے اور اللہ نہین حیا کرتا
فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق	حق کے ظاہر کرنے سے ۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ لوگون کو جب آنحضرتؐ کہانا کہانے کے لئے بلاتے تھے تو بعد فراغت کہانا کے وہ لوگ بات چیت کے لئے بیٹھ جاتے تھے اور آنحضرتؐ حیا کے وجہ سے اس تکلیف کا ذکر نہین کرتے تھے حالانکہ حق کا مقتضا یہ تہا کہ کہہ دیا جاتا۔ لہذا اللہ نے اس طرح ظاہر کیا۔

کمال انسانی و انتہائی کمال ملی و کمال حیات ملی و توسیع حیات ملی و حقیقی اجتماع کا نصب العین و حیات ملی کا مرکز و آئین کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں و تصاحب۔ کمال انسان کا جوہر تعامل و تعاشر و اختلاط افراد و ربط و ایثار و ضبط نفس و دعوت الی الخیر و قسط و اصلاح و امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ثابت ہوتا اور دیگر فضایل و خصایل عالی سے ظاہر ہوتا ہے، جبکہ رحمت عالم کے لیئے یا آدمیوں کے لیئے اُن کا عامل ثابت ہو تاریخ و روایات قومی کی حفاظت اور اس کے اسوہ حسنہ کی پیروی سے احساس نفس کا تسلسل اقوام میں اور احساس نفس کا تسلسل حافظہ سے افراد میں ہوتا ہے۔ لہذا تاریخ و روایات قومی و حافظہ دونوں کی حفاظت و دونوں کا قایم و برقرار رہنا بیحد ضروری ہے۔ نظام قومی و ملی بغیر کسی آئین و قوانین کے نہ درست ہوتا اور نہ صورت پذیر ہو سکتا ہے۔ اسی لیئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے تعامل و ربط و اخوت کی ہدایت فرمائی اسی طرح اُمت محمدیہ کے لیئے آئین قرآن شریف کو مقرر فرمایا۔ پس اتباع آئین فطرت و اتباع آئین ملت یعنے قرآن مجید کے بغیر پختگی سیرت ملی اور قومی کی نہیں ہو سکتی۔ حیات ملی و قومی کے لیئے ایسے مرکز کی ضرورت ہے جس کے مرکز ہونے کی شہادت موجود ہو چونکہ اُمت محمدیہ کو

اتباع ملت ابراہیمیؑ وکعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہے اور شہادت کافی اسکے
اور مدینہ منورہ کے لئے جو جائے قیام وروضہ آنحضرت ہے موجود ہے۔ لہذا مرکز
حیات ملی دین محمدیہ کے لئے موجود ہے۔ حقیقی اجتماع نصب العین کے
اعتصام ومضبوط پکڑنے سے ہوتا ہے اور نصب العین ملت محمدیہ کا
ایمان کے ساتھ عمل صالح وتبلیغ ونشر کرنا اور بر وتقوے کی اعانت
اور اصلاح بین الناس وبین الاخویہ اور مومنین مین امر بالمعروف ونہی عن
المنکر کرنا ہے لہذا اگر ان سب پر عمل ہو تو حقیقی اجتماع امت محمدیہ مین ضروری و
لازمی ہوجاوے پھر کوئی اُس کا مانع نہ ہوسکے۔ اور پھر کوئی قوت وطاقت اسکی
مزاحمت نہ کرسکے۔ توحید سے حزن وخوف واضطرار دور ہوتے اور
اطمینان وتسکین پیدا ہوتی اور انسانون سے ڈرنے کے بجائے اور
انسان پرستی وطاغوت پرستی کی جگہہ خدا سے معتدل خوف ورجا وخداپرستی
اور امید آخرت مین معاوضہ صبر تکلیف کے پانے وثواب اعمال نیک صبر ثبات ملنے کی توقع
پیدا ہوتے ہین اور انسان کا جو درجہ واقعی عالم مین ہے اور موحد کا جو
مرتبہ ہے قایم ہوتا ہے اور ذلت نفس جاتی رہتی ہے اور اعتماد علی النفس
وخودداری پیدا ہوتی ہے لہذا ایمان باللہ سبب اعمال صالح وآرام وجوب
راحت وفایدہ وکمال انسانی کا ہے۔ توسیع حیات قومی ملی کی قوائے نظام
عالم کی تسخیر اور ان سے فایدہ اُٹھانے سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے۔ وسخر لکم مافی الارض جمیعا لہذا اُمت محمدیہ کو تسخیر کی بھی
ہدایت اور نہ ہدایت بلکہ تاکیدی حکم ہے۔ کمال حیات ملی وقومی کا یہ ہے

کہ اسکی جماعت مثل افراد کے احساس پیدا کرے اور جس طرح فرد کو
احساس اپنے فایدہ و نقصان و ترقی و حفاظت کا ہوتا ہے اور نہ احساس بلکہ
جذبہ قومی ہوتا ہے اسی طرح قومی وجود و قومی فلاح و بہبود کا احساس و جذبہ
ہو۔ تکمیل اس احساس و جذبہ کی روایات قومی و ملی کے ضبط و رواج و شایع
ہونے و مرتکز ہو جانے سے ہوتی ہے اور جس طرح افراد کے حیات مین جلب
منفعت و دفع مضرت تعین عمل و ذوق حقایق عالیہ احساس نفس کی تدریجی
نشو و نما اس کے تسلسل توسیع و استحکام سے وابستہ ہین اسیطرح ملل و اقوام
کے حیات کا راز بھی قوم کو اپنے وجود و بہبود کے سمجھنے اور حفاظت و تربیت و
استحکام مین مضمر ہے اور اسلام کی کامیابی شاہد ہے کہ یہ کمال آنحضرتؐ اور
آپ کے اصحاب کرامؓ مین موجود تھا۔ حیات ملیہ و قومیہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد
قومی و ملی کے آئین مسلم کے پابندی سے اپنی ذاتی جذبات کے حدود مقرر
کرین اور آزادی مطلق کو ایک درجہ معتدل تک محدود کرین تاکہ انفرادی اعمال کا تباین
و تناقض مٹ جاوے اور ملت مشترک پیدا ہو جاوے اور اختلاف سبب تنازع
کا نہ ہو بلکہ سبب رحمت و ترقی کا ہو۔ لہذا کمال انسانی و انتہائی کمال فردی و
ملی کے لئے امور مذکورہ پر عمل کرنا و مثال بننا ضروری و لازمی ہے اور انکو حاصل کرنا چاہئے
مذہب کا اقوے و اوفق و اسلم ہونے کا سبب و کیرکٹر بنیوالے
و موجدین و مخترعین کے اثرات کے مابین فرق ہے ایک بڑے فرانسیسی
عالم نے لکھا ہے کہ حب الوطنی کی پرستش مذہبی اعتقادات آزادی کا شغف
نام آوری کا ولولہ یہ چیزین تخیل سے متعلق ہین لیکن یہ اس قسم کے تخیلات ہین جو

ہمیشہ افعال انسانی کے محرک رہے ہیں اور انہیں تخیلات کے بدولت دنیا کے وہ ملکی و تمدنی عمارت قایم ہوئی ہے جس کے سایہ میں ہم آج بس رہے ہیں۔ لیکن تاریخ کا منارہ تمدن کا ستون قوموں کی زندگی کا اہم اصول اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف مذہبی اصول ہیں۔ مذہبی اصول ہمیشہ قوموں کی زندگی کا نہایت اہم عنصر اور تاریخ کا نہایت نمایاں جزو رہے ہیں۔ اوہام کے اندر بھی ایک ایسا موثر جادو چھپا ہوا ہے جو مزاج عقلی کو بدل دیتا ہے۔ مذہب کے عظیم الشان قوت کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ میں قوم کے فواید قوم کے احساسات اور قوم کے خیالات کو متحد کر دیتا ہے اس لئے وہ اُن تمام عناصر کا جن سے قومی روح پیدا ہوتی ہے دفعتاً قایم مقام ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مذہبی قوت کے استیلا سے قوم کا مزاج عقلی نہیں بدل جاتا تاہم تمام قوتوں کا رخ صرف ایک مقصد کیطرف ہو جاتا ہے یعنے تمام طاقتیں جدید مذہب کی حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور مذہب کی عظیم الشان طاقت کا راز اسی اصول کے اندر مضمر ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جن قوموں نے کارہائے نمایاں کئے ہیں اسی قسم کے مذہبی انقلاب کے زمانہ میں کئے ہیں اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی تاسیس اسی دور انقلاب میں ہوئی ہے۔ نفس اعتقاد کوئی چیز نہیں ہے۔ اصلی چیز وہ قوت ہے جو اعتقاد کو دل میں مرتکز کر دیتی ہے۔ مذہب اسلام نے تمام اُن چیزوں کو چھوڑ کر جن سے مذہبی یا قومی یا وطنی اعتقاد و ناموری و آزادی پیدا و پختہ ہوتی ہے اور فواید حاصل ہوتے ہیں صرف اس اعتقاد کو اپنا اصل الاصول قرار دیا ہے کہ جو عمل کیا جاوے وہ خالصۃً للہ اور خدا کی رضامندی کے

غرض سے کیا جاوے اور کل خداپرست اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر ایک قوم بنجاوین اور اس طرح قومی روح و قومی مزاج مسلمانون کا متحد ہو جاوے اور ایمان کو کفر سے بیچ موجح رکہا جاوے اور تمام چیزون سے اللہ اور اسکے رسول اور اللہ کے احکام کو احب سمجہا جاوے - اس کا صاف و صریح نتیجہ یہ ہے کہ تمام قومی و نسلی و منزلی و ہمرنگی کے تعلقات سے وسیع وہ اعتقاد ہے جس کو اسلام نے ترجیح دیا ہے اور خدا یتعالے پر اعتقاد لانے و اعتصام بحبل اللہ کرنے و عبد اللہ بننے سے پیدا ہوتا ہے اور ہر نسل و ہر گروہ اور ہر قوم و ہر رنگ کے آدمی دینی بہائی ہو جاتے ہین - پس اس سے اسلم و اقوے دوسرا اعتقاد نہین ہو سکتا جو اپنے اصل مین بھی سچا و صحیح اور اثر مین بھی سب سے بہتر و اقوے ہے اس طریقہ سے عقاید و احساس و فواید مین اتحاد و توحد و یکرنگی پیدا ہوتی ہے جو مزاج قومی کے اتحاد کو مستقل و پایدار بنا دیتی ہین - سورہ توبہ مین ہے - یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا اباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولہم منکم فاولئک ہم الظلمون قل ان کان اباءکم و ابناءکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموہا و تجارۃ تخشون کسادہا و مساکن

اے ایمان والو نہ بناؤ اپنے باپون اور بہائیون کو رفیق اگر وہ دوست رکہین کفر کو ایمان پر اور جو کوئی تم مین کا انکو دوست رکہے تو وہی ظالم ہین تو کہہ اگر ہون اپ تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بہائی اور تمہاری بیبیان اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جنکو جمع کیا ہے اور وہ تجارت جیکے اندہونیکا سے تم ڈرتے ہو اور وہ ساکن

توصلونها احب الیکم من اللہ — جنہیں تم راضی ہو اللہ اور اُس کے رسول اور اسکی
ورسولہ وجہاد فی سبیلہ — راہ کے جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لاوے
فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہٖ — اللہ اپنے امر کو اور اللہ نہیں ہدایت کرتا
واللہ لا یھدی القوم الفسقین — فاسقین کی قوم کو۔

پس علاوہ اقرب لوگون کے تجارت اور مساکن کو بھی احب رکھنا فسق ان آیات کے رو سے قرار دیا گیا یعنے حکم خدا کے خلاف اور یہ کہا گیا ہے کہ ایسی قوم فاسق کی اللہ ہدایت نہین کرتا جو اشخاص مذکور اور اشیاے مذکور کو احب رکھین۔ تکمیل مذہب کا کام مزکی کرنا کتاب وحکمت سکہانا انسان کی سودمندی و راحت بڑہانا۔ عقل انسانی کو نشو ونما دینا صالح بنانا اور غیر صالحون کو مٹانا ہے جب کسی مفید قانون کو چاہین کہ فوراً نافذ ہو تو اُسے عبادت کا جزو قرار دیکر اُسکے ماخذ کی نوعیت کو الہامی قرار دیدینا سر تسلیم کے انتہائی ادب کے ساتھ خم کرانے کا سبب ہے جو ہرگز انسان کے بنائے ہوئے قانون کے حصے مین نہین آسکتا۔ تکمیل مذہب آگاہ کرنا اور آخرت وخدا کے خوف کے ذریعہ سے اصلاح کرنا و فلاح کی راہ دکہانا ہے۔ خدا کے قانون کی کامل اطاعت کرنا جسم کے ہر ایک عضو اور قوے اور روح کی ہر ایک طاقت کا مناسب استعمال اور تکمیل و ترتیب سے خدا کا حکم بجالانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکہنا ہے جس سے انسان کی تمام طاقتین ہم آہنگی و تناسب سے جہانتک ممکن ہے کام کرتی رہین۔ افلاطون کی راے مین مذہب استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کا نام ہے۔ اور پروفیسر ولیم جیمس ایل ایل ڈی

لکھتے ہیں کہ اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جاویں جو سب مین پائے جاتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک نادیدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کے سب سے فائق بھلائی اپنے کو اُس کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے بس یہی یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے۔ جب تک انسانی زندگی انسان کی تمناؤن کے برلانے کے ناقابل ہے تب تک یہان کی کامیابیون سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قایم رہے گا اور اس اشتیاق کو صرف تسکین مذہب سے حاصل ہوگی جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہے گی جو پارساؤن کو خدا کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر نظام حکومت اور ہر نظام تمدن کی بنیاد اُس عقیدہ پر ہے جو عام طور پر مسلم ہو جاوے اور چونکہ مذہب عام طور پر مسلم ہوتا ہے لہذا جہان ایسی حالت ہو وہان ہر نظام حکومت اور نظام تمدن کی بنیاد مذہبی عقاید کے سطح پر ہوگی۔ اہل مذہب قوائے مخفیہ کے اُس سلسلہ کی کڑی ہین جو دنیا کی پاسبانی کرتی ہے اور یہی لوگ ہین جنہون نے تاریخ کے عظیم الشان واقعات کو پیدا کیا ہے۔ اگرچہ تمدن پر موجدین اور مخترعین کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے لیکن عملاً قوم کی سیاسی تاریخ پر مضبوط کیرکٹر رکھنے والون کا اثر پڑتا ہے اور وہی مذہب قایم کر سکتے اور سلطنتون کی بنیاد ڈال سکتے اور نظام عالم کو اُلٹ سکتے ہین۔ برخلاف اس کے موجدین و مخترعین مین وہ اخلاقی اوصاف نہین پائے جاتے جن کی سطح پر کسی مذہب کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ لوتھر جیسے گمنام راہب نے یورپ کو آگ و خون کے سمندر مین ڈالدیا لیکن

گلیلیو اور نیوٹن کی آواز کے طرف اُس طرح کی توجہ نہین ہوئی۔ موجدین مخترعین تمدن کو پیدا نہین کرتے نہ اُس کی بنیاد ڈالتے ہین بلکہ تمدن کے رفتار کو تیز اور سریع کر دیتے ہین لیکن مضبوط کیرکٹر رکھنے والے چونکہ تمدن کی بنیاد ڈالتے ہین اس لئے وہ ایک مستقل تاریخی دور کو شروع کرتے ہین۔ بلکہ راسخہ و عادات بھی تحریک کرتے ہین لیکن اُن سے قوی وہ اندرونی جذبہ محرک ہے جس کو مذہب کہتے ہین اور جبکہ اُس کے ساتھ اول الذکر ہوتے ہین تو عمل جلد اور باقاعدہ ہونے لگتا ہے۔ لہذا پارسائی دینداری کیساتھ ہونا چاہیئے۔ مذہب اور اخلاق زندگی کے دونون رُکن اعظم ہین جسطرح مذہب نظام اخلاق پر اثر ڈالتا ہے اُسی طرح خود نظام اخلاق سے متاثر بھی ہوتا ہے۔ ہر قوم کا نظام اخلاق اپنے اصلی اوصاف کے لحاظ سے قایم رہتا ہے اور اسی خصوصیت نے ہر قوم کی تاریخ کو متحد اور جامع اور مانع بنایا ہے۔ مذہب حق جدید تمدنی ضروریات پر منطبق ہوتا ہے اور انسانون مین تعامل و تعاضد و معاشرت کے ہموار و آسان ہونے کے طریق اور راحت بڑھانے و اذیت گھٹانے کا راستہ بتلاتا ہے اور اختلاف و تنازع و متفرق ہونے سے بچاتا ہے۔ مذہب کی ترکیب خوف و امید سے ہوتی ہے اسلئے وہ دائم الاثر و ممتاز ہوتا ہے۔ جو وجدانی و برہانی شہادتین آثار فطرت و قوانین قدرت کے رُو سے وجود باری کے نسبت ہین مذہب متواترات سے اُسکی تصدیق کرتا ہے۔ اور رسل باعتبار ذاتی شہادت اپنے محسوس کرنے و آگاہ ہونے اور اپنے پر وحی نازل ہونے کی دیتے ہین۔ پس شہادت سے استدلال کو

زیادہ قوی اور مفید یقین ہو جاتا اور ایمان بالغیب کا سبب ہوتا ہے۔ اور چونکہ مذہب کے رو سے ایسی ہستی جزا و سزا دینے والی متصرف کائنات حاضر و ناظر پر ایمان لایا جاتا ہے جو خفیہ و علانیہ ظاہر و باطن ہر قسم کے نیت ارادہ و فعل کا جاننے والا ہے۔ لہذا چھپ کر جو برائیاں ہوتی ہیں اُن سے بھی انسان بچتا ہے اور تغافل شعاری و ریاکاری سے عمل نہیں کرتا بلکہ احتیاط و اخلاص سے کرتا ہے اور یہ اور کسی طریق سے نہیں ہو سکتا۔ مذہب کسی قوی توانا کو رام کرنے اور رجھانے کے منتر دن اور افسون کا نام نہیں ہے بلکہ اُس طرز معاشرت اور اصول مماثلت کا نام ہے جس سے ہم اپنے ابنا نوع کے ساتھ مل جلکر آرام و آسایش سے زندگی بسر کر سکتے ہیں اور جس سے ہم کو روحانی ترقی و صالحیت حاصل ہوتی ہے اور جو ہماری ضروریات زندگی اور منشاے حیات کو پورا کرتا ہے۔ لہذا جس مذہب کا تعلق ہماری روزمرہ کی زندگی کے ہر ایک کام و شغبہ سے نہ ہوگا وہ اپنے حقیقی مدعا کو پورا نہیں کر سکتا۔ مذہب وہی سچا ہے جو معتقدین کے ہر کام میں ساری ہو اور وہ ترک لذات و ترک طیبات کی تعلیم نہ دیوے اور وظایف بشریت کا مانع نہ ہو۔ سچے مذہب کے اصول فہم انسانی کے معیار پر قابل آزمایش ہوتے ہیں۔ حیات بعد الممات کا مسئلہ اور روز قیامت سزا و جزا کا عقیدہ ہر مذہب نے کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کیا ہے۔ مذہب کی بنیاد آخرت کے اعتقاد پر ہے۔ یعنے مسئلہ بقاے روح و جزا و سزا پر یا اُن میں سے کسی ایک پر۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اسلوب بیان نہیں کہ جزا و سزا کے دلنشین کرنے کیلئے

ایسے الفاظ بیان کیے جاوین جو ہمارے احساسات ظاہری کے مطابق ہون
اور کسی طرح سے احساسات کا تصور حقیقی ہو ہی نہین سکتا - لہذا ایمان باللہ
و یوم آخر کے ذریعہ سے معاشرت کو خوشگوار و قابل عمل بنایا جاتا ہے اور
انبیا و رسول سے تصدیق کرائی جاتی ہے تاکہ صحت و تسکین و یقین کا سبب ہو
ضرورت ترقی تمدن و حفاظت اسکی متقاضی ہے کہ حیات اجتماعی کو بھی حیات
ذاتی کے مقابلہ مین تقویت پہنچائی جاوے - خیالات و واقعات مذکورہ کے بناء پر
اگر بنیاد عمل قایم کی جاوے تو اس کے سوا چارہ نہین کہ خارجی ذرایع و
تدابیر سے افراد کی خودغرضی کو دبایا اور بجاے اُس کے اُنہین ایثار نفس
و ہمدردی وغیرہ کا خوگر کیا جاوے - سوال یہ ہے کہ اُس کی بہترین تدابیر
و طرق کیا ہین - آیا یہ غرض فلسفہ اخلاق کی تعلیم سے حاصل ہو سکتی ہے
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہو لیکن جو فطرت بشری کے اثرات سے واقف ہین وہ
اس پر ہرگز اکتفا نہین کر سکتے - اخلاقی تعلیم کے تعمیم کی عملی دشواریون سے
قطع نظر کرکے عام افراد جس دماغی سطح پر عموماً ہوتے ہین اُس کے لحاظ سے
اُن مین یہ صلاحیت ہی نہین ہوتی کہ وہ کسی فعل کو اُس کے حسن و قبح عقلی
کے بنا پر ترک یا اختیار کرین اور بفرض محال اگر خودغرضانہ زندگی کے نقایص
اُن کے ذہن نشین بھی کر دیے جاوین تو بھی دلایل و براہین اسقدر اُن کیلیے
موثر نہین ہو سکتے جس قدر کسی حقایق فطرت قدرت کے اور مقدس احکم الحاکمین کے
احکام ہوتے ہین - جذبات کا زور صرف جذبات ہی توڑ سکتے ہین لہذا خودغرضی
کے جذبات کے توڑنے کے لیے مذہبی جذبات ہی سب سے زیادہ کارآمد ہو سکتے ہین

حیات ذاتی کے جذبات کو بنظر تحفظ ذاتی بر بنائے عقل ابتداً نشو و نما ہوتا ہے لیکن بالآخر بروے قانون ایتلاف وہ محرکات خودغرضانہ زندگی کے ہوجاتے ہیں۔ پس اُن جذبات کے توڑنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اُن کے مخالف جذبات اُن سے قوی تر پیدا کئے جاویں اور دنیا میں یہ مقصد محض ایک الہامی قوت ایک ماوراے مادہ ہستی اور ایک تقیید و اعتراف سے ارفع و مقدس ذات پر اعتقاد لانے کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا اپنے ذات کی محبت اور اپنے فوائد کا ایثار اور راحت عاجل کو قربان کرنے کا خیال جب ہی ہوسکتا ہے جب راحت عاجل کے مقابلہ میں تخیل قوی اور مضبوط جذبہ بہ تبعیت عقل اپنا عمل کرسکے۔ مذہب ہی عقل و جذبات میں اتحاد کرانے اور جیسی ضرورت ہو اُن سے بہترین طور پر کام لینے کا سبب ہوتا ہے اُس سے زیادہ کوئی محرک و تخیل قوی نہیں ہوتا۔ سورہ حدید میں ہے۔

وآتیناہ الانجیل وجعلنا فی قلوب	اور دیا ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو انجیل اور
الذین اتبعوہ رأفة ورحمة و	ٹھہرایا ہمنے جنہوں نے اُسکی اتباع کی اُنکے دلمیں نرمی
رھبانیة ابتدعوھا ما کتبنٰھا	اور رحمت کو اور رہبانیت کو انہوں نے بنا نکالا اپنے
علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما	نہیں لکھا تھا اُسکو اُنپر مگر اللہ کی رضامندی کا چاہنا
رعوھا حق رعایتھا	پھر نہ نباہا اُنہوں نے اُسکو جیسا حق ہے نباہنے کا۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رافت اور رحمت نصرانیوں کے دل میں اللہ تعالے نے دی تھی نہ کہ رہبانیت لیکن اُنہوں نے رہبانیت کو بنا نکال لیا اور خدا کی رضامندی چاہنے کی رعایت کما حقہ نہ کرسکے اور اس

طرق بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رہبانیت کس کو کہتے ہین یعنے یہ کہ رافت
و رحمت کے مفرط ترقی کو کہتے ہین اور اس کے وجہ سے عیوب پیدا ہو جاتے
ہین جن کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے آرام اور حقوق سے مستفید نہ ہونا اور اعضاء
کو بیکار کر دینا اور اس طرح اپنے کو ایسے کم درجے پر ظاہر کرنا جو سچا ہے
اور ریاکاری و بدکاری کرنا وغیرہ۔ اب دیکھو کہ نصرانی رہبان کیا کرتے تھے
ہر قسم کے لذیذ کھانون اور راحت سے انکار پرہیز کرتے تھے کپڑے خاص
قسم کے خراب پہنتے عبادت ظاہری مین مشقت کرتے اپنی قوتون و اعضاء
کو بیکار کر دیتے اور اس کو عبادت سمجھتے اور لوگون کے سامنے اپنے
آپ کو مسکینانہ پیش کرتے و ریاکاری و بدکاری کرتے اور اپنے کو ولی
کہلواتے تھے غرضکہ اپنی خواہشون کو مردہ کر دینا اصل اصول سمجھتے تھے
و راسی قسم کے افعال کرتے تھے جنکا استقرار ہو سکتا ہے۔ لہذا اس قسم
کے افعال محمود نہین ہین بلکہ مذموم ہین اور خدا تعالے کی رضامندی اُسسے
نہین حاصل ہوتی بلکہ وہ رضاے الٰہی کے خلاف ہین اور بدعت دین مین
پیدا کر لینا ہے نہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایمان ہو اور اُس کے مطابق عمل نہ ہو یا
عمل ہو اور اُس کے مطابق ایمان نہ ہو یعنے عمل بر بناے ایمان نہ ہو کیونکہ ممکن
ہے کہ اعتقاد کے جذبہ قوی و غالب کی صورت نہ اختیار کی ہو یا عمل خلاف
اعتقاد کے ہو یا غفلت یا دیگر وجوہ سے خلاف ہو جاوے لہذا ایمان ایسا
قوی ہونا چاہیے کہ عمل تمام کرنے کا جذبہ اُس کے تیئن اقوے ہو جاوے اسی مصلحت
و حکمت سے ایمان و عمل دونون بابت قرآن مین حکم ہے عقل و تجربہ و علم

ادائے فرض کے خیال سے بھی عمل کرنے کی تحریک ہوتی ہے لیکن غفلت وتن آسانی وراحت عاجل عموماً بارج ہوتے ہیں اس واسطے دیکھا جاتا ہے کہ بہت خوشخیال وسچے اعتقاد رکھنے والے کسی امر کے ہوتے ہیں لیکن عمل اُس پر نہیں کرتے۔ یا مثلاً تم دیکھو گے کہ اسلام کو بعض لا مذہب سچا سمجھتے اور اُس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اعمال حسنہ طریق اسلام نہیں کرتے اس کا سبب اکثر یہی ہوتا ہے کہ اُن کے اعتقاد جذبہ کی صورت اختیار کر کے عمل کرانے کا اُن سے سبب نہیں ہوتے اور غفلت وتن آسانی اُن کو عالم بےعملی کا درجہ دیدیتی ہے یہی وجہ ہے کہ معینہ اوقات میں عبادات کرنے کیلئے اسلام میں احکام تاکیدی ہیں مثلاً نماز کے نسبت تاکہ غفلت وتن آسانی بھی کم ہو اور جذبہ پیدا ہو جاوے اور عادت سے عمل آسان ہو جاوے۔ پروفیسر بلیکی صاحب نے خوب کہا ہے کہ بلا مذہب کے اخلاقی قواعد کی پابندی ایسا ہی ہے جیسا یہ فرض کرنا کہ بلا بہیں واشت کے دانائی وتفکر وغور سے خیالی محل تیار ہو جاویگی بلا دینداری کے اخلاق ایسا ہی ہے جیسے ایک بڑی ندی بغیر پانی کے یا جسم بغیر سر کے۔ جس طرح راستی ودرستی کے ساتھ اخلاقی قواعد کی پابندی بشمول وتحمیت و مذہب کے ہوتی ہے ویسی دوسرے طرح پر نہیں ہو سکتی کیونکہ دوسرا کوئی قانون قانون مذہب سے زیادہ شخصی چال وچلن کی محافظت نہیں کر سکتا اور اُس کو درست نہیں رکھ سکتا۔ لہذا نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ زمانہ حال کے اُن مختلف اخلاقی قاعدوں پر جو بلا صداقت کے قایم کئے گئے ہیں نہ پہونچیں اور خوب سمجھ لیں کہ اصل بنیاد حسن اخلاق کی سچی دینداری ہے۔ اور اُس کا سرچشمہ

غذا ہے۔ کامیابی۔ بغیر مذہب و اخلاق کے حیات بے لطف ہوتی ہے اور حقیقی تسکین و قناعت و فارغبالی سے انسان بعید رہتا ہے اس طرح اپنے مقصد حیات کو پورا نہیں کرسکتا اور عروج کمال تک نہیں پہونچتا۔ اے۔ او۔ ہیوم صاحب کہتے ہیں کہ اول مجھے یقین تھا کہ علم قوت عظیم ہے اور ہر قسم کی علمی تعلیم کارآمد و مفید ہوتی ہے مگر اب میرا یہ یقین دور ہوگیا اور کامل تجربہ سے یہ مجھے دریافت ہوگیا ہے کہ جماعت کی موجودہ حالت ایسی ہو رہی ہے کہ اگر عقلی اور علمی تربیت کیساتھ اخلاق و دینداری کی تعلیم نہ ہو تو وہ محض زہرآلود ہوتی ہے اور بجائے فایدہ کے ضرر پہنچاتی ہے۔ مشہور مصنف ڈاکٹر اسمائلس فرماتے ہیں کہ فہم و فراست کی تربیت کا اثر اخلاقی کردار پر بہت کم ہوتا ہے بہتیرے تعلیمیافتہ اور پڑھے لکھے بدکردار مسرف زیان کار نا عاقبت اندیش میخوار اور شریر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ضروری اور لازمی امر ہے کہ تعلیم کی بنیاد پارسائی اور مذہبی اصول پر رکھی جاوے۔ سر والٹر اسکاٹ نے اپنے بستر مرگ پر لاکہارٹ اپنے داماد سے یہ الفاظ کہے تھے "نیکوکار ہو۔ پابند دین بھی رہو اور ایک اچھے آدمی رہو بس اس کے سوا اور کسی طرح تمہیں اس مقام پر جہاں میں لیٹا ہوں اطمینان قلب نہیں حاصل ہوسکیگا۔ روحانی برتاو کی نیکی تمدنی برتاو کی خوبی کو لازم ہے الا تمدنی برتاو کو روحانی نیکی یا بدی سے تعلق ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ پیغمبر کا کام روحانی نیکی کا بتانا ہوتا ہے اور جہاں تک اس کو تمدن سے تعلق ہوتا ہے بطور لزوم کے ہوتا ہے کیونکہ وہ خود انسان کی حالت کی ترقی کے ساتھ ترقی پاتی جاتی ہے۔ ملکی انتظام محض ایک دنیاوی کام ہوتا ہے اور

جہان تک جان و مال کے امن سے متعلق ہوتا ہے وہ اُس زمانہ کی حالت کے مطابق نہایت اعلی درجہ کی ترقی پر پہنچتا ہے۔ پس آنحضرت نے اسیطرح کیا اور آیندہ کے لئے یہ فرماکر کہ انتم اعلم باموردنیاکم اُس کو آیندہ آنیوالون کے ہاتھون مین چھوڑدیا۔ ہم ہرایک تمدنی و اخلاقی اصلاح کے حمایتی سے پوچھتے ہین کہ اس سے بڑھ کر اور کس حکم و آزادی کی ضرورت ہے۔ اور اس سے صاف زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے مذہب اسلام کا وہ حصہ جس مین بالکل تغیر نہین ہوا اور جس سے اُس کے بانی کے طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے مذہب اسلام کا نہایت روشن حصہ ہے جس سے ہماری مراد قران کے بیانات اخلاقی سے ہے وہ ہمارے دعوے کے لئے کافی برہان ہے۔

قومی زندگی پر اصول کا حقیقی اثر اور اُن کی کامیابی اور موثر طاقت کا بہترین زمانہ ہوا اتحاد و امتزاج اصلی قوم نہ کہ مصنوعی قوم بننے کیلئے۔

قومی روح پر اصول کا حقیقی اثر اس وقت تک نہین ہوتا جبتک کہ بتدریج اُس کا خمیر پختہ نہ ہوجاوے اور عالم شعور کی بلندی سے اُترکر وہ انسان کے غیرشاعرانہ مرکز عمل مین نہ آجاوے کیونکہ اس وقت وہ نظام عالم کا ایک جزو بنجاتے ہین اور قوم کی زندگی پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ جب اُن اصول کا خمیر طیار ہوجاتا ہے تو چونکہ وہ عقل کی حکومت سے آزاد ہوجاتے ہین اس لئے شدت کے ساتھ اُن کا اثر پڑتا ہے۔ ہم کو علانیہ نظر آتا ہے کہ جس دل پر کسی مذہبی یا غیرمذہبی اصول کے اثر کا استیلا ہوجاتا ہے اُس کا یقین عقل سے بالکل متاثر نہین ہوتا بلکہ دوسرے اصول کو کسی نہ کسی طرح توڑمروڑکر اپنے

مسلمہ اصول کے ساتھ مدغم کر لیتا ہے۔ پس جب تک اصول عالم شعور سے
اُتر کر انسان کے غیر شاعرانہ مرکز عمل میں نہ آ جاویں قومی زندگی پر اُن کا حقیقی
اثر نہیں پڑتا ہے۔ جب اُن اصول کا دور نشر و اشاعت اس حد تک پہنچ
جاتا ہے کہ صرف سریان خیال یعنے نقل زبان و نقل فعل کے ذریعہ سے
وہ پھیلنے لگتے ہیں تو اُن کی کامیابی کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ رائے عام جب
اصول کو جس قدر سرعت کے ساتھ قبول کر لیتی ہے اُسی قدر اُن میں موثر
و محکم طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ یہی طاقت اُس کو رفتہ رفتہ دماغ کی طرف
لیجاتی اور اُسمیں اُن کو مرتکز کر دیتی اور اُس میں اُن کا قابل اطمینان ملکہ
پیدا کر دیتی ہے اور وہ خاک کے ذرّوں کے طرح تمام خیالات بلکہ اُس قوم
کے تمام اعمال میں سرایت کر جاتی اور موروثی عادات کا ایک جزو بنجاتی اور
دلوں اُن کو محفوظ رکھتی ہیں۔ اور جب وہ اُن سادہ لوح لوگوں کے قلوب
میں مرتکز ہو جاتے ہیں جو بغیر بحث و مباحثہ کے اُن کو قبول کر لیتے ہیں تو پہاڑ
کیطرح اٹل ہو جاتے اور سیلاب کے طرح بہتے ہیں۔ چنانچہ ہر قوم میں اس
قسم کی نظائر ملتی ہیں جنہوں نے اپنے اصول راسخہ کے لئے اپنی جانیں بیدریغ
قربان کر دی ہیں۔ یہی وہ عالم ہے جس پر وہ عظیم الشان واقعات ظہور پذیر
ہوتے ہیں جو تاریخ میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی عقیدہ کی قوت نفوذ کو
صرف وہی عقیدہ ضعیف کرسکتا ہے جو قوت و نفوذ میں اُس کے برابر ہو اس بنا پر
ایمان کو صرف ایمان ہی باطل کرتا ہے اور جو مادی قوت عقیدہ کی راہ میں حائل
ہو جاتے ہیں وہ قومی عقیدہ کی تضعیف کر نہیں سکتے ہمیشہ

تقابل مین توی عقیدہ ہی کو فتح حاصل ہوگی لیکن اگر کوئی عقیدہ ایسے عقیدہ کے ساتھ ٹکراے جس کی قوت اُس کے برابر ہے تو جنگ مساویانہ حالت کے ساتھ قایم رہنے کی اور فتح وظفر کا فیصلہ اُن خارجی حالات پر معلق رہیگا جو اُن مین سے کسی فریق کے محیط ہین - ان حالات مین قوت اخلاق اطاعت کیشی اور حسن نظام کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے - پس یہ حقیقت واضح ہے کہ اگر اخلاقی حیثیت سے دو مساویانہ قوت مین تصادم ہو تو اُس کو فتح حاصل ہوگی جس کا نظام مستحکم اصول پر قایم ہے - اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح اعتقاد والون ہی کو ہوتی ہے اس مین مذہب وسیاست کی تفریق نہین بلکہ قوت اعتقاد کا نتیجہ دونون جگہ یکسان طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے وجس کا نظام استحکام سے قیام رکھتا ہے اُن کو ترجیح ہوتی ہے - کام کا دھن اگر دیوانگی تک پہنچ جاوے تو بھی مفید ہے - سخت جوش اگر دیوانگی کے حد قریب پہنچ جاوے تو بھی وہ ایک مفید بلکہ ضروری محرک ہے - انسان کے کامون مین بھی تقسیم محنت سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے اور محنت کی تقسیم تبھی جب ہی ہوسکتی ہے کہ محبان انسان کی ہر ایک جماعت اپنے فرض کی کم وبیش تابع ہو جاوے لیئے اُس جماعت کو اپنے کام کا بہت ہی زیادہ اعتقاد و جوش ہو شاید خدا تعالے کے رحمانانہ نظام کاینات کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ اُن لوگون کے اعتقاد مین تزلزل واقع نہ ہو - اگر افراد مین جذبہ بھی مستحکم اور ضبط نفس کی بھی قوت ہو اور قومی فضایل بھی اور وہ فرایض وحقوق بھی ادا کرتے ہوے ہون لیکن قومی توحد و یکرنگی نہ ہو تو اُن سے اصلی قوم اُن افراد کی نہین بن سکتی

بلکہ ان کے لئے لازم ہے کہ عقاید و فواید و احساس ایک طرح کے ہون تاکہ
جذبات و خیالات و عقاید اور منافع عامہ کا اتحاد مزاج عقلی قومی کے اتحاد کو
مستقل و پایدار بنا دے - دنیا مین جب کوئی قوم اتحاد و امتزاج کے اس درجہ
پر پہنچ جاتی ہے تو خود بخود غیر محسوس طور پر تمام اثرات اپنے فواید مین متحد ہو جاتے
ہین اور منازعات کے اسباب کا قلع و قمع ہو جاتا ہے - پس وہ قوم بھی جو شاندار
تمدن و قدیم تاریخ کا سرمایہ رکھتی ہو جب تک اس کی حالت مین توحد و یکرنگی
نظر نہ آوے اس کو مصنوعی یا تاریخی قوم کا لقب دینا موزون ہوگا نہ کہ اصلی
و خالص قوم کا - موجودہ متمدن قومین بالکل تاریخی و مصنوعی قومین ہین -

انسان و ایکٹر کے فرایض مین مماثلت و اتقا کا اکرم ہونا و باہمی عفلت انسان بانسان کا اعتقاد اہانت انسان و ہدایت قران

ہے - اے انسان تیری حیثیت اس دنیا مین ایکٹر کی سی ہے تیرا کام یہ ہے
کہ جو پارٹ تجھ کو دیا گیا ہے اس کو ادا کر اور رضاے مولے کو ازمنہ اولی
جان اور کامل درجات حاصل کر اور سر تسلیم خم کر کے اسلام کو مان - ایکٹر کو
اس سے بحث نہ ہونی چاہیے کہ اس کو حاکم کا پارٹ دیا گیا ہے یا محکوم کا
غنی کا یا مفلس کا اس پر بحث کرنا ہی ناشکری ہے - فرض یہی ہے کہ پارٹ
خوبی و خوش اسلوبی سے ادا ہو - ایسے لوگ بھی ہوتے ہین کہ زبان سے
جس پر اصرار کرتے ہین اس پر قرار نہین رکھتے زبان کچھ اور عمل کچھ
ہوتا ہے لیکن اے ایکٹر تیرا فرض ہے کہ جو تو کہے اس پر عمل کرے
اور جو وعدہ و معاہدہ تو کرے اس کو پورا کرے اور تا بہ امکان و استطاعت

اُس پر ثابت قدم رہے فطرتاً تمام انسان مساوی الرتبہ ہیں فارق اُن میں مدارج
اخلاق و فضل طبیعی ہیں۔ سورہ حجرات میں ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ۝ اکرم تمہارا اللہ کے نزدیک تمہارا سب سے بڑا متقی ہے

پس یہ کہنا کہ انسان کو انسان سے غفلت کرنا چاہیے نوع انسان کی عالمگیر اخوت
و قرآن مجید کی ہدایت کی اہانت ہے۔

مذہب و خدا کا اعتراف و مذہب و سائنس و فلسفہ کے حدود

زمانہ سابق میں بڑا فلاسفر انگلستان میں سر آئزک نیوٹن ہوا ہے اُس کی نسبت
یورپ کے نامور علماء کا قول ہے کہ یونانی فلسفہ کے موجد سے اس وقت تک
علم نے جس قدر ترقی کی تھی اُس کا ذخیرہ اُس کے دماغ میں موجود تھا اُس نے
اجسام کی باہمی کشش کا مسئلہ دریافت کرنے سے علمی دنیا میں ایک عظیم الشان
انقلاب پیدا کیا۔ باوجود اس علم و فضل کے وہ خدا کے وجود کا دل سے اقرار
کرتا تھا اور مذہبی فرائض سرگرمی سے ادا کرتا تھا اس کا قول آخر عمر تک تھا کہ خدا
کی قدرت کے لا انتہا اسرار کے سامنے میری حالت ایسی ہے جیسے ایک بچہ سمندر
کے کنارے سنگریزوں سے کھیل رہا ہو اور اُس کو سمندر کے تہ کی خبر نہ ہو۔ ڈارون
جس کے نظریہ ارتقا کی نسبت یہ رائے ہے کہ یہ نظریہ علوم طبیعیہ میں ایسا
ہی انقلاب پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ نیوٹن کے ضابطہ تجاذب اجسام نے
علوم ریاضیہ میں پیدا کیا تھا۔ اُس نے خدا کا انکار کبھی نہیں کیا بلکہ وہ اپنے
اُس کتاب میں جو اُس نے نباتات اور حیوانات کے تعلقات پر لکھی ہے تحریر
کیا ہے کہ بعض عالی دماغ مصنف اس بات کا یقین کرتے ہیں ہر ایک نباتی اور

حیوانی نسل بجائے خود مستقل طور پر پیدا ہوئی ہے مگر مین یقین کرتا ہون کہ خدا نے جن قوانین کو مادی چیزون پر حکمرانی عطا کی ہے وہ اس امر کے نسبت گمان غالب پیدا کرتے ہین کہ یہ تمام نسلین کرہ زمین مین بتدریج پیدا ہوئی ہین اور انمین سے ایک نسل دوسری نسل کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اسی کتاب مین ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ ہم جس طریقہ سے زندگی اور اُس کی مختلف طاقتون پر غور کرتے ہین جس کو خدا نے ہمیشہ سے زندہ مخلوقات مین متحرک کر رکھا ہے کیا اُس طریقے مین کوئی اصلی عظمت نہین ہے کیا اُس طریقہ تحقیقات سے کچھ فایدہ نہین ہے ہم یقین کرتے ہین کہ چھوٹی سی چھوٹی اور باریک سے باریک زندہ مخلوق سے لیکر بڑی سے بڑی اور اعلی سے اعلی مخلوق تک سب مین زندگی کی یہ عجیب و غریب طاقتین جلوہ نمائی کرتی ہین۔ اور اُن کو پستی سے برتری کے طرف اور نقص سے کمال کے طرف لیجا رہی ہین۔ پاسٹیور جو فرانس کا نامور محقق ہے اور جس نے کتے کے کاٹنے کا علاج دریافت کیا ہے اور جو علم جر اثیم کا بڑا ماہر خیال کیا جاتا ہے لکھتا ہے کہ اس نیلی اور تارون بھری چھت سے آگے جس کو ہم حیرت سے دیکھتے ہین کیا چیز ہے اگر کہا جاوے کہ ایسے ہی آسمان ہین جو ستارون سے بھرپور ہین تو بھی یہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور ہماری عقل برابر یہی سوال کرتی جاتی ہے کہ آخر اس سے آگے کیا ہے کتنا ہی زمانہ گذر جاوے اور کتنا ہی فاصلہ خیال مین لایا جاوے یہ ممکن نہین کہ ہماری عقل کسی نقطے پر ٹھہر جاوے اور یہ سوال کرنا چھوڑ دے۔ غور کرو کہ بار بار ایک ہی سوال کرنے اور ایک ہی جواب دینے سے کیا فایدہ ہے۔ ہمارا دل ایسے جواب کا طالب ہے جس کے بعد

پھر کسی جواب کی ضرورت نہ رہے اور وہ جواب یہ ہے کہ اس عظیم الشان کاینات سے پرے ایک غیر محدود اور لازوال ہستی موجود ہے جو اس تمام کاینات پہ حکمران ہے کون ہے جو اس اقرار سے گریز کرسکتا ہے مگر غور کرو کہ یہ ان معجزات کے اقرار سے بدرجہا زیادہ حیرت انگیز ہے جن کو دنیا کے مذہبوں کے ماننے والے ہم سے بیان کرتے ہین - اس اقرار پر پہنچکر لازم ہے کہ ہم نہایت عجز و ادب سے اُس حیرت انگیز اور عظیم الشان ہستی کے سامنے جُھک جاوین اور فرش خاک پر بے اختیار گر پڑین جس کی عظمت اور قدرت دنیا کی ہر چیز سے ظاہر ہے اور جس کی حمد و ستایش زبان حال سے مادہ کا ہر ذرہ کر رہا ہے وہ لا انتہا و لازوال ہستی کسی نام سے پکاری جاوے کچھ پروا نہین ہے کیونکہ مسلمانو مین وہی اللہ یہودیون مین وہی یہوہ ہندؤن مین وہی پرماتما اور عیسائیون مین وہی مسیح ہے - ایک دفعہ پاسٹیور سے ایک طالب علم نے سوال کیا تہا کہ اس علمی تحقیقات پر جو آپ نے کی ہے یہ تعجب خیز ہے کہ اپنے مذہب کے آپ دل سے قایل ہین آخر علم اور مذہب مین مطابقت آپ کیونکر کرتے ہین - پاسٹیور نے کہا کہ علمی تحقیقات مین مشغول رہنے اور قدرت کے اسرار کے مطالعہ کرنے سے میرے مذہبی عقاید مین کوئی خلل نہین آیا بلکہ میرا عقیدہ مذہب پر ایسا ہی پختہ ہوگیا ہے جیسا کہ انگلستان کے ایک کسان کا عقیدہ ہوتا ہے اور اگر مین آپ سے زیادہ سرگرمی کے ساتھہ علم کا جویا اور اسرار قدرت کا مطالعہ کرنیوالا ہوں تو مجھہ کو یقین ہے کہ میرا یقین خدا پر اور مذہب کی صداقت و روحانیت پر ایک کسان کے یقین سے بھی زیادہ مضبوط ہے - مذہب فلسفہ سائنس ان

تینوں کی سرحدیں وہاں ملتی ہیں جہاں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طاقت جس کا مظہر یہ عالم ہے ہمارے ادراک سے ماوق ہے اسی سے کائنات کی ابتدا ہوئی اور مذہب میں اسی کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ اسپنسر نے کہا ہے کہ کائنات کی ابتدا کسی خارجی قوت کے پیدا کرنے سے ہوئی مظہر اُس کا موجود ہے لیکن جس طاقت کا وہ مظہر ہے اُس طاقت کا ادراک نہیں ہو سکتا وہ غیب میں ہے" پس ایمان بالغیب سے زیادہ موزوں لفظ اُس پر ایمان لانیکی بابت اور کیا ہو سکتا ہے جو بذریعہ خبر انبیاء و رسل و کتب سماوی اور یقین کے درجہ پر پہنچتا ہے۔ پروفیسر اے لنکسر کہتا ہے کہ سائینس نظام فطرت کے علم کا نام ہے جو مشاہدہ تجربہ اور عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ جمہور علماء کی رائے میں سائینس اُن قوانین عام کا نام ہے جو فطرت کے قوتوں پر نافذ ہیں۔ عقل و ذہانت کی کاروائی کیسی ہی اعلیٰ ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہے اور اُس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے نہ بیرونی وسایل کو صرف اتنا جانتی ہے کہ کونسی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے یا کس چیز کے بعد کونسی چیز آتی ہے۔ پس صداقت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک دریافت کر لیں اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک نہ دریافت کریں غرض تفکر جو نام تعلق دریافت کرنے کا نام ہے اس لئے کوئی قوت متفکرہ تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی۔ اور چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر میں بشمول قوت عقلیہ تا درجہ غایت اندرونی و بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل و مطابقت و درستی کا نام ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے (انتخاب قول اسپنسر)

ہربرٹ اسپنسر کے نسبت زمانہ حال کے مغربی علماء کہتے ہین کہ وہ دنیا مین سب سے بڑا فلاسفر اور سب سے بڑا سائنس دان تھا اور اُس وقت سے جبکہ علم کے سورج کا طلوع ہوا اُس وقت تک کوئی عالم اور کوئی محقق اُس کے ہمسری کا دعوے نہین کرسکتا تھا اُس کا فلسفہ آخری فلسفہ اور اُس کا علم دنیا کی گذشتہ اور موجودہ قومون کی معلومات کا مجموعہ ہے اُس کا قول تھا کہ سائنس کی تعلیم سے خدا کی عظمت وجلال کا انکار پیدا نہین ہوتا بلکہ جو شخص نیچرل سائنس کی تحقیقات مین رات دن سرگرم رہتا ہے وہ زبان ہی سے نہین بلکہ اپنے عمل سے بھی اُس کی لازوال اور عظیم الشان ہستی کا اعتراف کرتا ہے - دوسری جگہہ وہ کہتا ہے کہ ہم اسباب وعلل کے تلاش مین جب تک مسئلہ علت اولی کے قایل نہون ہم کسی پر قایم نہین ہوسکتے اور فی الحقیقت علت اولی کے ماننے کے سوا کوئی اور چارہ نہین اور ہم کو مجبوراً اُسے لامحدود وابدی ماننا پڑتا ہے عقل انسانی علم حقیقی کے حصول سے عاجز ہے جس طرح مذہب کنہہ ذات اور عالم غیب کی حقیقت سمجھا نہین سکتا اسی طرح فلسفہ سائنس مادہ و حرکت کی ماہیت زمان ومکان کی کیفیت نہین بتا سکتا - مذہب فلسفہ وسائنس ان سبھون کی اگر راہ ملی ہے تو اُس مقام پر کہ وہ طاقت جس کا مظہر یہ عالم ہے کلیتاً ہمارے ادراک سے باہر ہے - (اصول اولیہ صفحہ ۴۶ اسپنسر) مین کہتا ہون کہ مذہب کا یہ دعوے ہے کہ وہ اُس طاقت کا بھیجا ہوا ہے - پس اگرچہ مذہب اُس طاقت کو ناقابل ادراک بتاتا ہے لیکن رسل جو ذریعہ مذہب ہین اُس کے وجود کی شہادت دیتے اور غیب کی حقیقت کو جہان تک انسان سمجھ سکتا ہے سمجھاتے ہین

لہذا لاادریت و دہریت کا حجاب اس طرح دور ہوتا اور عرفان مذہب کے ذریعہ سے ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کاینات کا خود بخود موجود ہونا خلاف قیاس اسلیے بھی ہے کہ کاینات کا آغاز کیونکر ہوا اُسی طرح لاادریت کا دعوے صحیح نہین کیونکہ اُس کے دعوے کرنے والے سمجھنا نہین چاہتے نہ یہ کہ نہ سمجھ سکتے اور نہ رائے قایم کرسکتے اور دنیا کو مفید نہ بناسکتے ہون درآنحالیکہ مذہب کا یہ دعوے ہے کہ وہ اُس طاقت کا بھیجا ہوا ہے جس کا مظہر یہ عالم ہے اور اُس کے بھیجنے کا مقصد عرفان و عمل صالح و سودمندی و ترقی و اصلاح و راحت کلی و دنیا کا مفید بنانا ہے۔ پس لاادریت کا دعوے اگر یہان تک محدود رہے کہ جسکے ذات کا ادراک نہین کرسکتے اُسکے وجود کا یقین نہین کرتے تو ہوسکتا ہے لیکن پھر یہ کہنا کہ جس کا ادراک نہین اُس کا وجود بھی نہین یہ دعوے غلط و بلادلیل ہے زیادہ سے زیادہ وہ مظاہر قدرت کو نظر کر ایسا کہہ سکتے ہین جو صحیح نہین اور اگر یہ اضافہ نہین کیا جاتا تو منافی اس کے نہین کہ اخبار متواترہ سے توحید ثابت ہے۔ لہذا لاادریہ کا کوئی فرقہ اور کوئی مذہب جدا نہ ہوا۔ مذہب ہمارے بڑے جذبات کو روک سکتا ہے اور اچھے اعمال کی ترغیب امید جزا سے دے سکتا ہے اور قوی جذبات کے مقابلہ مین مذہب ہی قوی جاذبہ بلکہ بہترین طور پر اس کا مقابلہ کرسکتا ہے حالانکہ لامذہب دہریہ کے ایسے صالح و مصلح و امید افزا اور ایسے مضبوط اور قوی جذبات نہین ہوسکتے۔ لاادریہ کہتے ہین کہ ہم کچھ نہین جانتے نہ جان سکتے ہین اُن کو عملی طور پر عمل کرنا اور عملی میدان مین آنا اور اصول کو فہم انسانی کے معیار پر آزمانا چاہیئے۔ اس ثابت ہونے سے کہ مادہ اور قوت اپنے آپ کو فنا نہین کرسکتے اُن دونو کی قدامت ثابت

نہین ہوتی جیسے کسی پتھر کے بذاتہ متحرک نہ ہونے سے یہ کہنا کہ اُس کا ہلانا ممکن ہی نہین ہے ویسا ہی مادہ و قوت کو اپنے آپ نہ فنا کر سکنے کی وجہ سے قدیم کہنا صحیح نہین ہے۔ مادہ و قوت مین نہ ارادہ ہے نہ سمجھ اور نہ حکمت پس خود اُن کا وجود مستلزم وجود خالق ہے۔ دنیا مین علت و معلول کا سلسلہ قایم ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ قدرتی طور پر باہم مشابہ و مطابق ہوتا ہے۔ صداقت ہر جگہ یکسان ہے یعنے قوانین فطرت عالمگیر ہین اور تمام موجودات پر یکسان عمل کرتے ہین۔ امام فخرالدین رازی کہتے ہین الا ان نقول قدرتہ علی خلقہا ابتداء لاینافی قدرتہ علیہا بواسطۃ خلق ھذا القوی المؤثرۃ والفاعلۃ فی الاجسام۔ مین کہتا ہون کہ خدا کا ان تمام چیزون کے پیدا کرنے پر ابتداءً قادر ہونا اس کے منافی نہین کہ ان قواے فاعلہ و منفعلہ کے ذریعہ سے ان پر قادر ہو۔

سائینس سے مشاہدہ و تجربہ کی عادت۔ سائینس کی تعلیم سے گرد و پیش کی اشیاء۔ واقعات اور نتایج کے بابت صحیح راے قایم کرنی ممکن ہے صورت مین ممکن ہے جب کہ ہم کو یہ معلوم ہو کہ گرد و پیش کے قدرتی مظاہر ایک دوسرے پر منحصر ہین۔ الفاظ کے معنون سے خواہ کتنی ہی واقفیت کیون نہ ہو یہ واقفیت علل و معلولات کے بابت صحیح نتایج نکالنے کی ذمہ داری نہین کرتی۔ سائینس کے بیشمار فوائد مین سے ایک فایدہ یہ بھی ہے کہ اُس سے مشاہدہ و تجربہ کی عادت ضرورتاً پیدا ہوتی ہے۔

سائینس کی تعلیم سے مذہبی تعلیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ کچھ شک نہین کہ یہ بیان حیرت و استعجاب کا موجب ہوگا کہ ہماری معمولی تعلیم پر سائینس کی

تعلیم اس وجہ سے بھی فایق ہے کہ اس سے مذہبی تعلیم حاصل ہوتی ہے
درحقیقت الفاظ سائینس اور مذہب کو یہان اُن کے معمولی محدود معنون
مین نہین بلکہ اُن کے نہایت ہی اعلیٰ اور وسیع معنون مین ہم نے استعمال
کیا ہے۔ بیشک سائینس اُن توہمات کا دشمن ہے جو مذہب کے نام سے
مشہور ہین نہ کہ اصلی و حقیقی مذہب کا جس کو یہ توہمات محض پوشیدہ
کردیتے ہین۔ اس مین بھی شک نہین کہ بہت سا سائینس جو رایج ہے اُسمین
لامذہبی کی روح غالب ہے مگر نہ اُس سچے سائینس مین جو سطح سے گذر کر
تہ تک پہنچ گیا ہے۔ سچا سائینس اور سچا مذہب توام بھائی ہین۔ اُنکی باہمی
جدائی یقیناً دونون کی موت ہے۔ سائینس مین جسقدر مذہبی روح ہوگی ٹھیک
اُسی مناسبت سے وہ ترقی کرے گا۔ اور جہان تک سائینس کی گہرائی اور
مضبوطی پر مذہب کی بنیاد قایم ہوگی ٹھیک اُسی مناسبت سے مذہب سرسبز
ہوگا۔ حکمار نے جو بڑے بڑے کام کیے ہین محض اُن کی عقل و ذکاوت کا
ثمرہ نہین ہین بلکہ زیادہ تر اس بات کا ثمرہ ہین کہ مذہبی جوش نے جو اُنکی
طبیعت مین نمایان طور پر پایا جاتا تھا اُنھے اُن کی عقل کو سیدھے راستہ پر
ڈال دیا تھا علمی حقایق زیادہ تر اُن کے صبر اُن کی محنت اُن کی راستبازی
اور اُن کی نفس کشی کی بدولت منکشف ہوئے ہین نہ کہ ان کی منطقی
ذکاوت کے بدولت یا اور کسی مخالف ذریعہ سے۔

سائینس بے دینی کی تعلیم نہین دیتا بلکہ سائینس سے غفلت
کرنی بے دینی ہے۔ بہت لوگون کا یہ خیال کہ سائینس لامذہبی اور بیدینی کا

تعلیم دیتا ہے محض غلط ہے۔ و سائینس کا لاالذہبی کی تعلیم دینا تو ایک طرف رہا خود سائینس سے غفلت کرنی سے دینی ہے۔ مخلوقات الٰہی جو ہمارے گرد و پیش موجود ہین اُن کا مطالعہ نہ کرنا بے دینی ہے۔ ایک ادنیٰ مثال سے اس بات کو سمجھ لو۔ فرض کرو کہ بعض لوگ روزمرہ کسی مصنف کی تعریفون کے پُل باندھا کرین فرض کرو کہ مصنف کی جسقدر تعریفین کیجاتین اُن کا مضمون ہمیشہ یہی ہو کہ اُسکی تصانیف کی دانائی عظمت و جلالت اور خوبی و لطافت کا اعتراف کیا جاوے فرض کرو کہ جو لوگ اس طرح اُس کی کتابون کی صفت و ثنا متواتر بیان کرتے رہتے ہین وہ اُن کتابون کی صرف بیرونی صورت دیکھنے پر قناعت کرین اور اُن کا مضمون سمجھنے کی کوشش تو الگ رہی کبھی اُن کو کھول کر بھی نہ دیکھین بہلا ایسے آدمیون کی تعریفون کی (جو "تحسین ناشناس" کا مصداق ہین) ہم کو کیا قدر کرنی چاہیئے؟ اُن کی صداقت و راستبازی کے نسبت ہم کو کیا خیال کرنا چاہیئے۔ تاہم اگر چھوٹی چیزون کا بڑی چیزون کے ساتھہ مقابلہ کیا جاوے تو ہم کو معلوم ہو جاوے گا کہ موجودات عالم اور اُس کی علت (خدا تعالےٰ) کے نسبت بھی بنی نوع انسان کا طرز عمل عموماً اسی قسم کا ہے نہین بلکہ اس سے بھی بدتر۔ فقط اتنی ہی بات نہین کہ وہ بغیر مطالعہ کے اُن چیزون کے پاس سے کترا کر نکل جاتے ہین جن کو روزمرہ نہایت عجیب غریب بتاتے ہین بلکہ جو لوگ قدرت کے مشاہدے مین اپنا وقت صرف کرتے ہین اکثر اوقات اُن پر یہ الزام لگاتے ہین کہ وہ فعل عبث ہین اور اوقات ضایع کرتے ہین۔ جو لوگ ان عجائبات مین عملی ذوق و شوق ظاہر

کرتے ہین سچ مچ اُن کو حقیر سمجھتے ہین۔ بس ہم مکرر بیان کرتے ہین کہ سائینس نہین بلکہ سائنس سے غفلت کرنی بے دینی ہے۔ سائینس کی محبت خاموش عبادت ہے یعنے جن چیزون کا مطالعہ کیا جاتا ہے اُن کی عظمت کو اور اُنکے ساتھ اُن کی علت (خداتعالےٰ) کی عظمت کو چُپ چاپ تسلیم کرنا ہے۔ یہ صرف زبانی بندگی نہین ہے بلکہ ایسی بندگی ہے جو افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایسی طاعت نہین ہے جس مین صرف اقرار باللسان ہو بلکہ ایسی طاعت ہے جس مین تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان بھی شامل ہین۔ اور اس کا ثبوت وقت و غور و فکر اور محنت کو قربان کرنے سے ملتا ہے۔

سچے سائینس کا ایک بڑا فایدہ یہ ہے کہ اُس سے قوانین قدرت پر وثوق اور اُن کی فرمانبرداری کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ سچا سائینس صرف اسی وجہ سے خالص مذہبی حیثیت نہین رکھتا بلکہ اس وجہ سے بھی مذہبی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلالت ہمارے دلون مین پیدا کرتا ہے۔ اور قدرت کی تمام چیزین جو اپنے افعال مین یکسان اور یکرنگی ظاہر کرتی ہین اُسے اسبات کا پختہ اعتقاد دل مین بیٹھ جاتا ہے۔ اور سائینس کے عالم کو مظاہر قدرت کے غیر متغیر تعلقات کا علت و معلول کے لازوال و غیر منفک علاقہ کا اور نیک و بد نتایج کے لزوم کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ آخرت کے اعتقاد جزا و سزا کے بجاے جس کو حاصل کرنے یا جس سے بچنے کی۔ باوجود نافرمانی اور سرکشی کے لوگ بعض اوقات توقع رکھتے ہین۔ وہ یہ بات دیکھتا ہے کہ ایک ذرہ امین کے موافق جزا و سزا ملتی ہے اور نافرمانی کے بد نتایج اٹل ہین۔

وہ دیکھتا ہے کہ جن قوانین کی ہم کو فرمانبرداری کرنی چاہیئے وہ نامہربان بھی ہین اور مہربان بھی۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُن قوانین کی پابندی سے برتنے کی رفتار ہمیشہ زیادہ تر کمال اور اعلیٰ تر خوشی کے طرف رجوع کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اُن قوانین پر زور دیتا ہے اور جب اُن کیطرف سے بے پروائی کی جاتی ہے تو اُس کو غصہ آتا ہے۔ اور اس طرح چیزون کی ازلی و ابدی اصول اور اُن کی تعمیل کی ضرورت کا اقرار کر کے حقیقت مین اپنے تئین مذہبی آدمی ثابت کیا کرتا ہے۔

سائینس اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کُنہ حقیقت کا سمجھنا نہ صرف عقل انسانی بلکہ خیال و قیاس سے بھی بالاتر ہے۔

آخر مین ہم سائینس کی ایک اور مذہبی حیثیت دکھاتے ہین۔ وہ یہ کہ زندگی کے رازہائے سربستہ کے ساتھ ہم کو جو تعلق ہے اُس تعلق اور نیز خود اپنے نفس کا صحیح تصور سائینس ہی کے بدولت حاصل ہو سکتا ہے۔ سائینس اُن تمام باتون کو بتاتا ہے جن کا جاننا ممکن ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے اُس حد کو بتاتا ہے جس کے آگے کا حال ہم کو کچھ نہین معلوم ہو سکتا۔ سائینس ہم کو بطور اعتقاد کے یہ بات نہین سکھاتا کہ علت العلل کی ماہیت کا سمجھنا محال ہے بلکہ ہر طرف اُس سرحد پر پہنچا کر جس سے آگے قدم رکھنے کی مجال نہین اس امر کے محال ہونے کو کھلم کھلا ہم سے تسلیم کرا لیتا ہے۔ سائینس اس بات کو براے العین مشاہدہ کرا دیتا ہے اور کسی دوسرے طریقہ سے اُس سے بہتر یہ بات حاصل نہین ہو سکتی کہ یہ سمجھا جاوے کہ اُس ہستی کے آگے جو عقل انسانی

بالاتر ہے عقل انسانی قاصر و عاجز ہے ۔ سماعی روایات اور لوگون کے اسناد سے طرف اُس کی روش شاید متکبرانہ ہو ۔ مگر اُس پردہ اسرار کے آگے جس مین قادر علی الاطلاق چھپا ہوا ہے اور جس مین کوئی شخص باریاب نہین ہو سکتا اُس کی روش عاجزانہ ہے ۔

اگر یک سر موے برتر پرم | فروغ تجلی بسوزد پرم

پس سائنس کا کبر بھی سچا ہے اور انکسار بھی ۔ صرف سائنس کا سچا عالم (اور اُس سے ہماری مراد اُس شخص سے نہین ہے جو صرف فاصلون کا اندازہ کرتا یا مرکبات کی تحلیل کرتا یا چیزون کی نوعین مقرر کرتا ہے ۔ بلکہ ہماری مراد اُس شخص سے ہے جو ادنیٰ اشیار کے ذریعہ سے اعلیٰ اشیار کا اور آخر کار اعلیٰ ترین اشیار کا سراغ لگاتا ہے ۔) ہان صرف سائنس کا بے ریا عالم حقیقت مین یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ قادر مطلق کی قدرت جو سب چیزون پر حاوی ہے نہ صرف انسانی علم بلکہ انسانی خیال و قیاس سے بھی کسی قدر برتر ہے ۔ اور کائنات حیات اور ادراک اُسی قدرت کے کرشمے ہین ۔ سبحانہ ما اعظم شانہٗ ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر | ما ہم چنان در اول وصف تو ماندہ ایم

انبیار و رسل کے اخبار کا دلیل و مفید یقین ہونا و سچے مذہب کا معیار ۔ سچا آدمی اگر کسی چیز کی خبر دیوے کہ اُس نے اُس کو خود دیکھا یا سُنا ہے تو وہ یقین کر لیا جاتا ہے اس بنا پر کہ وہ کبھی غلط نہین بولا اور اُسکی

خبر کو دلیل بنالیا جاتا ہے پھر جب کہ بہت سے سچے لوگ اُسی امر کو اُسی طرح
اور سلسلہ کے ساتھ بیان کریں تو یقین کے لئے زیادہ کافی ہوتا ہے اور
نوعیت شہادت کی زیادہ مستحکم ہو جاتی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے
کہ مخبران صادق کو یعنے رسول اور انبیاء جنہوں نے اپنے اقوال افعال
سے اپنے کو بہترین امین ثابت کیا ہے اُن کے خبر دینے کو صحیح و یقین نہ
سمجھا اور اُن کو دلیل نہ بنایا جاوے و ایمان بالغیب نہ لایا جاوے کیونکہ
وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خدائے تعالی سے یہ سنا اور یہ دیکھا اور اس ہدایت و
آگاہ کرنے اور بشارت دینے کی ہم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دیتا ہے لہذا
جب کہ وہ کسی خاص واقعہ کے نسبت متفقہ بیان کریں اور کئی انبیاء یا رسول
بیان کریں تو اُس پر زیادہ یقین آجانا ضروری ہے خصوصاً جب کہ وہ اُن
امور کے بابت ہوں جو دوسرے آدمیوں کے سمجھنے سے نافہم ہوں یا اُن
اختلافات کے بابت ہوں جن کو انسان یا کوئی خاص جماعت انسانوں کی
رفع کرنے کے متحیر ہوئی ہوں۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک رسول کی دوسرے رسول نے
سلسلہ بسلسلہ خبر دی اور پیشنگوئی کی ہے خصوصاً آنحضرتؐ کے بابت
اور آپ کے ساتھ جو کتاب نازل ہوئی یعنے قرآن مجید کے بابت متعدد انبیاء
اور رسولوں نے خبر دی ہے۔ لہذا آنحضرتؐ و قرآن مجید پر یقین لانے کیلئے
اخبار مذکور بطور ایسے دلیل کے جس سے یقین پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے
کہ انبیاء و رسل کے اخبار کو عقلی معیار پر جانچ کر اور تائید حاصل کیجاوے اور
جس کی ہدایات معیار صحیح پر پوری و کامل اُتریں اُس پر یقین و ایمان لاکر اُس کو

امین وصادق یقین کرلیا جاوے۔ انسان نے صرف اشیار کی صفات محسوسہ اور متصورہ کا اور اُن کے علل کا کچھ کچھ پتہ لگایا ہے حقیقت کسی کی کچھ بھی نہیں جانا۔ پس اگر ایمان یا اعتقاد اسی کا نام ہے کہ کوئی بات خلاف عقل وخلاف تجربہ تسلیم کرلی جاوے تو یہ کہنا زیبا ہے کہ ایمان بے معنی لفظ ہے۔ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جاوے کہ کوئی اپنے خیالات وتجربات کے برخلاف امور پر یقین لاسکتا ہے تو اُس کا نام ایمان رکھنا غلط ہے وہ تو دراصل ضعیف الاعتقادی ہے اور ایمان جس طرح مذہب کی بنیاد ہے اُسیطرح ضعیف الاعتقادی اُس کی بیخ وبُن سے اُکھاڑنے والی ہے۔ ایمان روحانی ترقی کی جان ہے اور ضعیف الاعتقادی اُس کی موت۔ لہذا معیار عقل اور تجربہ پر کسی مذہب کو کسنا اُس کی چمک دمک کو اور زیادہ کرنا اور اُسکو قابل عمل ولایق یقین ثابت کرنا ہے۔ برخلاف اس کے جو مذہب فہم انسانی مین آنے کے ناقابل اور نالایق عمل ہو وہ سچا مذہب نہین ہوسکتا۔ سچا مذہب وہی ہوسکتا ہے کہ وہ اگرچہ اُن امور کو بیان کرے جو دیگر انسانونکی رسائی سے مافوق ہین لیکن اس طرح بیان کرے کہ وہ فہم انسانی وعمل انسانی کے لایق ہون تاکہ ثابت ہو کہ وہ بشیر ونذیر ہے کے ذریعہ سے آیا ہے۔

اسلام کی ہدایات واقعات پر مبنی ہین نہ کہ جذبات پر اس لئے وہ اقتضاے فطرت انسانی اور واقعات کے مطابق ہین ممکن ہے کہ کسی وقت جذبات غالب آکر واقعات سے بے پروا کردین لیکن عمل کرتے وقت اور واقعات کا لحاظ کرنے پر اصلاح ہوجاتی ہے۔ جو جانا جاوے یا حافظہ مین آوے اُس کو

مقدمات قرار دیکر ایک امر سے دوسرا نتیجہ نکالنا اور نتیجہ پر تیسرا مسئلہ قایم کرنا اور علیٰ ہذا القیاس فیصلہ کرنا اور حکم لگانا استدلال ہے۔ پس تحلیل و تنقید و باقاعدہ مقدمات و باقاعدہ عمل کے ذریعہ سے صحیح نتیجہ نکالنا نہ کہ عجایبات ما فوق قدرت وغیرہ سے مشہورات و مسلمات و منقولات و مظنونات صحیح اگر بطور مقدمات ہون گے تو نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ لفظی و معنوی غلطی کے طرح نتیجہ بھی غیر صحیح نکلے گا۔ اشاعت معلومات صحیح کے ساتھ ما فوق العادات کے اعتقادات کے مٹجانے کے اسباب یہ ہین۔ (۱) یہ اثر ہوتا ہے کہ بجاے خیالی و وہمی امور کے ماننے کے حقایق و واقعات پر زیادہ توجہ ہوجاتی ہے اور یہ نسبت غیر تعلیمیافتہ کے تعلیم یافتہ زیادہ ثبوت کا خواہان ہوتا ہے۔ (۲) جاہل ہر شے کو صاحب ارادہ سمجھتا ہے اور علم نفس تجرید کی قوت کو بڑہا کر اس کیفیت کو گہٹاتی ہے۔ (۳) ساینس کی ترقی کاینات کے مستمر النظام ہونے کا یقین دلاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کاینات کا نظم و نسق چند ضوابط و قوانین کے ماتحت انجام پاتا ہے اور جو قانون جس طرح آفتاب و ماہتاب پر جاری ہے وہی اُسی طرح ایک ریت کے ذرہ پر بھی عامل ہے۔

عقل کے ذریعہ سے اسباب و مسببات پر غور اور بسائط و مرکبات کا فرق اور قلب کے وسیلہ سے لذتون اور اون کے حادث ہونے کا ادراک ہوتا ہے لہذا عقل و قلب نفس کی دو آنکھین ہین اور نفس کو ان دونون کی ضرورت ہے علم صحیح وجدان کا مقوم ہے اور وجدان سلیم عقل کا بڑا مددگار جو مقدمات نتایج نکالنے مین تقلیدی ہوتے ہین اُن سے تغیر اصلی نہین

پیدا ہو سکتا۔ تقلیدی ایمان متناقض اعتقادات کا مجموعہ ہوتا ہے - اور
تقلیدی ایمان رکھنے والا متناقض افعال کرتا ہے اور غیر صحیح تاویلین
کرلیتا ہے اور صحیح و غلط مین تمیز نہین کرسکتا - یہان تک کہ بہت سے اولیات
کے یقین سے بھی وہ بے بہرہ ہوتا ہے - اور اُنکے خلاف دعوی و عمل کرتا ہے
نا قابل عمل و لجوش کن عمل و سچے عمل کے نتائج - بیان کرنیوالے
بہت سے اصول و احکام و باتین و مثال بتاتے ہین جو کان کو اور دل کو
بہت بھلے معلوم ہوتے ہین اور سننے اور پڑھنے والے خیال کرتے ہین
کہ یہی اصول و امور سچے ہین اور انہین سے انسان اعلی درجہ کی نیکی پر پہنچ سکتا
حقیقی راحت پا سکتا ہے مگر در حقیقت وہ ہوا کی آواز سے زیادہ وقعت
نہین رکھتے اور چونکہ وہ فطرت انسانی کے بلکہ قانون قدرت کے برخلاف ہوتے
ہین اس لئے کبھی اُن پر عمل نہین ہوتا ایسا قانون بنانے مین جس پر کبھی عملدرآمد
نہ ہو سکے کوئی فایدہ و نتیجہ مرتب نہین ہوتا بلکہ دل مین رفتہ رفتہ اس قانون
کی حقارت بیٹھتی ہے اور عقلمند اُس کو ناچیز سمجھتے ہین - کوئی کتاب انجیل سے
زیادہ نرم حکم دینے والی نہین ہے اور وہ ایسی چمک دکھلانے والی ہے
جس سے آنکھون مین چکا چوند آجاتی ہے گو اُس کے مقولے ایسے نہین
ہین کہ سب سے پہلے اُس مین بیان کئے گئے ہون بلکہ بہت سے ایسے
ہین جو اُن سے پہلے لوگون نے بھی جن کے پیرو اب بت پرست و کافر گنے
جاتے ہین بیان کئے ہین مگر ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن کا لوگون مین کیا اثر
ہوا تھا - انجیل مین لکھا ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو

تو دوسرا گال بھی اُس کے سامنے کردے۔ اُس سے یہ معنے لیتے ہین کہ جو ایک
گال پر طمانچہ مارے اُس کے دوسرے گال پر مارنے سے بھی متعرض نہ ہو بلکہ
سامنے کردے۔ اخلاق کے خیال سے یہ دل کو پیارا معلوم ہوتا ہے مگر
کیا کسی زمانہ کے لوگون نے اس پر عمل کیا ہے۔ اور اگر اس پر عمل کرتے
تو دنیا کا کیا حال ہوتا اسی طرح آباد رہتی اور اسی طرح جان و مال امن
مین رہتے۔ اس کا نہایت دلچسپ جواب دیا جاتا ہے کہ جب سب ایسے
ہوجاوین تو دنیا سے شر اُٹھ جاوے مگر کبھی ایسا ہوا ہے یا کبھی ایسا ہوگا
یہ سب ناشدنی باتین ہین جو خیال مین شدنی قرار دے کر جھوٹی خوشی
اُس سے حاصل کیجاتی ہے۔ انجیل مین لکھا ہے کہ تو اپنے کل کے
کھانے کی فکر مت کر خدا کل روزی پہنچانے کی فکر کرنے والا ہے۔ اگر
اس کا یہ مطلب لیا جاوے کہ کل کے لئے بالکل فکر نہ کرنی چاہیئے۔
دل کو یہ مقولہ پیارا اور پیارے خدا پر اعتماد دلانے والا معلوم ہوتا ہے
مگر کبھی کسی نے اس پر عمل کیا ہے یا آیندہ کبھی اس پر عمل ہوگا؟ اگر ہم
اس ناشدنی امر کو ایک لمحہ کے لئے شدنی تصور کر کے تمام دنیا کے
لوگون کو اس مقولہ پر عمل کرتا ہوا سمجھ لین تو دنیا کا کیا حال ہوگا۔ پس اس
قسم کی باتین انسان کو دھوکا دینے والی ہین اور قانون قدرت کے برخلاف
ہونے سے خود اپنی سچائی کو مشتبہ کرتی ہین۔ عیسائی مذہب جس کی
جڑ ایسی نیکی و نرمی و اخلاق مین لگائی گئی تھی وہ پھولا پھلا اور سرسبز
و شاداب ہوا اس کو چھوڑ دو کہ وہ کس سبب سے بڑا اور مضبوط ہوا مگر

دیکھو کہ اُس نے کیا پھل پیدا کیا ایک بھی نصیحت اُس کے کام نہ آئی اور خود مذہب کے حیلے سے جو خونریزی اور بے رحمی اور ناانصافی اور درندوں سے بھی زیادہ بدتر درندگی دکھلائی گئی وہ شاید دنیا میں بے مثل ہوگی اور جس نیکی میں اُس کی حد لگائی گئی تھی اُس نے کچھ پھل نہ دیا بلکہ وہ ناقابل عملدرآمد ہی ثابت ہوا جو خوبی کیا روحانی اور کیا اخلاقی اور کیا تمدنی اب ہم بعض عیسائی ملکوں میں دیکھتے ہیں کیا یہ پھل اُسی درخت کا ہے حاشا وکلا بلکہ یہ اُس کا پھل ہے کہ اُس درخت کو وہاں سے اُکھاڑ کر دوسری زمین پر لگایا ہے جو قانون قدرت کی زمین ہے۔ جس قدر کہ پہلی زمین کی مٹی اُس کی جڑ میں لگی ہوئی ہے اُسی قدر اُس میں نقصان ہے۔ اس سے بھی زیادہ رحیم مذہب کا حال سنو جس نے خون کا بہانا آدمی کا ہو یا درندوں کا یا ایک پشہ کا۔ خدا کی صنعت کو ضایع کرنا سمجھا ہے۔ درختوں کا کاٹنا گناہ کبیرہ بتایا ہے مگر تاریخ و زمانہ موجود ہے اس اصول نے جو قانون قدرت کے مخالف تھا کیا نتیجہ دیا قتل و خونریزی ویسی ہی رہی اور ویسی ہی ہے وہی جو ایک پشہ کا مارنا گناہ عظیم سمجھتے تھے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے اور کرتے ہیں — کوئی قانون گو وہ ظاہر میں کیسا ہی چمکیلا و خوش آیند ہو جبکہ قانون قدرت کے برخلاف ہے نکما اور بے اثر ہوگا۔ مذہب اسلام میں اگرچہ بہت جگہ عفو و صبر و تحمل کی خوبیاں بیان کی گئیں اور اُنپر رغبت دلائی گئی ہے مگر اُسی کے ساتھ بدلا لینے کی بھی بغیر زیادتی کے اجازت ہے اور اسی طرح سب احکام اُس کے ہیں کیا یہ قانون دنیا کے

پیدا کرنے والے کے قانون قدرت کے مناسب نہین ہے اور کیا اس قانون سے زیادہ عمدہ سچا و سودمند و راحت رسان اور مفید اور کوئی قانون ہو سکتا ہے - اسلام مین جو خوبی ہے وہ یہ ہے کہ تمام احکام قانون قدرت کے مطابق اور عملدرآمد کے لایق ہین رحم کی جگہہ رحم ہے معافی کی جگہہ معافی - بدلے کی جگہہ بدلا - لڑائی کی جگہہ لڑائی - ملاپ کی جگہہ ملاپ - صبر کی جگہہ صبر غصہ کی جگہہ غصہ - تحمل کی جگہہ تحمل - ادب کی جگہہ ادب - انکار کی جگہہ بغیر رعایت و مروت و شرم و ادب کے انکار اور یہ بھی اسکے کافی دلیل سچا ہونے اور قانون قدرت کے بنانے والے کے طرف سے ہونے کی ہے - غرض ہماری اس بیان سے یہ ہے کہ کوئی اخلاقی قانون اگرچہ کتنا ہی چمکیلا و پیارا معلوم ہوتا ہو اور نظر مین خیرگی و چکاچوند پیدا کرتا ہو و دل خوش کن مضامین کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہو مگر جبتک قابل عملدر
و راحت رسان و سودمند نہ ہوگا بالکل بے بنیاد اور اپنی صداقت کا خود غلط ثابت کرنے والا ہوگا - میرے نزدیک کسی کمال کی گو وہ کیسا ہی عجیب و دل پسند ہو قدر نہین تاوقتیکہ اُس سے انسان کو عملی فایدہ نہ پہنچتا ہو انسان کو بجاے فرشتہ بنانے اور اُس کو حاجات سے مستغنی کرنے کے آسودہ کرنا و راحتمند بنانا چاہیے جبتک وہ جامہ انسانیت مین ہے اُس کی حاجت کا رفع کرنا ہی فضیلت ہے سودمندی سے مانع ہونا یا حالت موجودہ پر قانع رہنا و ترقی نہ کرنا صحیح نہین ہے - افادہ و سودمندی انسان کے کامل ہونے کی کنجی ہے - ارتقاے اشیاے عالم و بقاے عالم

عین مقتضاے آئین فطرت و قوانین قدرت ہین۔ لہذا تفاءل و تصاحب و تجاشر کو ہموار و آسان بنانا فرض عین ہر شخص و ہر قوم کا ہے

صحیفہ فطرت بجاے دیگر امور کے عرفان الہی کا زیادہ سبب ہے اور قرآن مجید نے اُس کے اور تفصیل کے نسبت کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔

یہ اظہر ہے کہ صحیفہ فطرت کی آواز ہر جگہ ہر انسان اور ہر چیز پر یکسان و عالمگیر و ناگزیر ہے اُس سے عصیان کرنا اور اُس کو طاق نسیان پر رکھنا خسران ہے۔ نہ اُس کے کہو جانیکا اور نہ اُس مین جعل بننے کا اندیشہ ہے اور نہ اُس کو نقل کر کے کوئی اپنا اصل بناکر دکھا سکتا ہے نہ اُس مین تحریف کا امکان اور نہ اُس مین ردو بدل کا احتمال ہے وہ اپنے اظہار و اشاعت کے لئے انسانی امداد کی محتاج نہین اور نہ اپنی اثرات کے پہچانے و منوانے و خلاف ورزی کی سزا دلوانے کے لئے یار و مددگار کی طلبگار اُس کے آئین و قوانین مقررہ و پایدار ہین۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے یہ اخیر و مبہوت کرنے والا استدلال کیا تھا ان اللّٰہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب کہ اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو تو مغرب سے اُس کو لا۔ لہذا صحیفہ فطرت ہی راستکار اور ہر ہوشیار کے لئے صداقت پر پہنچنے کا معیار ہے۔ ہر شخص کو اُسی کے عیار پر اپنے رشتہ کار کو عمل کے بازار مین بر سر کار لانا ضرور ہے اُس کو پیشکار نہ بنانا دہوکا دغرور ہے۔ مذہب اسلام بھی اپنے اصول کے صداقت کے واسطے نجوم ہیئت طبقات الارض و تشریح الابدان وغیرہ سے

بے نیاز ہے اور کلام مجید ان مضامین کے منتشر کشکول نہین - بلا شبہہ
اُس مین اُن کا ذکر ہے مگر علمی مسایل کی حیثیت سے نہین بلکہ اسلئے ہے
کہ مخاطب صحیفہ فطرت کو دیکھین کہ خالق کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کی
کیسی نمایان نشانیان اور کیسی روشن مثالین ہین - خالق کو سر تسلیم و
عجز و نیاز خم کرانے کے لیے اس کی مطلق ضرورت نہ تھی کہ ان امور
کی مشتبہ و مختلف فیہ فلسفیانہ و عقلی مسایل کی چھان بین کرتا اور اُنکے
اصلی و حقیقی ماہیت پر قران شریف مین کچھ ہوتے ایسا ہونے سے
اصل مطلب ہی فوت ہو جاتا - کیا آفتاب و ماہتاب کی زندگی بخش شعاعین
اور رات و دن کی پیاپے گردشین اپنے صانع کے جاہ و جلال کے ثبوت
و اظہار کے لیے اصول فیثا غورث و نظام بطلیموس و علوم قدیمہ و
جدیدہ کی صحت و صداقت کے محتاج ہین - واقعہ یہ ہے کہ سادگی و صفائی
دلی اور نیکی سے اُن حیرت انگیز آثار قدرت پر غور کرنا عرفان الٰہی تک پہنچنے
مین بہ نسبت دوسرے طریقہ کے زیادہ اقرب ہین اور دوسرے فلسفی طریقے
بہت مشکوک اور حجاب اکبر اور بحث کا سبب ہو جاتے ہین اور نظر مادے
و قوت کے بھول بھلیون مین گرفتار رہ جاتی ہے - پس اس کا لحاظ رہے
کہ اُس کے الفاظ ہر ایک حرف و ہر ایک بیان سے ایسا نہ ہو کہ اصل مبحث سے
دور پڑ جائین - حقیقت مین فصاحت و بلاغت کا مقتضا بلکہ احسن گفتگو کا
طریقہ یہی ہے کہ اُسی پیرایہ مین بیان کیا جاوے جو معروف ہون اور جس سے
مخاطب مانوس ہون اور جو فہم و سمجھ انسانی کے موافق ہون تاکہ سُننے والے

اُس سے آگاہ و متنبہ ہوں اور سبق و عبرت حاصل کریں ورنہ جس بات کو نہ جانتے ہوں اور نہ اُس کا تصور کر سکتے ہوں وہ نہ ذہن میں آوے گی اور نہ اثر کرے گی اور نہ اُس سے فایدہ مطلوبہ حاصل ہوگا۔ مثلاً بجائے سواری و گھوڑے وغیرہ کے نعمت الٰہی قرار دینے کے اُس زمانے میں جبکہ قرآن مجید نازل ہوا اگر موٹر و ہوائی جہاز و ریل کا ذکر ہوتا تو بجائے اس کے کہ جس غرض سے ذکر ہے وہ فایدہ ہو اُس کو لوگ نہ سمجھتے اور افسانہ کہتے اور اُس کے سمجھانے میں فایدہ فوت ہوتا اور لوگ شک کرتے اور بحث پڑہ جاتی۔ لفظ بپتسمہ کے بالمقابل جو لفظ عربی زبان میں ہے سے وہ صبغہ ہے۔ صبغہ کے معنے کسی چیز کو رنگ میں غوطہ دینے کے ہیں۔ بپتسمہ کے جگہ لفظ صبغۃ اللہ استعمال کرکے قرآن مجید نے مفہوم بپتسمہ کو مشرح کر دیا۔ جب ہم کوئی چیز کسی رنگ میں ڈبوتے ہیں تو وہ چیز اُس رنگ کو اختیار کر لیتی ہے۔ بپتسمہ کی غرض خدا کے رنگ میں رنگ جانا ہے۔ یعنے جس رنگ میں اللہ تعالےٰ کا حکم اپنے کو ڈبونے کا انسان کے لئے ہو بموجب حکم الٰہی اُس میں ڈوب کر اُس رنگ کو اپنے اوپر چڑہا لینا اور غالب کر لینا خدا کا رنگ اختیار کرنا کہا ہے پورے عبودیت اور صحیح اطاعت کے ساتھہ انقطاع الی اللہ اختیار کر لینا اور کامل اتباع کے ساتھہ اپنی گردن کو خدا کے احکام کے آگے جھکا دینا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ اور کون بہتر زیادہ ہے اللہ کے رنگ سے۔ اسلام جو مذہب من اللہ کی آخری اور مکمل کڑی ہے ایسے وقت ظہور پذیر ہوا جب انسانی عقل کے

کمال کا زمانہ شروع ہونے کو تھا اس لئے اسلام نے اپنی تعلیم کو معقولات پر رکھا۔ مذہب کو جو اُس وقت تک رسمیات کا لباس پہنے ہوئے تھا اور پردے کے اندر بیان ہوتا تھا اُسے اسلام نے اصلی شکل مین ظاہر کیا۔ حقایق مذہب کو سمجھانے کے لئے جن باتون کو متقدمین نے اشارات ہی رکھا تھا اُن کے اصل حقیقت سے انسان کو اسلام نے بصراحت آگاہ کر دیا اور زبانی تعلیم مین جو راز سربستہ تھا اُس کو بین کر دیا۔ در اصل الفاظ ذہنی خیالات کے نمایندہ و آواز ہوتے ہین اور خیالات اُن چیزون کی ذہنی تصویر جو ذہن مین ہون اور جو بن دیکھے و بن محسوس ہوئے ذہن مین نہین پیدا ہوتے اور خیالات کے سمجھانے کے لئے مثال و استعارون سے کام نہ لیا جاوے تو دوسرے جنہون نے محسوس نہین کیا اُس کو نہین سمجھ سکتے اسی لئے مذہب اسلام مین ضرورتاً مثال و استعارات ہی سے کام لیا گیا ہے اور جہان اُن کی ضرورت نہین وہان پوری تشریح و تصریح ہے و صریح الفاظ مین بیان ہین۔

اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہونا نہ کہ موروثی میلان کا عذر کرنا

زمانہ قدیم مین تاثرات بیرونی بہت کم ہوتے تھے کیونکہ معاشرت اور طرز زندگی درسادہ ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ موروثی میلان کا اثر بہت ہوتا تھا لیکن بیسوین صدی کے محقق کہتے ہین کہ انسانی ارادہ و مرضی جب موروثی میلان کے مخالف ہو سکتے ہین اگر اُس پر غلبہ پا کر اُس کو نیست و نابود کر دیتے ہین پس موروثی میلان ہر حالت مین انسان کا رہنما نہین ہو سکتا اگرچہ بڑے بڑے نیک باپون کے بیٹے بد اور بد آدمیون کے لڑکے نیک نکلے ہین۔ یہ

ضرور نہین ہے کہ بیٹا اُسی فن مین کمال دکہتا ہو جس مین اُس کا باپ کہتا تہا
بعض محقق مماثلت ڈہونڈہنے کے لیے ایک دو نسلین پیچھے جاکر کسی
طبعی میلان کے وجہ آبا کے طرف منسوب کر دیتے ہین لیکن اُن پیدایشی
اور طبعی میلانون کا پتہ لگانا یا اُن کے اسباب کو ڈہونڈہنا ایک ایسا پیچیدہ
سوال ہے کہ بہتون نے سر مارا لیکن مقصود مفقود رہی رہا۔ ہم تعلیم اور مثال
کے مدد سے موروثی میلان کو کچہہ نہ کچہہ تبدیل کر سکتے ہین لیکن یہ سب
پیدا ہونے کے بعد ہو سکتا ہے اُس کے قبل نہین ہو سکتا اور اُس کا اچہا
یا بُرا اثر جو کچہہ بہی ہو انسانی دسترس ہونے سے پہلے ہی اپنا کام کر چکا ہے۔
تحقیقات تو پیدا ہونے کے بعد ہی ہوتی ہین اس واسطے بہتر یہی ہے
کہ پیدا ہونے کے بعد کے تاثرات پر غور کرین جن سے حقیقتاً ہماری زندگی
شروع ہوتی ہے نہ کہ اُس کے قبل کے۔ ارتقاے انسانی مین بہت سے
عنصر عمل کرتے ہین جنمین سے بعض تو ہم کو بعض اعمال کے کرنے پر اکساتے
اور بعض روکتے ہین لیکن ایک بالغ عاقل انسان بڑے حد تک اپنے
اعمال کا آپ ذمہ دار ہے وہ موروثی میلان کے بہانہ سے غیر مکلف
و معذور نہین سمجہا جا سکتا کیونکہ اُس پر کسیقدر غلبہ پانا اور اُس مین تغیر و تبدل
کرنا انسان کی قدرت مین ہے یہ عذر بہی قابل قبول نہین کہ عادت کا بندہ
ہون کیونکہ عادت کا انتخاب تو خود ہی ہم کرتے ہین اور وہ ہمارے اعمال ہی سے
وجود پذیر ہوتی ہے پس ہم کو چاہیئے کہ کسی عادت کے اپنی نفس مین
جاگزین ہونیکے قبل ہی غور کرین کہ وہ بہلی ہے یا بُری راحت کا سبب ہوگی

یا اذیت کا اُس کی عادت ڈالنی چاہیے یا نہین۔

آدمی کے ارادی افعال کو اُس کی راحت اور زیست مین دخل ہے اُس کے فعل زیست کے علت ناقصہ ہین۔ آدمی کے ارادی افعال کو اُس کی راحت اور اذیت مین دخل ہے اُس کے افعال راحت یا اذیت کی علت تامہ اگر نہین مگر علت ناقصہ ضرور ہین۔ یہ خیال کہ ارادی افعال سے راحت یا اذیت ہو ہی نہین سکتی صحیح نہین ہے۔ اگر ارادی افعال شخصی اور اہلی اور نوعی زیست کے علت نہ ہون تو آدمی کو مکلف اور ذمہ دار کہنا اور سمجھنا بالکل غلط ہو اور تجربہ اور تربیت اور تعلیم اور فنون اور قانون سیاست و انتظام معاشرت سب کے سب عبث ہون۔ جب ارادی افعال کو زیست مین دخل ہی نہ ہو تو آدمی کا پھر کوئی فعل اچھا یا بُرا نہ رہے گا۔ بُرائی یا بھلائی کی بنیاد اس پر ہے کہ ارادی افعال کو زیست مین دخل ہے بعض مضر ہین بعض مفید۔ دخل کے یہ معنے ہین کہ ارادی فعل آدمی کی زیست کے علت ناقصہ ہین علت تامہ نہین۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی علتین درکار ہین جب وہ سب جمع ہون تب زیست باقی رہے یا بڑھے۔ اگر کوئی کھانا نہ پاوے تو وہ جتنے ارادی افعال چاہے کرے زندہ نہین رہ سکتا جیسے آدمی کے ارادی افعال زندہ رہنے کی علت تامہ نہین ویسے ہی وہ اسباب راحت وغیرہ کے حاصل کرنے کی بھی علت تامہ نہین لیکن جیسے وہ جینے کی علت ناقصہ ہین ویسے ہی بہت سے اسباب راحت و اغراض انسانی کی علت ناقصہ ہین۔ اصل یہ ہے کہ اُن صورتون مین جن مین غرضین ایسی ہوتی ہین جن کے حاصل ہونے مین ارادی افعال کو دخل ہے اور جب کے حاصل ہو جانے کی

علت تامہ مین سے تمام علتین سوا ے ارادی افعال کے موجود ہوتی ہین تو وہ
غرض افعال ارادی کے کرنے سے موجود ہو جاتی ہے اگر غرض ایسی ہوتی ہے
جس مین افعال ارادی کو دخل ہی نہین یا افعال ارادی کو دخل ہے مگر افعال ارادی
کے سوا اور کوئی علتین موجود نہین سو وہ افعال ارادی سے موجود ہو سکتی ہین تو وہ غرض
افعال ارادی سے حاصل نہین ہو سکتی - پس آدمی کے ارادی افعال کو لذت اور
زیست اور اذیت اور موت مین دخل ہے - اس عالم مین بہت سے مادہ اور قوت
باہم مرکب اور بہت سی قوتین مفرد عمل کیا کرتی ہین اور بعض آدمی کو مفید ہین اور بعض
مضر - خود آدمی مین ایسی قوتین ہین جن سے مضر اور مفید کو جاننے اور مفید کو لے
اور مضر سے بچے اور اُس کے ارادی افعال کو مضر اور مفید کے جاننے اور مضر سے
بچنے اور مفید کو لینے مین دخل ہے انسان جس چیز کو حاصل کرنا چاہے اُس کے لیے
صحیح طریقون سے محنت کرے تو جہان تک ارادی افعال کو اُس کے ملنے مین دخل ہے
وہ ضرور ملے گی اگر کسی شے کے حصول کے لئے چند ارادی افعال ناگزیر ہین
تو جب تک وہ ارادی فعل نہ ہون گے وہ چیز نہ ملے گی - صحیح محنت کے بعد اگر
کوئی خارجی مانع پیش نہ آوے تو مطلوب کا ملنا لازم ہے جب وہ سب اسباب
جو مطلوب کے ملنے کے لئے علت تامہ ہین اکٹھا ہو جاوین تو مطلوب کا نہ ملنا کیون
نہ محال ہوگا - یہ قانون الٰہی و عدل حقیقی ہے انسان جتنی قوت کسی مطلوب کے
حاصل کرنے مین صرف کرتا ہے اُس صرف شدہ قوت کا عدل یعنے بدلا اُس کو
مطلوب کی صورت مین ملجاتا ہے اور محنت اگر صحیح طریقہ سے ہو تو رائگان جا ہی نہین سکتی
نتیجہ (۱) اُن صورتون مین جن مین غرضین ایسی ہوتی ہین جن کے حاصل ہونے مین

آدمی کے ارادی افعال کو دخل ہے یعنے اُس کے ارادی افعال علت ناقصہ ہین اور جن کے حاصل ہو جانے سے علت تامہ مین سے تمام علتین سوائے ارادی افعال کے موجود ہوتی ہین تو وہ غرض افعال ارادی کے کرنے سے موجود ہو جاتی ہے۔ (۲) اگر غرض ایسی ہوتی ہے جس مین افعال ارادی کو دخل ہی نہین یا افعال ارادی کو دخل ہے مگر افعال ارادی کے سوا اور کوئی علتین موجود نہین نہ وہ افعال ارادی سے موجود ہو سکتی ہین تو وہ غرض افعال ارادی کے کرنے سے حاصل نہین ہو سکتی۔ (۳) خود آدمی مین ایسی قوتین ہین جن سے مفید و مضر کو جانے اور مفید کو لے اور مضر سے بچے اور اُس کے ارادی افعال کو مضر و مفید کے جاننے اور مضر سے بچنے اور مفید کو لینے مین دخل ہے یعنے وہ اُن کے لئے علت ناقصہ ہین۔ (۴) آدمی کے افعال ارادی سے اور علتین بھی کبھی موجود ہو سکتی ہین جو مثل انسان کے علت ارادی کے چند علت ہا ئے تامہ کسی غرض کے حصول کی ہو سکتی ہین۔ (۵) اگر کسی شئے کے حصول کے لئے چند ارادی افعال ناگزیر ہین یعنے اُس کی علت ناقصہ ہین تو جب تک وہ ارادی فعل نہ ہون گے وہ چیز نہ ملیگی (۶) صحیح طریقون سے آدمی کسی چیز کے حصول کے لئے محنت کرے تو جہانتک ارادی افعال کو اُس کے ملنے مین دخل ہے وہ چیز ضرور ملے گی بشرطیکہ کوئی خارجی مانع پیش نہ آوے۔ (۷) جب وہ اسباب جو مطلوب کے ملنے کیلئے علت تامہ ہین اکٹھا ہو جاوین اور مانع خارجی نہ ہو تو مطلوب کا نہ ملنا محال ہے یہ قانون الٰہی و عدل حقیقی ہے کہ بدلا محنت کا اس طریق سے ملتا ہے اُس کے خلاف نہین ہو سکتا۔

کردار عالی و صحیح چاہیئے - آدمی کے اُن افعال ارادی کے مجموعے کو جو کسی خاص غرض سے کئے جاوین کردار کہتے ہین - کردار کو اس حیثیت سے دیکھ سکتے ہین کہ وہ مجموعہ چند حرکات خارجیہ کا ہے جیسے اور مظاہر مین نمو ہوتا ہے ویسا ہی کردار مین ہوتا ہے - اس نمو کے بہت درجے ہوتے ہین - سافل کردار کو غرض سے کم مناسبت ہوتی ہے یعنے وہ غرض حاصل کرنے کا بہترین ارادی وسیلہ نہین ہوتا اور کردار جتنا ہی اونچا اور بہتر ہوتا جاتا ہے اُتنا ہی اُس کو غرض سے مناسبت بڑھتی جاتی ہے یعنے وہ غرض کے حاصل کرنے کا بہترین ارادی وسیلہ ہوتا جاتا ہے بہترین کردار وہی ہے جو غرض معین کے حاصل کرنے کا بہترین ارادی وسیلہ ہو یعنے جتنا ہی اونچا اور بہتر ہو اُتنا ہی بہتر ہے - لہذا عالی ہمتی سے نصب العین و مطمح نظر ایسا بلند و صحیح رکھنا چاہیئے کہ اُس پہنچنا محال نہ ہو لیکن اُس پر پہنچنا کمال ہو اور استقلال کرکے اُس پر پہنچ سکین و مستقیم و ثابت رہ سکین -

بروے اثرات زیست اچھائی و برائی کا معیار و نیکی و بدی کا اضافی ہونا - لذت و اذیت اضافی ہین ایسا نہین ہے کہ ہر جاندار کے لئے ایک ہی حالت ہمیشہ لذیذ ہو نہ ایسا ہے کہ ہر جاندار کے لئے ایک ہی حالت سدا موذی ہو - اذیت اور لذت دونون ایک علاقہ خاص سے مابین حواس شخص متلذذ یا متاذی اور شے لذیذ یا موذی پیدا ہوتی ہین - لذت حاصل کرنے کو اول تو جسم مین ایسے آلات ہونے چاہیئن جو متلذذ ہونے کا ذریعہ ہوین دوسرے اُن کی ایسی حالت ہونی چاہیئے کہ متلذذ ہونے کو جتنے عمل کی ضرورت ہے وہ عمل اُن آلات سے صادر ہو سکین - تیسرے شے لذیذ مین وہ اثر چاہیئے

جو لذت بخش ہو۔ جن جانداروں میں ذائقہ موجود نہ ہو وہ شیر و شکر کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے اگر قوت ذائقہ نے شکر سے لذت پانے میں افراط کی ہو تو شکر چکھنے سے بجائے لذت کے اذیت ہوگی۔ اگر کسی قوت ذائقہ کی ساخت ایسی ہو کہ اُس کو شکر تلخ معلوم ہو تو بھی اُس کو شکر چکھنے سے لذت نہ ہوگی جو حالت ذائقہ کی ہے وہی حالت دوسرے حواس کی ہے۔ حواس کے اختلاف سے اور اُنکے عمل کے افراط و تفریط سے لذت و اذیت میں بڑا اختلاف ہو جاتا ہے اسیوجہ سے مختلف نسلوں کے فردوں کا بلکہ ایک ہی نسل کے مختلف فردوں کا اور ایک ہی نسل کے ایک ہی فرد کا مختلف اوقات میں راحت کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ واقعی اذیت اور واقعی ضرر اور واقعی لذت اور واقعی نفع میں ضرور ذاتی لزوم ہے تاہم افراط لذت اور راحت و اذیت و ضرر میں اضافی نسبت ہے۔ بہت سی ایسی حالتیں ہیں جن سے زنگی کو لذت ملتی ہے اور روسی کو اذیت۔ بچے کو لذت ملتی ہے اور بوڑھے کو اذیت۔ یا ایک ہی شخص کو اُس سے جاڑوں میں لذت ہوتی ہے اور گرمیوں میں اذیت۔ کوئی چیز فی نفسہ اچھی یا بُری نہیں ہوتی اچھی وہی ہے جو ذریعہ ہو سکے کسی غرض کا۔ اور جتنا ہی زیادہ موثر ہووے اُس غرض میں اُتنا ہی بہتر ہے۔ تلوار وہی اچھی ہے جو خوب کاٹے۔ گھوڑا وہی اچھا ہے جو خوب چلے۔ کھانا وہی اچھا ہے جس سے خوب تندرستی ہو۔ جو چیزیں ذریعہ ہوتی ہیں کسی غرض کے حاصل کرنے کا اُنھی چیزوں کو اچھا یا بُرا کہتے ہیں۔ اور جو ذریعہ نہ ہوں وہ اچھا یا بُرا ہونے کا موضوع نہیں ہوتیں۔ جب فقط ذریعوں کو اچھا یا بُرا کہہ سکتے ہیں تب یہ بات قابل غور ہے کہ علم الاخلاق میں کن چیزوں کو اچھا

یا برا کہنا چاہیے۔ زمانی ومکانی وبشری اور ماحولی حالتون کے بدلنے سے
افعال کا حسن وقبح اضافی ہونے کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ علم الاخلاق
مین اچھا اُس کو کہتے ہین جس سے شخصی یا اہلی یا نوعی زیست بچے یا اُن کا رقبہ
بڑھ جاوے۔ برا اُس کو کہتے ہین جس سے شخصی یا اہلی یا نوعی زیست کو ضرر پہنچے
یا اُن کا رقبہ کم ہو جاوے۔ زیست پر اثر کرنے سے قطع نظر کرین تو علم الاخلاق
مین نہ کوئی چیز اچھی ہے نہ بُری۔ ظاہر ہے کہ اچھا یا برا ہونا اضافی ہے اور آدمیون
کے جسم وقوے وضرورتون اور ماحول مین تغیر ہونے سے اُس مین بھی تغیر ہوتا ہے
جاڑے مین سرد پانی لذت بخش نہین رہتا۔ آدمیون کے جسم اور ظاہری اور باطنی قوے
مین اور ضرورتون اور نیز طبیعی اور عشرتی ماحول کے موجودات مین اختلاف ہونے
کے وجہ سے ایک ہی چیز ہمیشہ اچھی اور بُری نہین ہوتی بلکہ کبھی ہی چیز مضر ہوتی ہے اور کبھی مفید
متناسب کسطرح ہونا لازمی ہے۔ اس عالم مین زندگی اس پر منحصر ہے
کہ ایک نظام کے اعمال مین اُس کے اردگرد کی تبدیلیون کے موافق ردوبدل
ہوتا رہے اور یہ ردوبدل متناسب ومعتدل ومناسب حال رہے۔ ردوبدل
جتنا بہتر ہوگا زندگی بھی اُتنی ہی بہتر ہوگی۔ یہ قانون عالمگیر اور جملہ نظامات پر جاری
ہے افراد پر بھی اُسیطرح موثر ہے جس طرح مجموعہ پر۔ اقوام گذشتہ وموجودہ کی
تاریخین اس قانون کے موثر ہونے کی تشریح کرتی ہین۔ جو اپنے آس پاس کے
حالات سے غیر متناسب ہین عدم مناسبت نے اُنمین جہالت وسخت افلاس
اور ہولناک بُرائی ودل ہلانے والی مصیبت جسم وطبیعت مین زوال اور افسوسناک
درجہ کی بے بسی پیدا کردی ہے اور اگر یہ صورت جاری رہی تو حالت اور بدتر ہو جاوے گی۔

ان حالات مین ہرایک سمجھنے والے مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے برادران دین کو
اپنے حالات کے متناسب بنانے مین مدد دینے کے لئے مقدور بھر کوشش
کرے۔ صفحۂ دنیا پر کوئی قوم اس کے بغیر قعر ذلت سے نہین نکل سکتی کہ اس کے افراد
اپنے حالات کے متناسب بنانے مین منتظمہ و متحدہ کوشش کرین۔ یہ ممکن ہے
کہ مقدور بھر امکانی کوشش کرنے کے بعد بھی وہ نجات نہ پا سکین لیکن بغیر
کوشش نجات محال ہے اور باقاعدہ کوشش کرنے سے اگر کل علتین
مہیا ہو جاوین تو کوئی وجہ نہین ہے کہ کامیابی و نجات و رحم نہ ہو۔ کس خوبی سے
سورہ یٰسٓ مین ہے۔ و اذا قیل — اور جب کہا جاتا ہے انسانون کو بچو اس سے
لهم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم — جو آگے تمہارے ہے اور جو پیچھے
لعلکم ترحمون ٥ — تمہارے ہے کہ تم پر رحم ہو
متناسب رد و بدل ایک منتظمہ جماعت کی صورت مین بدلجانے سے ہو سکتا ہے
اس طرح کہ انکی انفرادی و مجموعی طاقتون کا رخ کارآمد ذرایع کے طرف پھیرا جاوے
اگر عملاً دشوار و ناممکن ہو کہ کل مسلمانون کی جماعت یا کسی ایک ملک کے لوگون
کی جماعت قایم کی جاوے تو جس قدر کہ جماعت قایم ہو سکے اسیقدر کی ہونی چاہیے
رفتہ رفتہ اصلاح کا دایرہ وسیع ہو جاوے گا۔ (۱) ہرایک مسلمان فرد جماعت
تندرست پاک اور حتی الامکان جسم طبیعت کا قوی ہو۔ (۲) ہرایک مسلمان فرد
جماعت کمانے والا ہونا چاہیئے یعنے اپنی زندگی کا بار دوسرون کے اوپر نڈالے
(۳) ہرایک مسلمان فرد جماعت کو وہ دنیاوی نیکیان حاصل کرنی لازم ہین جو مجلسی
حالت مین اچھی و کارآمد زندگی کے لئے ضروری ہین۔ (۴) ہرایک مسلمان فرد جماعت

اپنے مذہب کا جاننا اور اُس کا احساس کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک منتظمہ محمدن کمیونٹی کا وہ جزو ہے اور اُس کی بہبودی اُس کی جماعت کی بہبودی سے ایسی وابستہ ہے کہ الگ نہین ہوسکتی۔ (۵) ہر مسلمان فرد جماعت اور اُس کے متعلقین کو ابتدائی تعلیم و خاص قسم کی تربیت ملنی چاہیئے۔ اور اس کام کے لیئے روشن خیال و فضیلت مآب مسلمانون کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ یہ پانچون امور متناسب بنانے کے لئے ضروری ملکہ لازمی ہین اور آسانی سے اُن کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور اپنے احباب اور اہل محلہ کو اُس پر لگایا جاسکتا ہے۔ اور اُس ضروری کمی کو تربیت کے ذریعہ سے بوسیلہ والدین و اقربین پورا کیا جاسکتا ہے جس کا مدرسون کی تعلیم سے پیدا ہونا مشکل ہو تاکہ مسلمان بچے سچے عقیدہ کے ساتھ خود کو جمعیت قومی کا ایک ضروری فرد سمجھین

خالص اصول مذہب مانع ترقی نہین اور بغیر مذہب ترقی نہین ہوتی ہے اور اپنے متحابین کے ساتھ اللہ بھی محبت کرتا ہے

یہ دعوے نہین کہ کوئی قوم کبھی بلا پابندی مذہب اسلام ترقی نہین کرسکتی یا یہ کہ کسی قوم کی ترقی کے واسطے آسمانی مذہب کی پابندی لازم ہے۔ دعوے یہ ہے کہ تاوقتیکہ مسلمان اپنے اصول مذہب کے پابند نہ ہون میدان ترقی مین قدم آگے نہین بڑہا سکتے۔ اس دعوے کی تردید مین یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ دراصل اصول اسلام یا اصول مذہب آسمانی مین کوئی ایسا امر ہے جو مانع ترقی ہے بغیر اس کے دعوے کی تردید نہین ہوسکتی۔ اُن مذاہب پر جو کتب آسمانی پر مبنی سمجھے جاتے ہین اُن کے رواجی حالت [illegible] تردید کی بنیاد نہین ہونی چاہیئے بلکہ اُن کے خالص اصول پر ہونا چاہیئے کیونکہ اکثر خارج

اور عقل اعتقادات اور بیجا توہمات اور تقلیدی تخیلات مذاہب میں شامل ہو جاتے ہیں
تاوقتیکہ وہ اعلیٰ صفات نہ ہوں جو ترقی کی جڑ ہیں اُس وقت ملک حالت کی اصلاح و
ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور اُن کو جس عمدگی و کامیابی سے مذہب پیدا اور قایم کر سکتا ہے
کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکتے۔ ہر قوم کے عروج کا انحطاط اُسی وقت سے
شروع ہوا ہے جب سے کہ اُس میں قومی مذہب کا اثر کم ہونا شروع ہوا۔ پابندی مذہب کے
یہ معنی سمجھنے کہ انسان رواجی مذہب کی تقلید کرے اور ظاہر عبادت کا پابند ہو صحیح نہیں
بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ مذہب کے اصلی اصول ذہن نشین ہو کر اُس کے رفیق
طریق و سیر زندگی بنگئے ہوں۔ اسلام کی پابندی سے یہ مراد ہے کہ انسان معاد و
معاش کے ان اصولوں پر چلے جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے اور جنکے چھوڑ دینے
کے وجہ سے باوجود مذہب کی ظاہری پابندی کے مسلمان ایسے بُرے درجہ پر پہنچگئے ہیں
مراد اعلیٰ اصولوں کی پابندی ہے جو انسان کو کامل بناتے ہیں۔ یوروپین اقوام
کے نسبت یہ کہہ دینا کہ ان میں مذہب صرف بطور فیشن کے رہ گیا ہے جب ہی
اُنہوں نے ترقی کی ہے امر نزاعی سے متعلق نہیں ہے۔ یوروپین اقوام کی حالت
موجودہ سے بحث نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صرف اُس وقت تائید ہو سکتی ہے جبکہ
ثابت ہو کہ یوروپین اقوام نے جس وقت میدان ترقی میں قدم رکھا ہے اُسوقت
وہ مذہب کے طرف سے بے پروا ہو چکے تھے برخلاف اس کے تاریخ شہادت
دیتی ہے کہ لوتھر کی آواز نے یوروپ کو تقلید و اوہام پرستی سے بیدار کر کے
مذہب کی پابندی شروع کرائی تو اُس وقت یوروپ کی ترقی کی بنیاد پڑی پس
یوروپین اقوام نے بھی ترقی کا زینہ مذہبی پابندی کے ساتھ طے کیا ہے اُنکے

لٹریچر کو دیکھو تو اُس میں عیسائیت کے اصول ساری ہیں، اُن کی پالیسی کو دیکھو تو وہ عیسائیت کے خاطر غیر قوموں سے لڑنے تک میں باک نہیں کرتے اُن کے قومی کارناموں کو دیکھو تو وہ لاکھوں روپیہ عالیشان کلیساؤں کی تعمیر اور کروڑوں روپیہ اپنے مذہب کی تبلیغ میں صرف کرتے ہیں ان میں سے علم حکمت کے وجہ سے جو کسی خاص رواجی مذہب کے پابند نہیں وہ حب وطن اور جماعت انسانی کے خیرخواہی کے اصول کے پابند ہیں جو دراصل ہر مذہب کی بنیاد اور نظام عالم کے قائم رہنے کے لئے ضروری ہیں دوسرے قسم کے لوگ جو پابند مذہب نہیں ہیں تجربہ سے اُن کا وجود ترقی و اصلاح کے لئے مضر ثابت ہو رہا ہے۔ جاپان میں علم ترقی جب ملبند ہوا اُس زمانہ میں وہ لامذہب نہ تھے اور قومی ترقی کے لئے مذہبی پابندی جاپانی ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلامی اصول کی پابندی سے مسلمان ترقی کر چکے ہیں اسی لئے انہیں اصولوں کے طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی جب ہی قابل فخر ہے کہ مسلمان رہ کر ترقی کریں نجات دائمی سے محروم ہو گئے تو ایسی ترقی سے ہزار درجہ تنزل بہتر ہے۔ فی الموطاء عن مالك باسناده وجبت محبتی للمتحابين فیّ والمتجالسين فیّ والمتزاورين فیّ والمتباذلين فیّ ۔ موطا میں امام مالک نے اپنے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میری محبت واجب ہو گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو میرے ہی واسطے آپس میں محبت کرتے اور میرے ہی واسطے آپس میں بیٹھتے اور میرے ہی واسطے آپس میں ملتے جلتے اور میرے ہی واسطے آپس میں خرچ کرتے ہیں۔ پس جو لوگ باہدگر افعال مذکورہ حدیث کرتے ہیں اور محض اللہ کے لئے کرتے ہیں اُن کے ساتھ اللہ کی بھی محبت کا واجب یعنی لازم

ہو جانا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے چونکہ اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ نے موطا مین روایت کیا ہے اور واسطہ اسناد کم ہے لہذا کم سے کم طریق بیان کے باللفظ ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اور اس لئے اور بھی کہ الفاظ ایسے متشابہ و کم ہین جو حافظہ پر باسانی آسکتے اور محفوظ رہ سکتے ہین۔ گویا یہ حدیث آیت وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى کی تفسیر ہے۔ لہذا یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ الفاظ قرآنی و الفاظ حدیث کے وتفسیری الفاظ کے مابین بیان مین کیا تفاوت ہو جاتا ہے اور باعتبار موضوع ایک دوسرے مین کسطرح تفاوت ہوتا ہے

سویلیزیشن کے حدود و نتایج واغراض و وحشیانہ نیکی

جب انسان کا گروہ کسی جگہہ اکٹھا ہو کر رہتا ہے تو اس کی ضرورتین اور حاجتین غذا ملبوس اور پوشاک خیالات وغیرہ ایک ہی سے ہوتے ہین اس لئے برائی اور اچھائی کے خیالات اور برائی کو اچھائی سے بدلنے کی خواہش اس مین یکسان ہو جاتی ہے اور یہی مجموعی خواہشین و تبادلہ خیالات مجموعی اس گروہ یا قوم کے سویلیزیشن یا تہذیب کہے جاتے ہین مگر جب کہ مختلف مقامات مین لوگ بستے ہین تو ان کی حاجتین اور خواہشین بھی مختلف ہوتی ہین اور اسی سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہین۔ پس سویلیزیشن کے اختلاف کا فیصلہ وہ اسباب کر سکتے ہین جنکے سبب سے اچھے و برے کا خیال دل مین بیٹھا ہے۔ تہذیب یا یون کہو کہ بری حالت سے اچھی حالت مین لانا دنیا کی تمام چیزون سے اخلاقی ہون یا مادی یکسان علاقہ رکھتا ہے اور تمام انسانون مین پایا جاتا ہے۔ لہذا تہذیب کیا ہے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا صرف اوقات اور وقت کو عزیز سمجھنا

واقعات کے اسباب کو ڈہونڈہنا اور اُن کو سلسلہ مین لانا اخلاق اور معاملات اور
معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطری عمدگی
و اعلیٰ درجہ پر پہنچانا اور خوش اسلوبی سے برتنا و معاشرت و مصاحبت کو ہموار بنانا
اور نتیجہ راحت و روحانی خوشی اور جسمانی خوبی اور اعلیٰ تمکین اور حقیقی وقار اور خود
اپنی عزت کی عزت کرنا ہے اور درحقیقت یہی پچھلی بات ہے جس سے وحشیانہ حالت
و انسانیت و تہذیب مین تمیز ہوتی ہے۔ وحشیانہ نیکی کی چونکہ اصل نیک نیتی پر
ہوتی ہے اس وجہ سے لوگ اُس کو اچھا سمجھنے لگتے ہین اور جس وحشیانہ طور سے
وہ کام انجام پایا اُس کی بُرائی چھپ جاتی ہے لیکن تہذیب کے طور سے انجام دینے
مین وہ بُرائی بھی نہین رہتی۔ دو وحشی دوست ایک ہی عورت پر عاشق ہوے عشق
اجازت نہین دیتا تہا کہ ایک کا وصل ہو اور دوسرا محروم رہے اور دوستی ایکدوسرے
کے رنج کو بجز باہمی مشورہ کے جایز نہین قرار دیتی تھی۔ عشق چاہتا تہا کہ مین غالب
آؤن اور صدق دوستی چاہتا تھا کہ مین فتح پاؤن۔ اس کشمکش مین دونون نے باہمی
مشورہ و رضامندی سے معشوقہ کو مار ڈالا اور اُس کی مردہ نعش کو دونون نے خوب
گلے لگایا اور دلی محبت سے دونون نے مردہ نعش کے دلفریب گالون کا بے گناہ
بوسہ لیا اور پہر وحشیانہ ماتم کیا ازان بعد دونون نے غم و الم و عشق مین اپنا اپنا گلا آپ
کاٹ لیا۔ یہ واقعہ حیرت و ظلم سے بھرا ہے تاہم نیک دلی اور دلی ایمانداری سے
چونکہ کیا گیا اور صدق دوستی اور اُس کے وجہ سے جان کا کہونا بھی اُس کے ساتھ
شامل ہے لہذا مردانہ و شریفانہ معلوم ہوتا ہے۔ غور کرو کہ وہ دونون عاشق اگر
مہذب ہوتے تو بمقتضاے تہذیب کیا عمل کرتے اور اُن کی یہی عمدہ خصلتین

نیک کام مین عامل ہوتین تو کیسا عمدہ پھل لاتین ۔

ہر زمانہ مین ہر فرد مومنین مین سے ایک جماعت کو تفقہ فی الدین و دعوت الی الخیر کرتے رہنا اور تقلید و رسم پر تفقہ کو ترجیح دینا چاہیے اور کوئی زمانہ زندہ مجتہدون کے وجود سے خالی ہو تو اُس زمانہ کے سب مسلمان ترک فرض کے عاصی ہونگے ۔ سورہ توبہ مین ہے کہ ایسے تو نہین مسلمان کہ سارے کوچ مین نکلا کرین سو کیون نہ نکلا کرین ہر فرقے مین سے ایک جماعت کہ تفقہ کیا کرین دین مین اور آگاہ کیا کرین اپنی قوم کو جب پھر جاوین اُن کے طرف تاکہ وہ بچیین ۔ پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ مین ہر مسلمان کے فرقے مین سے ایک جماعت کو تفقہ فی الدین کرتے رہنا فرض کفایہ ہے اور اگر وہ جماعت قایم نہ ہو تو فرض ساقط نہین ہوتا اور سب موجودہ مسلمان گنہگار ہوتے ہین ۔ اور سورہ آل عمران مین ہے ۔ اور چاہیے کہ ہو تم مین سے ایک جماعت جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی ہو اور وہی فلاح پانیوالے ہین پس ان دونون آیتون سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ غیر معصوم کی تقلید شخصی کرنا اور اُس کے دعوے یا دلیل کو بغیر اُن قواعد کے جانچے ہوئے جو دلیل کی صحت کے لئے ضروری ہین محبت مان لینا نہین چاہیے بلکہ جو جماعت کہ تفقہ فی الدین و دعوت الی الخیر کرتی ہو اُسکے تفقہ سے آگاہی حاصل کر کے بچنا چاہیے نتایج تفقہ کو جو معہ دلیل ہون گے سمجھ کر بدی سے بچنا چاہیے پس کسی مذہبی رسم یا تقلید کو ہمیشہ کے لئے اختیار کر لینا اور اُس مین تفقہ کی ضرورت نہ سمجھنا اور جو مجتہدین تفقہ کرتے ہون اُن کے نتایج پر گوش حق نیوش نہ رکھنا بلکہ رسم یا تقلید کو ترجیح دینا چاہیے نہین ۔

ہر گاہ کہ زمانہ میں نئی نئی حاجتیں پیش آیا کرتی ہیں اور نئی نئی باتیں اور اشیاء معلوم
ہوتی اور ایجاد ہوتی اور نئے قسم کے واقعات و معاملات پیش آتے ہیں۔ پس اگر
زندہ مجتہد و تفقہ کرنے والے اس وقت موجود نہ ہوں تو مسائل جدیدہ کا حل
نہیں ہوسکتا اور نئے واقعات کے وجہ سے نئے اجتہاد اگر نہ ہوں تو مذہب اور
اس کا اصول جمود کی حالت میں مانع ترقی ہو جاتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے
کہ علماء محققین مذہب اسلام کا بھی یہ مذہب ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہدین کا ہونا ضروری ہے
شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب مسمی بانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید
وارثی رسول اللہ کے جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ بغوی در تہذیب و امام الحرمین در
نہایہ و رافع در شرح وجیز و عزالدین عبدالسلام در غایہ و نووی در شرح مہذب
و ابو عمر بن صلاح در کتاب ادب الفتیا و بدرالدین زرکشی در کتاب بحر تصریح
کردہ اند کہ علم دو قسم است فرض علی الاعیان و فرض علی سبیل الکفایہ۔ و فرض
کفایہ آن است کہ کسے برتبہ اجتہاد برسد و از عداد مقلدین برآید پس اگر در ہر
ناحیہ یکے یا دو باین معنے قایم شوند فرض ساقط و الا ہمہ عاصی شوند۔ ...... و حنابلہ
باہم بآن رفتہ اند کہ جائز نیست خلو زمان از مجتہد بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال
طایفۃ من امتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ و زرکشی گفتہ است
کہ این قول مخصوص بحنابلہ نیست بلکہ جماعۃ از اصحاب یعنے شافعیہ بدان بتصریح
کردہ اند...... و ابن عرفہ از علمائے مالکیہ گفتہ قال شیخنا ابن عبد السلام لا یخلو
الزمان عن مجتہد و امام الحرمین گفتہ کہ اختلاف کردہ اند اولین در آنکہ عصرے
از اعصار عدد مجتہدین از مبلغ تواتر کم می شود یا نہ جمعے منع کردہ و جمعے جائز داشتہ

تقلید کرنا و ایک ہی پر منحصر کر دینا بھی کفر و تناقض سے قریب ہے تناقض اس طرح
کہ ایسے شخص کے دعوے سے تو دلیل پر بنیاد اعتقاد کی مقلد قایم کرتا اور اُسپر عمل
کرتا ہے جس کی دلیل دلیل کی حیثیت اس حیثیت سے نہین رکھتی کہ اُس نے
یہ دعوے بغیر دلیل کے کیا ہے اُس کا خود فرض ہے کہ اپنے دعوے کیلئے
صحیح دلیل لاوے ۔ پس بجائے صحیح دلیل کے اُس کے دعوے ہی کو دلیل
مقلد قرار دیتا ہے اور کفر کے قریب اس طرح کہ تقلید غیر معصوم یعنے انبیاء و رسل
کی لازم ہے نہ کہ اُن کے غیر کی انہی پر تقلید منحصر ہو سکتی ہے نہ کہ اُن کے غیر پر
حالانکہ مقلد غیر معصوم کی تقلید کرتا اور بنیاد اعتقاد اُن کے اقوال یا دلایل کو بغیر اُنکے
جانچے و سمجھے کہ وہ صحیح ہین قرار دیتا ہے ۔ لہذا عملاً انبیاء و رسل کا درجہ وہ اُنکو
دیتا اور اُن پر تقلید منحصر کرتا و تشریک فی النبوت کرتا ہے ۔

رسم و رواج کا فرق اُن کے حدود و غیر قوم کے اچھے رسوم
کے اختیار کرنیکے شرائط و فیشن کے شرائط ۔ سادہ و سود مند
فیشن رکھنا چاہیئے ۔ قدامت پسندی و قومی روایات و تاریخ ۔ رسم
اُس کا نام ہے جو ہوتا چلا آیا گو معلوم نہ ہو کہ وہ کیون ہوتا تھا اور اُس سے کیا فایدہ ہے
اور رواج اُس کا نام ہے جس کو ایک گروہ یعنے لوگ کرتے ہین یا کرنے لگین اور اُسکو
عیب نہ سمجھین ۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ ایک زمانے مین کوئی کام عیب گنا جاتا ہو مگر
وہ رواج پا جاوے تو لوگ اُس کو عیب نہ سمجھین ۔ یا نیک سمجھا جاتا ہو بعد رواج کے
اُس کو عیب سمجھنے لگین ۔ پس رسم و رواج مین وہ فرق ہے جو سبب و نتیجہ مین
ہوتا ہے کیونکہ جب کسی کام کا رواج ہو جاتا ہے تو آخرکار وہ ایک رسم ہو جاتی ہے

مقنن رسم کے یہ معنے بتلاتے ہین کہ رسم ایک ایسا قانون ہے کہ تحریر مین بطور قانون نہین آتا مگر مدتون سے برضامندی عامہ جاری ہے۔ دوسری قومون کی اچھی رسم اختیار کرنے مین ہمیشہ یہ پہلے سمجھ لینا چاہیئے۔(۱) غیر قوم کی کس قسم کی تہذیب اور آداب معاشرت اچھے ہین۔(۲) اپنے قوم کی حالت کے اعتبار سے کن قواعد کی پابندی ضروری ہے۔ اور بلحاظ پابندی مذکور غیر قوم کی کس رسم کو اختیار اور کس کو نہ اختیار کرنا چاہیئے بلکہ نفرت چاہیئے۔ (۳) سودمندی وراحت و ضرورت کے خیال سے کون سے امور درکار ہین۔ پس جن رسوم کے اختیار کرنے سے قومیت مین فرق آتا ہو اُس کو نہ اختیار کرنا اور اپنے رسوم قومی کو بالکل ترک نہ کردینا چاہیئے۔ یہ کوشش کرنا کہ دوسری قومون کے آداب معاشرت بحیثیت مجموعی متحد ہو جاوین اور اُن مین مخالفت نہ رہے ایسی کوشش ہے جس کا انجام یقیناً نا اُمیدی ہے تمام قومون کے حالات زندگی و کوایف معاشرت وروایات یکسان پیمانہ کے نہین ہین اُن مین قدرتی تباین موجود ہے پس کوئی وجہ نہین ہے کہ ایسی موہوم اُمید کیجاوے۔ فیشن ایک مشغلہ اور ایک عارضی اُبال سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔ فیشن بذاتہ ایک غیر مستقل عمل ہے۔ یورپ جہان فیشن کی گرم بازاری ہے ثابت کررہا ہے کہ فیشن ایک ایسا نظارہ ہے جس کی ہر شام اُس کی صبح سے الگ ہوتی ہے۔ اس لئے یورپ کی طرح بجائے شرم کو محض فیشن ہی کے خاطر اختیار کرنا بیجا اور اپنی قوم کو قعر زوال مین ڈھکیل دینا ہے قومیت اور وضع کو آپس مین ایک نہ ٹوٹنے والی نسبت ہے جب تک وضع کی پابندی قایم رہتی ہے تب تک قومیت کا فور نہین ہوتی۔ فیشن کی تقلید عامہ سے

محض دیکھا دیکھی اپنے شیرازہ معاشرت کو توڑتے جانا ایک طفلانہ و قابل شرم تخیل ہے وہی ایٹی کیٹ اچھا اور وہی قاعدہ معاشرت سودمند کہا جا سکتا ہے جو ملکی خصوصیات و عادات کے جہت سے سودمند ہو اور جس میں اندھی تقلید اور بچوں کی سی ریس کی جھلک نہ پائی جاوے۔ وہ قوم مردہ ہے جو قومیت کا خون اپنے آپ میں نہیں رکھتی۔ فیشن پر قومیت کو قربان مت کرو۔ فیشن بدلتا رہتا ہے لیکن قومیت نہیں بدلتی رہتی اپنے قوم کے معاشرتی طریقوں اور اچھے قاعدوں کا توڑ دینا خود ذاتی و قومی بے عزتی کرنی اور گلوے تہذیب پر لاپروائی کی چھری پھیرنی ہے۔ ایٹی کیٹ ایک ایسا عمل ہے جو ایک گروہ یا ایک جماعت یا ایک ملک میں معاشرتی ضرورتوں کے اعتبار سے رسمی یا اضطراری طور پر اختیار کیا گیا ہو اور رفتہ رفتہ اُس کے خلاف معیوب سمجھا جانے لگا ہو۔ سادہ و سودمند و راحت رسان فیشن اختیار کرو مگر ضروریات و روایات قومی کا لحاظ اور اُس کو مرجح رکھ کر قدامت پسندی ہر حالت میں بیشک بہتر نہیں لیکن تاریخ و روایات قومی کو محفوظ و برقرار رکھنا اور اُن کے اعتبار سے بہتر امور میں قدامت پسندی بھی ضروری ہے

اقبال و ادبار کا مفہوم اور موجودہ قومی حالت اور اُسکا علاج کس طرح ہونا چاہیے

اقبال و ادبار دو ایسے لفظ ہیں کہ زبان پر جاری ہیں۔ ایک موہوم سے معنی ان لفظوں کے تو البتہ ہر شخص کے ذہن میں ہیں مگر اُن کی اصل حقیقت کیا ہے اس پر کم کوئی غور کرتا ہے۔ روزمرہ کے محاورہ میں ان کا صرف اس طور پر ہے کہ گویا یہ دونوں خارج میں موجود اور بعض صفات واجب سے متصف ذاتی ہیں اور ساتھ ہی اُس کے لوگ فعل و انفعال کو

بھی اُن سے نسبت دیتے ہین - کوئی جو بڑا دقیق معنی رس ہوتا ہے وہ تو البتہ اتنا سمجھتا ہے کہ قسمت تقدیر وغیرہ کے مثل یہ بھی مشیت ایزدی کے نام ہین - ورنہ جہلار تو گو زبان سے نہ کہین مگر اُن کو شریک باری بنانے مین کوئی دقیقہ باقی نہین رکھتے - بہتیرے لغات ہماری زبان پر ایسے جاری ہین کہ اُن کی مدلولات محض ذہنی ہین خارج مین ان کا وجود نہین ہے اور ایک ضرورت ذہنی کے سبب سے انسان نے اُنہین وضع کرلیا ہے - جیسے لفظ انسان کہ اُس کا مفہوم کلی کہین خارج مین موجود نہین ہے بلکہ چند افراد کو متحد الماہیت پاکر آدمی نے ایک لفظ وضع کرلیا ہے جس کا اطلاق ہر فرد پر ہو سکتا ہے اور بلحاظ اس کے کہ کسی فرد خاص کا نام نہین ہے اس کے سوا ایک قسم کے اور لغات ہین جو بہت سی صفات مجتمعہ یا حالت مجموعی کے نام ہین مگر آدمی نے بوجہ جہل اُن ناموں کو ان صفات یا حالت کا سبب اور پیدا کرنے والا قرار دے لیا ہے اقبال و ادبار اور قسمت و تقدیر اِسی کی نظیرین ہین - حکیم اور فلسفی کا کام یہ ہے کہ ہر شے کی حقیقت اور ماہیت کی تجسس مین سبب اول تک پہنچ جائے جس سے بالاتر سبب حقیقی اور حکیم مطلق کے سوا کوئی نہین ہے - اقبال و ادبار کا نام لینا ایک خاص حالت مجموعی کے وجود اور علل تک نہ پہنچنے کا بہانہ ہے - تلاش و تفتیش بڑی ریاضت کا کام ہے - اس کی محنت کو حکیم ہی گوارا کرسکتا ہے - عوام الناس آسانی سے دو لفظ گڑھ کے اپنی مشقت بچا لیتے ہین اور انہین الفاظ کو علت بلا واسطہ ٹھہرا کر اپنے دلون کو تسکین دے لیتے ہین - اس مین انہین اپنی کاہلی اور قصور کا بھی چھپا رہنا لگ جاتا ہے اور کہنے کو ہوتا ہے کہ ہم کیا کرین ہمارا اقبال یاور نہین

ہوئیں۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ ہماری قومی ہمدردی واخوت دینی کا تو یہ حال ہو کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ابناے جنس کی فلاح اور بہبودی میں کوشش نہ کرے اور ہر شخص اپنے ذہن میں ٹھان لے کہ ہمیں ایسے کاموں میں روپیہ صرف کرنے کیا فایدہ۔ وقت ضایع کرنے سے کیا حاصل۔ آخر کوئی نہ کوئی کر ہی لیگا۔ بیدلی و اتحاد کی یہ نوبت ہو کہ جو کوئی بھولا بھٹکا بھائی ہمارا حالت کبھی لڑا سکے اور دردِ دل سے ہماری بھلائی کی فکر بھی کرے تو ہم کو یہ تجو پیدا ہو کہ اسے کیونکر بدنام کیجیے۔ اس کی نیت کو کس طرح فاسد ٹھرائیے کیا گرفت کیجیے کہ لوگ اُسے ملحد اور زندیق جانیں غرض اُس کے بگاڑنے میں قرار واقعی دوادوش کی جاوے۔ جہان کی خاک چھانی جاوے تربیت اور تعلیم کا یہ نقشہ ہو کہ اپنا علم بھی چوپٹ ہو۔ تحصیل معاش کا وسیلہ نہ سیکھیں مشقت کو ذلت سمجھیں۔ مفت خوری میں شرم و حیا نہ کریں اور پھر جب تنگی رزق عاجز کرے تو خدا کی ناشکری کے سوا کچھ نہ کریں۔ کمال اندیشی و حسن تدبیر ایسی کہ عمر فکر محال اور شیخ چلی کے سے خیال پکانے میں صرف ہو جاوے۔ گذشتہ حالات پر افسوس و حسرت کیا کریں۔ آیندہ کے نسبت بیہودہ اور بیجا امیدوں میں اوقات ضایع کریں ہمیشہ یہ سوچتے رہیں کہ ہم فلان امیر کے مثل متمول۔ فلان حاکم کے مانند صاحب اقتدار ہوتا تو کیا ہوتا۔ اور ہو جاویں تو کیا ہو۔ یہان تک کہ ان وسوسوں میں واقعی اور ممکن الحصول مواقع تمتع کے بھی ہاتھ سے نکل جاویں۔ حمیت اور غیرت اس درجہ کی کہ اگر دنیا میں جاہل اور نالایق ٹھرائے جاویں تو یہ کہہ کے اپنی بات بنالیں کہ دادا جان بڑے عالم تھے۔ سیکڑون شاگردون کو پگڑی بندھوا دی۔ نانا جان بڑے مہندس تھے اُن کے نتیجے آج تک مشہور ہیں ہمیں کسی قابل نہیں ہوا تو کیا ہوا اور اس پر یہ توقع

کہ لوگ اپنی بھی اُتنی ہی قدر دانی اور تواضع و تعظیم کرین جتنی کسی صاحب علم و کمال کی کرتے ہین۔ امیرون کا یہ وتیرہ ہو کہ امارت کو مقصود بالذات جانین اور مخزن فضل و کمال تصور کرین۔ تجمّل کو عزت سمجھین اپنے خوشامدی اور دست نگر لوگون کی ستایش کو سچ جانین اور اس گردہ کی واہ واہ سے پھولے نہ سماوین۔ مال و وقت عزیز بھرے لہو و لعب کرین اپنی قوم اور اپنے ملک کی بھلائی مین کوشش نہ کرین اور اس کار خیر مین پیسہ نہ اٹھاوین۔ شریفون کا یہ نقشہ ہو کہ کھانے کو پاس نہ ہو مگر محنت اور مزدوری سے اُن کی شرافت مین بٹہ لگے۔ سوال سے عار نہ ہو مگر پیشہ اور حرفہ سے جی گھبرائے عابد و زاہد ایسے ہون کہ مذہب و ملّت کو پیشہ بناوین اور نماز و روزہ کی روٹیان کہائین حج و زیارت کے واسطے سرمایہ تحصیلتے پھرین اور اُس فعل کو جسے خداوند عالم اور ہمارے شارع علیہ التحیہ والسلام نے حرام کیا ہے بظاہر جذب ثواب اور بباطن وسیلہ حصول معاش بناہین۔ عمال و حکام ایسے کہ اُن کو پیٹ بھرنے سے کام۔ ملک خدا چاہے بگڑے اور چاہے سدھرے اُن کی بلا جانے۔ حیف صد حیف کہ ہمارا اور ہماری قوم کا یہ حال ہے اور اس پر ادبار ہی کو الزام دین اپنے قصور پہ معترف نہ ہون اور اپنے ملک کی بہبودی مین سعی و کوشش کرنے کے عوض بیٹھے ہوئے ہائے قسمت وا ئے نصیب کیا کرین۔ اصل مین ادبار اسی حالت مجموعی کا نام ہے جس کا ایک شمہ بطور مشتے نمونہ از خروارے اوپر بیان کیا گیا۔ اقبال بالکل اس کا ضد تصور کر لینا چاہیئے۔ زیادہ اس سے سمجنا اور ادبار یا اقبال کو ان حالات کا خالق اور سبب قرار دینا عقل سلیم کے نزدیک مشابہ بشرک معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ مقدمہ تسلیم کر لیا جاوے تو ظاہر ہے کہ مثل امراض جسمانی یہ بھی

عوارض ہین اور ہم بر آن قیاس علاج پذیر اور جس طرح طبیب حاذق پہلے اسباب وعلامات مرض کو ہر صورت سے مشخص اور محقق کر کے اُس کے مناسب نسخہ لکھتا ہے اسی طرح ہمارے ملک کے عقلاء اور حکماء کو چاہیئے کہ پہلے اپنے قومی امراض کے اسباب وعلامات بخوبی دریافت کرلین اور پھر ہر ہر سبب ردی کے واسطے علیحدہ علیحدہ دوائین تجویز کرین - اگر صدق دل اور خلوص نیت سے علاج مین کوشش کیجاوے اور قربتہً الی اللہ اس امر مین اہل توفیق جد و جہد کو کام فرماوین تو عجب نہین کہ اس کا ثمرہ بہت جلد ظہور مین آوے - السعی منی والاتمام من اللہ۔

ہم مین ضبط نفس نہین ہمارا مطمح نظر واحد و عالی نہین نصب العین مین ہم متفق نہین قومی ایثار نہین - اغراض مین اتحاد و اتفاق نہین - پس ذاتی اغراض کو قومی اغراض سے احب سمجھتے ہین اور قومی اغراض کے تابع اُن کو نہین کرتے اور اپنی قوتون کو غیر متفق و متفرق رکھکر برباد کرتے ہین - ہماری قوتین کمزور و غیر عملی و غیر صحیح راہ پر ہین یہ نہین قرار دیتے کہ فردی طور پر کیا کرنا اور قومی طور پر کیا عمل ہونا چاہیئے - ابتدائی و انتہائی تربیت نہین نصاب تعلیم حسب ضرورت موجود نہین قدیم سوسائٹی برباد ہو چکی ہے جو ہر طرح کامیاب تھی - جدید سوسائٹی ابھی تک نہین بنی اور انقلابی حالت مین ہے - لہذا امور مذکورہ بالا کا مخصوصاً متفقاً علاج کرنا چاہیئے - پس ہماری سب سے بڑی و مقدم ضرورت یہ ہے کہ ہمارا نصب العین و مطمح نظر صحیح و عالی و معین و متفق ہو اور بہت ضروری و فرض عین یہ ہے کہ اپنے ماحول سے متناسب ہو کر ایسے عباد صالحین مین سے بن جاوین جو وارث ارض کے بموجب وعدہ قرآن مجید کے ہون یا بدیگر الفاظ اصلح ہون اور فنا و زوال سے بچ جاوین اور

رضا سے ہوئے ایسے موافق ہو کر بولی ہے ہم پر راضی اور وہ ہم سے راضی ہو۔ ضبط نفس کا
ملکہ پیدا ہونا چاہیے۔ سادہ روی و سادہ مباشرت جاری ہونی چاہیے اور بدون جفاکشی اور
راستی پیدا ہونے کے استکاری کے ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ نیکی و بلند ہمتی سے اونچے و بڑے
کام میں جفاکشی ہونی چاہیے۔ بزدلی کی طرح سے کاموں و غلامی میں۔ پس بجائے
اس کے کہ ہم اپنی دولت و قوت و وقت کو عداوت و بری رسوم و بدی و خرابیوں و لہو
میں ضائع کریں مدعا سے مذکور کے حصول میں ان کو لگانا اور ان کو کام میں لانا چاہیے
اور ہر ایک کو عملی پابند ہی ہونا چاہیے۔ مخلص آدمی ہو جانا اور اس میں اپنی زندگانی لگانا
چاہیے۔ خیر الامم ہم اسی وقت ثابت کریں گے جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر
ہم باہم مومنین میں کر سکیں اور کریں اور وہ جب تک اصلاح بین المومنین و بین الاخوۃ
ہم نہ کریں اور ہم میں وہ رائج نہ ہوں تب تک نہیں ہو سکتے۔ لہذا اصلاح کرو و فلاح پاؤ۔
صالح بنو۔ مصلح ہو۔ امر بالمعروف کرو۔ رغبت بدہ نہی عن المنکر کرو۔ سب سے بہتر یہ ہو کہ حسب
حکم قرآنی ہر طایفہ میں سے ایک جماعت ہر جانب میں ہونی چاہیے جو تفقہ فی الدین
و دعوت الی الخیر کر کے اپنی سے لوگوں کو آگاہ کرتی رہے۔ دوسرے بموجب حکم
قرآن مجید زکوٰۃ پر کام کرنے والے لوگ مقرر ہونا چاہیے جنکی اجرت زکوٰۃ میں سے
دی جاوے اور زکوٰۃ کا باقاعدہ متفقہ انتظام ہونا اور مصرف زکوٰۃ میں مال زکوٰۃ
صرف ہونا چاہیے۔ پس یہ دونوں امور یعنی تفقہ و جمع و خرچ زکوٰۃ جو بہت
ضروری ہیں اور جن کے ہوتے رہنے سے ہر قسم کی اصلاح و فلاح ہو سکتی ہے
اور ہوتی تھی ہم میں رائج نہیں ہیں۔ ان کا رواج دینا اور ان پر عمل کرنا کل امراض کے
علاج سے زیادہ مقدم و اہم اور کسی سے کم نہیں ہے۔ ان کے ترک سے یقیناً ہماری

حالت بدتر ہوگئی ہے اُن کو شروع کرنا فرض اور اور کاموں سے مقدم ہے۔ اپنے پیشہ مین کمال پیدا کرنے کے سوا اپنے ملک کی تاریخ وجغرافیہ کا جاننا بھی مقدم ہے تم کو یہ ضرور معلوم رہنا چاہیئے کہ تم جس ملک مین پیدا ہوئے ہو اُس کا حاکم کون ہے حکومت کس قسم کی ہے۔ کب اس قسم کی حکومت کی ابتدا ہوئی اس سے پہلے اس ملک کی کیا کیفیت تھی۔ ملک کی حالت۔ دولت۔ زراعت وتجارت کا کیا حال ہے کن ملکون سے اُس کا تعلق ہے۔ کون سی اشیا غیر ملک سے آتی اور کون کون اشیا دیگر ممالک کو جاتی اور کس حالت مین وہ آتی جاتی ہین۔ ہمارے ملک کی اشیا غیر ملک مین جاکر وہان کی صنعت سے درست ہوکر پھر ہمارے ہاتھ زیادہ قیمت پر فروخت ہوتی ہین یا کیا ہوتا ہے نتیجہ مین نفع ہمارے ملک کو ہے یا دوسرے کو آب وہوا کیسی ہے اُس کا اثر زمین وصحت وباہمی اتحاد پر کیا پڑتا ہے۔

علم وعمل باخلاص۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قابل رشک دو شخص ہین ایک وہ جسے خدا نے مال دیا ہو اور اُس کو جایز جگہ صرف کرنے کی توفیق دی ہو۔ دوسرے جسے خدا نے حکمت عطا کی ہو اُس پر وہ خود عمل کرتا اور دوسرون کو اس کی تعلیم دیتا ہو (بخاری عن ابن مسعودؓ) اکابر نے فرمایا ہے کہ آدمی سب تباہ کار ہین مگر عالم وعالم سب ہلاکت مین ہین مگر عامل اور عامل بھی ایسے ہی حالت مین ہین مگر مخلص۔

با درخت علم نہ دانم مگر عمل ۔۔۔ با علم اگر عمل نہ کنی شاخ بے بری
علم آدمیت است وجوانمردی وادب ۔۔۔ ورنہ ددی بصورت انسان مصوری
ہر علم را کہ کار نہ بندی چہ فایدہ ۔۔۔ چشم از برای آن بود آخر کہ بنگری
علم چندان کہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چون عمل در تو نیست نادانی

نہ خردمند بود نہ دانشمند — چارپائے برو کتابے چند

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

العلم بدون العمل وبال والعمل بدون العلم ضلال۔ عالم بے عمل عقیم۔ وعمل بے علم سقیم۔ وازدواج ہر دو نتیجِ نتائج عظیم۔ عالم ناپرہیزگار۔ کور مشعلہ دار عالم بے عمل زنبور بے عسل۔ پڑہنا بعض وقت دماغی عیاشی ہے اگر عمل علم صحیح نہ ہو تو بد معاشی ہے۔ دو کس رنج بیہودہ بردند سپکے آنکہ آموخت و نکرد و دیگرے اندوخت و نہ خورد۔ کسی ملک مین بغیر عامل جماعتون کے صرف علماء کے باعث آبادی کا وجود مین آنا ہی ناممکن ہے اور ضروریات تمدن و معاشرت کا پورا ہونا ہی محال ہے لیکن اگر بفرض محال کسی خطہ مین ایسی ناشدنی کالونی چند روز کے لیئے آباد ہو جائے تو انجام کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ بعض کو مطالعہ کے ذوق و شوق مین دو ایک روز بھوک و پیاس کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ بعض کو کسی مشکل مسئلہ کے حل ہو جانیکی خوشی مین دو ایک وقت کہانے کی کچھ پروا نہ رہے اور بعض کو کسی مضمون کے ذہن مین کچھ دیر تک خورد و نوش کا مطلق خیال نہ آوے مگر بہت جلد ہم اُن کو ایک ایسی مخلوق پاوین گے جو بہوکی ہے مگر اُس کا رزاق نہین۔ ننگی ہے مگر کوئی اُس کا ستار نہین۔ حاجتمند ہے مگر کوئی اُس کا قاضی الحاجات نہین۔ اب یا تو اُنکو عمل کرنا پڑے گا یا ہجرت کر کے (حالانکہ یہ بھی عمل ہوا) کسی ایسے ملک مین جا کر رہنا پڑے گا جہان اُن کے لیئے فرمانبردار بندے یا بندہ پرور خدا موجود ہو۔ دونون حالتون مین نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہہ دُنیا محض علم سے نہین چل سکتی۔ کتابون کے

الفاظ اور علمون کے اصطلاحات کے یاد کرنے سے اور طوطے کے طرح علمی مسایل و
قواعد کے ازبر کرنے سے کوئی شخص نہ آپ کو اور نہ ملک کو کچھ اصلی فایدہ پہنچا سکتا ہے
بلکہ ایسے لوگ ملک کے حق مین مضر ثابت ہوئے ہین۔ جس علم کی کہ انسان کو ضرورت
ہے وہ وہ علم ہے جو ہمارے ساکن اور پژمردہ قوتون کو متحرک اور شگفتہ و شاداب کرے
اور استعمال کا طریقہ بتا دے نہ وہ جو ہمارے متحرک اور شگفتہ قوے کو بھی ساکن اور
مردہ کر دے ایسے علم سے بے علمی سو درجہ بہتر ہے۔ فنون تربیت یافتہ قوت کے پھول
اور ہر کام مختلف قوتون کی یکجائی نمایش ہین وہ دل بہلانے کے لیے نہین بلکہ مفید بننے
و بنانے و راحت پہنچانے کے لیے ہین باریک و علمی نگاہ معقول پسندی کم سے کم معمولی دستگاہ
ہونا چاہیے۔ ایک قسم کے عالم بے عمل وہ ہین کہ تمام اوقات اپنے قانون فقہ ظاہر مین
لگا کر منہمک ہو کر دیگر اعمال ترک کر دیتے ہین اور یہ نہین سمجھتے کہ فقہ ایک قانون ہے جسکے
رو سے سیاست کی جاتی ہے اور وہ علوم و عمل اُسکے سوا بھی ہین جن سے سعادت
و نجات حاصل ہوتی ہے۔ ایک قسم کے عالم بے عمل وہ بھی ہین کہ اپنے تمام وقت کو
وعظ کہنے اور مقفی و مسجع عبارت کی فکر مین صرف کرتے ہین اور عاریتی باتین کہتے ہین
اس وجہ سے کبھی لوگون کے دل پر اُن کے وعظ و جذبات کا اثر نہین ہوتا اور ایسے
عالم نہین سمجھتے کہ دوسرون کو نصیحت کرنے سے صرف سعادت و نجات نہین
حاصل ہوتی بلکہ خاص قسم کے مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے اور اپنے دل کے
پاک کرنے و عالم باعمل ہونے سے اور جب یہ درجہ بقدر ضرورت حاصل ہو جاوے
تب البتہ دوسرے کو باعتدال نصیحت کرنا افضل الاعمال ہے نہ با فراط
کہ اسی مین مشغول ہو جانا۔ ایک قسم کے عالم بے عمل وہ بھی ہین کہ نفس علم کی حقیقت کو

غلط سمجھتے ہین اور جو علم فرض عین ہین اُن کے عمل کو چھوڑ کے جدل اور مناظرہ یا
خصومات کے فتوے وغیرہ مین اپنا دل گداز دیتے ہین اور اسی کو نتیجہ علم کا سمجھتے ہین اور
جو شخص اس کے سوا دوسرے علوم مین وقت صرف کرتا ہے اُس کو بُرا اور غیر ضروری
علم مین مشغول سمجھتے ہین حالانکہ اس عمل پر بھی نجات وسعادت منحصر نہین - ایک قسم کے
عالم بے عمل وہ بھی ہین کہ جانتے ہین کہ دل کو اخلاق بد سے پاک نہ کرنا بُرا ہے
اور اُس سے بچنا چاہیئے لیکن یہ زعم باطل رکھتے ہین کہ ہمارا دل پاک ہے ہم سے
ایسی بُرائی ہو ہی نہین سکتی کیونکہ ہم اُس کی بُرائیون کو سمجھتے ہین حسد کو حمیت دینی
اور ریا کو مصلحت خلق کہتے ہین - اسی طرح ہر ایک بُرائی کرنے کے لئے ایک حیلہ
اُن کا نفس بنا لیتا ہے - جب اُن مین کبر کا اثر ظاہر ہوتا ہے تو اُس کو کبر نہین سمجھتے
اور کہتے ہین کہ ہماری عزت عین دین کی عزت ہے - لہذا ہمارا طلب جاہ کرنا انسب ہے
پس اچھا کپڑا اچھا گھوڑا اچھا ساز وسامان رکھتے ہین جس سے کبر کرتے ہین اور اسکی
وجہ یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہماری اس شان وشوکت سے دشمنان دین کو ذلت ہوگی
کیونکہ ہم علماے دین مین سے ہین اور آنحضرتؐ اور خلفاے راشدینؓ کی پیروی
نہین کرتے اور اُن کو مثال ونمونہ نہین بناتے اور سمجھتے ہین کہ بر خلاف اُس
زمانہ کے اب ایسا زمانہ ہے کہ بغیر شان وشوکت کے دین کی عزت نہین ہو سکتی - ایک
قسم کے عالم بے عمل وہ بھی ہین کہ اعمال ظاہری ادا کرتے اور دل کی طہارت سے
غافل رہتے ہین اور بد خصلتون کو مثل کبر وحسد وریا وطلب جاہ وبدخواہی ورنجیدہی
مسلمانان کے کرتے ہین اور اُن کے رنج پر رنجیدہ نہین ہوتے اور اعمال ظاہری
ہی کے ادا کرنے کو سبب نجات وسعادت سمجھتے ہین وہ لوگ اخبار پر خیال نہین کرتے

کہ اُن کے حسنات علانیہ و بالجہر بجائے اُن کے یا دوسرے کے مفید ہونے کے غلو و افراط کے وجہ سے ریا و سیأت ہو جاتے ہین۔ ایک قسم کے عالم بے عمل وہ بھی ہین کہ معاملات مین خطا کرتے ہین اور چشم و زبان وغیرہ کو گناہون سے نہین بچاتے اور سمجھتے ہین کہ علم مین وہ ایسے درجے پر ہین کہ معاملہ کے بابت اُن جیسون سے مواخذہ نہ ہوگا حالانکہ خداے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قد افلح من تزکی و نھی النفس عن الھوی یعنے فلاح وہ شخص پاوے گا کہ پاک ہو جاویگا یہ نہین کہا کہ فلاح وہ پاوے گا جو پاک ہونے کا علم حاصل کرے گا۔ اگر ایسے شخص کو یہ زعم فضیلت علم مین جو اخبار ہین اُن کے دیکھنے کے وجہ سے ہوا ہو تو اُس کو چاہیئے کہ برے عالمون کی شان مین جو وعید ہین اُن کو بھی دیکھے۔

اخسرین اعمال اور اُس کے تارک۔ بروے اعمال سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے وہ لوگ ہین کہ جن کی سعی دنیا کی زندگی مین بھٹک رہی ہو اور وہ سمجھتے ہون کہ وہ اچھا عمل کرتے ہین لیکن اپنے رب کی آیات کے ساتھ انکار عملی کرتے ہون اور اُس کی لقا سے منکر ہون۔ پس یہ لوگ وہ لوگ ہوے جو عمل تو کرتے ہین لیکن نیک عمل نہین کرتے اور دنیا کی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہین اور حیات بعد الممات سے منکر ہین اور عذاب و ثواب و وعدہ و وعید سے بھی انکار کرتے ہین۔ سورہ کہف مین ہے۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم الآیہ

دنیا کی زندگی متاع الغرور ہے اس جیسے مین عمل سے ثواب یا عذاب ہوتا ہے وہی اصل ہے جو متاع الغرور نہین ہے۔ سورہ حدید مین ہے۔

اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب و — تم لوگ جان لو کہ سوا اس کے نہین کہ دنیا کی زندگی

لهو و زينة و تفاخر بينكم و	کھیل ہے اور دل بہلانا اور زینت ہے اور آپس میں فخر کرنا ہے
تكاثر في الاموال والاولاد كمثل	اور ایک دوسرے سے کثرت چاہنا ہے اموال اور اولاد میں
غيث اعجب الكفار نباته	مثل پانی کے کہ خوش لگتا ہے کسانوں کو اُس کا اُگنا
ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يكون	پھر زور پر آتا ہے سو تو دیکھتا ہے اُسکو زرد ہوا پھر ہو جاتا ہے
حطاما وفي الآخرة عذاب شديد	روندن اور آخرت میں عذاب سخت ہے اور مغفرت اور
ومغفرة من الله ورضوان و	رضامندی اللہ کیطرف سے ہے۔ اور نہیں دنیا کی
ما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور	حیات مگر متاع غرور کی۔

پس اس آیت میں دنیا کی زندگی میں جو جو امور پیش آتے ہیں اُن کو شمار کر کے مثال دی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی اس مثال کے مانند ہے کہ پانی کے وجہ سے جو سبزہ اُگتا ہے اور پھر زور پکڑتا ہے تو زراعت کنندہ کو عجب خوشی ہوتی ہے پھر وہ زرد پڑ کر روندن ہو جاتا ہے یعنے دنیا کا جینا اور اُس میں اعمال کرنا سبب خوشی کا ہوتا ہے کیونکہ اُس سے اُمید کامیابی ہوتی ہے پھر چند دن میں آثار تنزل شروع ہوتے ہیں جو مانند کھیتی کے زرد پڑ جانے کے ہیں۔ پھر موت آجاتی ہے جس کی مثال کھیتی کے روندن ہو جانے کے ہے۔ لہذا دنیا کی زندگی اور اُس میں اعمال کا یہ آغاز و انجام ہے اور اُن اعمال سے جو عذاب و ثواب ہوتا ہے اُس کے طرف اللہ تعالےٰ نے اس طرح اشارہ فرمایا کہ آخرت میں عذاب شدید و مغفرت اللہ کے طرف سے ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی اور اُس کے اندر کے اعمال کی وہ مثال ہے اور اُن اعمال پر جو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور جو اُن کا نتیجہ ہوتا ہے وہ یہ ہے۔ پس زندگی کے اعمال مذکورہ پیدا ہونا اور بڑھنا اور مرجانا ہو سکے۔ مگر جو اعمال مذکورہ کسب زندگی میں ہو کے

اُن کا ایک نتیجہ ہے اسی لیے پھر اللہ تعالے نے فرمایا کہ حیات دنیا نہین مگر متاع الغرور یعنے جو لوگ دنیا کی زندگی و افعال مذکور ہی کو سب کچہہ سمجھتے ہین وہ غلطی کرتے ہین وہ تو متاع الغرور ہے۔ اصل دنیا کے جینے مین اعمال کا بدلا ملنا ہے۔ پس جس کی مغفرت ہوئی اور اللہ اُس سے راضی ہوا وہ متاع الغرور مین اپنے افعال کے اجر کے وجہ سے فایز ہوا اور جس کو عذاب ہوا اُس کو فلاح نہ ہوئی۔

منافق و حرام خور و اثم و عدوان کے جلدی کرنے والون اور نہ منع کرنے والون پر وعید سورہ مایدہ مین ہے۔

قل هل انبئكم بشر من ذالك	تو کہہ مین تم کو آگاہ کرون اس سے بدتر جزا مین
مثوبة عند الله من لعنه الله	اللہ کے نزدیک جس پر لعنت کیا ہے اللہ نے
وغضب عليه وجعل منهم القردة	اور غضب مین ہوا اُس پر اور ٹھرایا ان کو بندر اور
والخنازير وعبد الطاغوت اولئك	سور اور جو پوجنے والے معبود باطل کے وہ لوگ
شر مكانا واضل عن سواء السبيل	بدتر ہین درجہ مین اور زیادہ گمراہ ہین راہ راست سے
واذا جاؤكم قالوا امنا وقد دخلوا	اور جب تمہارے پاس آتے ہین کہتے ہین ایمان لائے
بالكفر وهم قد خرجوا به والله	ہم حالانکہ داخل ہوئے ہین کفر پر اور نکل گئے ہین اسیپر
اعلم بما كانوا يكتمون وترى	اور اللہ زیادہ جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہین اور تو دیکھتا ہے
كثيرا منهم يسارعون في الاثم	انہین سے بہت کو کہ جلدی کرتے ہین اثم اور عدوان اور
والعدوان واكلهم السحت لبئس	حرام کہانے مین برا ہے جو وہ کرتے ہین کیون نہین منع
ما كانوا يعملون لولا ينهاهم الربانيون	کرتے اُنکے عابد پست اور علما گناہ کی بات کہنے اور
والاحبار عن قولهم الاثم واكلهم	حرام کے کہانے سے برا ہے

اسٔت لبئسَ ما کانوا یصنعون ٥ جو وہ کرتے ہین۔

پس اُن کی بُری جزا ہے جس پر لعنت کیا اللہ نے اور اُن پر غضب ہوا اور اُن کو بندر و سور یعنے جماعت سے جدا اور قابل تنفر اور مخصوص بصفات و نتایج بندر و سور بنادیا اور معبود باطل کے پوجنے والے اور اُن کا درجہ بدتر ہے اور وہ بہت گمراہ ہین سیدھی راہ سے اور وہ وہ لوگ ہین کہ جب آتے ہین تو کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ایمان سے نکل گئے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہین اور وہ جلدی کرتے ہین اثم و عدوان و حرام خوری مین۔ پس یہ وعید شدید منافقین کے بابت ہوئی جو اثم و عدوان و حرام خوری مین جلدی کرتے تھے۔ نیز ان آیات مین اُن کے خدا پرستون اور عالمون کے نسبت یہ کہا گیا ہے کہ کیون وہ منع نہین کرتے اُن کے اثم کی باتون کے کہنے اور حرام کھانے سے بُرا ہے جو وہ کرتے ہین یعنے منع نہین کرتے۔ لہذا منع نہ کرنا خدا پرستون عالمون کیلئے بھی بُرا ہے۔

اظہار حق کا امر و کتمان حق و التباس حق بالباطل کی ممانعت۔

سورہ بقر مین ہے۔ ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون — اور نہ مخلوط کرو حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو درحالیکہ تم جانتے ہو۔

پس اس آیت سے جس طرح جانتے ہوے حق کے چھپانے کی ممانعت ہے اُسی طرح حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی بھی ممانعت ہے۔

خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت۔ سورہ بقر مین ہے۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون ٥ — کیا تم حکم کرتے ہو آدمیون کو بر کے ساتھ اور بھلا دیتے ہو اپنی نفسون کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب سو کیا تم عقل نہین رکھتے۔

پس اس آیت سے خود بر نہ کرنا اور دوسرون کو اُس کا امر کرنا معیوب قرار دیا گیا ہے خصوصاً اُن لوگون کے لئے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہین اور کہا گیا ہے کہ کیا تم عقل نہین رکھتے یعنے یہ عقل نہین رکھتے کہ اپنے نفس کو محفوظ رکھنا درجۂ سعادت تک پہنچانا اُس سے بہتر و عقلمندی ہے کہ پر کا امر کیا جاوے اپنے کو چھوڑ کر دوسرے کو کیا جاوے - کتاب اللہ کا مقتضا یہ ہونا چاہیئے کہ ایسا نہ کیا جاوے اور خود را فضیحت اور دیگرے را نصیحت کا مصداق طریق مذکور ہے۔

کتاب کے بعض حصہ پر عمل کرنا اور بعض پر نہ کرنا دنیا کی رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کا سبب ہے - سورہ بقر مین ہے

افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون	کیا تم ایمان لاتے ہو بعض حصہ کتاب پر اور
ببعض فما جزاء من یفعل ذٰلک	کفر کرتے ہو بعض حصہ کتاب سے سو کیا بدلا ہے جو کرے تم مین
منکم الا خزی فی الحیوٰة الدنیا	اُسکو مگر رسوائی دنیا کی زندگی مین اور قیامت کے
ویوم القیٰمة یردون الی اشد العذاب	دن پھیرا جارے گا سخت عذاب کیطرف اور اللہ
وما اللہ بغافل عما تعملون ہ	اُس سے غافل نہین ہے جو تم کرتے ہو۔

پس کسی کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لانا اور بعض سے انکار یا کفر کرنا دنیا مین رسوائی یعنی ذلت و رسوائی اور قیامت کے دن عذاب کا سبب ہے - لہذا کتاب اللہ کے سب حصص پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ پورے نظام پر عمل ہو اور ایسا نہ ہو کہ خلط ملط ہو کر غیر منظم و قاعدہ عمل ہو جاوے

موروثی جذبات کا وجود و دشواری و ازدواج و عاقلہ تربیت

تعلیم - ہم اُن لوگون مین نہین ہین جو اس اصول کے معتقد ہین کہ تمام بچے نیک پیدا ہوتے ہین بلکہ اُس کا مخالف اصول بحیثیت مجموعی راستی سے اس قدر دور نہین اگرچہ وہ مستحکم بھی نہین - ہم اُن لوگون سے بھی متفق نہین ہین جو یہ خیال کرتے ہین کہ عاقلانہ تربیت سے

بچون کو بالکل ایسا ہی بنا سکتے ہین جیسا اُن کو چاہین۔ ہم کو اطمینان ہے کہ عیوب عاقلانہ انتظام و تربیت و تعلیم سے بچون مین کم ہو سکتے ہین۔ جن لوگون نے انسانی معلومات و فطرت کا مطالعہ بے تعصبانہ کیا ہے وہ ہماری تائید کرین گے۔ علی العموم بچون کے عیب اُن کے والدین کے عیبون کا آئینہ ہین۔ ہم نے لفظ "علی العموم" کہا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بعید مورثون کے خط و خال جو اولاد تک پہنچتے ہین پیچیدہ ہو جاتے ہین۔ اس لئے مطابقت خاص امور مین ہوتی ہے اور موروثی جذبات اولاد و خود والدین مین موجود رہتے ہین۔ گو ممکن ہے کہ چھپے ہوئے یا دیگر خیالات مین دبے ہوئے ہون۔ پس صاف ظاہر ہے کہ کسی کامل طریقہ تربیت کے عام طور پر رواج پانے کی اُمید نہین ہے کیونکہ والدین ایسے نیک نہین ہین جیسے ہونے چاہیئن۔ اخلاقی تعلیم قوم کی عام خصلت اور انسانی فطرت کی عام حالت کے موافق ہوتی ہے۔ علاوہ برین اگر ایسے طریقون کا کہین وجود ہوتا جن کے ذریعہ سے مقصد مطلوب فوراً پورا ہو سکتا۔ اور ماں باپ مین اس قدر بصیرت، ہمدردی اور تحمل ہوتا کہ وہ ان طریقون کو معقول طور پر کام مین لا سکتے تو بھی یہ بحث کی جا سکتی کہ جتنی مدت مین دیگر امور کی اصلاح ہوتی ہے اُس سے چال چلن کی اصلاح و انتظام کرنے سے کچھ فایدہ نہین ہے۔ غور تو کرو کہ ہمارا مقصد کیا ہے؟ کیا تعلیم کا بلا واسطہ مقصد یہی نہین ہے کہ بچہ کو زندگی کے کاروبار کے لئے طیار کیا جاوے یا یون کہو کہ ایسا باشندہ شہر پیدا کیا جاوے جو نیک چلن بھی ہو اور دنیا مین اپنے گزارہ کی سبیل بھی نکال سکے اور کیا دنیا مین گزارہ کی سبیل نکالنا جس سے ہماری مراد دولت کو حاصل کرنا نہین بلکہ اُس سرمایہ کا حاصل کرنا ہے جو خاندان کی

پرورش کے لئے ضروری ہے۔) اس امر پر دلالت نہین کرتا کہ دنیاوی معاشرت کے لئے جیسی کہ دنیا کی موجودہ حالت ہے ایک خاص طرح کی قابلیت پیدا کیجاوے۔ اور اگر تعلیم و تربیت کے کسی طریقہ سے "انسان کامل" کا نمونہ پیدا ہو سکتا تو کیا یہ بات مشتبہ نہیں ہے کہ وہ حالت موجودہ کے اعتبار سے دنیا کے قابل ہوتا یا نہین برعکس اس کے کیا ہم یہ گمان کر سکتے کہ ضرورت سے زیادہ راستی کا احساس اور اعلی چال چلن کا معیار زندگی کو وبال بلکہ محال نہ بنا دیتا؟ اگر شخصی حیثیت سے غور کیا جاوے تو اُس کا نتیجہ خواہ کیسا ہی قابل تعریف ہوتا مگر جہانتک کہ قوم اور نسل کا تعلق ہے کیا وہ نتیجہ آپ اپنی ناکامی کا باعث نہ ہوتا؟ اس خیال کی کافی وجہ موجود ہے کہ قوم مین کیا۔ خاندان مین کیا حکومت کی نوعیت بحیثیت مجموعی اتنی ہی عمدہ ہوتی ہے جتنی کہ فطرت انسانی کی عام حالت اُس کو عمدہ ہونے کی اجازت دیتی ہے۔ ہم دلیل سے ثابت کر سکتے ہین کہ پہلی صورت مین اور اسی طریق سے دوسری صورت مین لوگون کی عام خصلت ہی اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ اُن پر کس قسم کی حکومت کی جاوے۔ دونون صورتون مین یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عام خصلت کی اصلاح طریقہ کے اصلاح کیطرف ہدایت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر طریقہ کی اصلاح اُس وقت تک محال ہوتی جب تک کہ پہلے عام خصلت کی اصلاح نہ ہو جاوے تو اس سے خرابی پیدا ہوتی نہ کہ بھلائی۔ جس درجہ کی سختی والدین اور معلمون کے ہاتھون بچے آجکل جھیلتے ہین ہم خیال کر سکتے ہین کہ وہ صرف اُس بڑی سختی کے لئے تیاری ہے جس سے اُن کو دنیا مین داخل ہوتے وقت دوچار ہونا پڑے گا اور اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ اگر والدین

اور معلمون کے لئے یہ بات ممکن ہوتی کہ وہ کامل انصاف اور پوری ہمدردی سے بچون کے ساتھہ سلوک کرین تو اس سے وہ تکلیفین اور بھی سخت ہو جاتین جو آیندہ زندگی مین لوگون کی خود غرضی کے وجہ سے اُن کو ضرور جھیلنی پڑتی ہین۔ جس طرح ملکی حکومت مین گو خالص راستی سردست ناممکن العمل ہو اس بات کا جاننا کہ حق کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو تغیرات واقع ہون وہ حق کیطرف مایل ہون نہ کہ حق سے منحرف ہون۔ اسی طرح خانگی حکومت مین کامل نمونہ قایم کرنا چاہیئے تاکہ رفتہ رفتہ اس نمونہ کے قریب قریب پہنچ سکین۔ ہم کو ایسے کامل نمونہ کے قایم کرنے سے خراب نتیجہ کا اندیشہ نہین کرنا چاہیئے۔ قدیم رسوم اور آئین کو برقرار رکھنے کا میلان نسل انسانی مین اس قدر قوی ہے کہ کسی شے مین بہت جلد تغیر واقع ہونے کو روکتا ہے۔ سب کامون کا انتظام کچھہ اس قسم کا ہے کہ جب تک لوگ آہستہ آہستہ اعلیٰ اعتقاد کی سطح تک نہ پہنچ جاوین وہ اُس کو قبول نہین کر سکتے گو یہ ممکن ہے کہ برائے نام اُس کو تسلیم کرلین مگر حقیقتاً تسلیم نہین کر سکتے۔ اور جب کوئی حقیقت مسلم قرار پا جاتی ہے تو بھی اُس پر عمل کرنے کی مزاحمتین اس قدر سخت ہوتی ہین کہ محبان نوع انسان بلکہ حکمار کے صبر سے بھی تجاوز کر جاتی ہین۔ پس ہم کو یقین ہے کہ اولاد کے باقاعدہ انتظام کی راہ مین جو دقتین حایل ہین اُن کے وجہ سے اُسپر عمل کرنے مین ہمیشہ پوری رکاوٹ پیدا ہوگی۔

تعلیم و تربیت کے مقصد و فرایض و معلمون کے فرایض

علاوہ ضروریات خاص قومی و مذہبی و ملکی کے عام مقصد تعلیم و تربیت کا حسب ذیل ہے۔

(۱) غرض اول جسمانی صحت کا حصول ہے۔ جسمانی ورزش کا مقصد و فایدہ

جسم کے اعصاب و عضلات کی مضبوطی بھی ہے و باقاعدہ اطاعت کرنا بھی۔ (۲)
دوسری غرض نفس پر قابو کرنا اور تزکیہ نفس اور خراب و مضر عادتوں و برے
خصایل و بدیوں سے بچنا اور نیکی حاصل کرنا ہے۔ (۳) تیسری غرض مذہب حق کا
علم حاصل کرنا اور اُس پر پابند ہونا ہے۔ (۴) چوتھی غرض تعلیمی غرض جو ہے
اور اُس کے فواید جو ہین اُن سے دوسرون کو بھی مستفید کرنا ہے۔ (۵) پانچوین
غرض محب وطن ہونا اور اپنے ملک کے ان مایۂ ناز اشخاص کو عزیز رکھنا ہے جن کو
اپنے ملک کی ترقی و عزت کا پورا احساس نہ احساس بلکہ جوش قومی دحقیقی ہو جبتک
کسی قوم مین اعلیٰ و متوسط و عام تعلیم نہ ہو تب تک وہ قوم اصلی ترقی نہین کرسکتی
اور نہ تعلیم و تربیت سے کما حقہ فایدہ اُٹھا سکتی ہے۔ ایک کثیر تعداد عام تعلیمیافتہ
اشخاص کی ایسی موجود ہونی چاہیئے کہ جو کچھ اعلیٰ تعلیمیافتون کی ایجادات و تحقیقات
متوسط تعلیمیافتون کے ذریعہ سے اُن تک پہنچے اُن سے فایدہ اُٹھا سکین ورنہ
قومی سرسبزی ناممکن ہے۔ لہذا اعلیٰ و متوسط و تعلیم عامہ کا انتظام پہلو بہ پہلو اور ایک
ساتھ لازمی ہے۔ تعلیمی پالیسی آزادانہ و فاقلانہ تعلیم کو ترقی دینے کے لئے ہونی چاہیئے
تعلیم عامہ کے لئے ہر شخص کے لئے مختصر سے مختصر معیار تعلیم کا مقرر ہونا اور اُس کیلئے
بغیر مصرف خرچ کے سادہ و صاف سامان کا مہیا ہونا لازم ہے۔ اور سائنس و علم النفس
وغیرہ کی پوری تعلیم متوسط اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتون کے لئے ہونا چاہیئے۔
تعلیم اس کا نام نہین ہے کہ ذہن مین ٹھونس دیا جاوے بلکہ تعلیمی اصولون کے
راسخ کرنے کا نام تعلیم ہے۔ تعلیم کا یہ نتیجہ ہونا چاہیئے کہ قواے ظاہری و باطنی ترقی
پاوین اور شگفتہ و شاداب و قابل عمل ہو جاوین اور اُن کے عمل کرنے کیلئے میدان

وسامان و محرکات موجود ہو جاوین جن کے ذریعہ اصلاح و فلاح ہو۔ تعلیم کا پھل اُس وقت تک نہین مل سکتا جب تک کہ ذیل کے خصائص نہ حاصل کئے جاوین۔ (۱) پڑھنے کی عادت اگر ذریعہ پڑہنا ہو۔ (۲) اخذ کرنے کی قوت۔ (۳) غور کرنے کی عادت۔ (۴) بحث کرنے کی قابلیت۔ (۵) شرافت و نیکی کے احترام کا احساس۔ (۶) نفس پر قابو کی طاقت۔ (۷) صبر و اتحاد و اتفاق کی صلاحیت۔ (۸) جھگڑون و فساد و معصیت سے بچنے کی طبیعت۔ ٹیچر و پروفیسر اور معلم مشین نہین ہین بلکہ وہ سانچے مین ڈہالتے اور اپنی محنت اور دماغ سوزی سے اور خود مثال بنکر سوسایٹی کی حالت و عادت کو منقلب کرتے ہین۔ پس محض امتحانونکا پاس کرا دینا اُن کا نصب العین نہین ہونا چاہیئے۔ معلمون کی حیثیت ملک کے بادشاہ سے بھی زیادہ ارفع و اعلی ہے۔ لہذا معلمون کو نہایت مضبوط اور خوش اطوار و راست کردار ہونا چاہیئے۔ اُن کا اثر شاگردون پر عملی طریق سے دمعلوم دغیرمعلوم مقناطیسی طور پر پڑتا ہے اور شاگرد اُن کے اقوال و افعال و حرکات کی پیروی کرتے ہین۔ پس قبل اس کے کہ شاگرد باقاعدہ ہونے کے خوگر ہون معلمون کو لازم ہے کہ خود اپنے آپ کو پابند بنائین۔ مباحثات اور تباہی بخش نکتہ چینی سے اُن کو بچنا اور اُس کام کو کرنا چاہیئے جس سے قومی عمارت کھڑی ہو جاوے۔ اُنکو ملکی خدمات ایسی کرنی چاہیئے جس سے ملک کو حقیقی فایدہ پہنچے۔ راستبازی و امانت۔ نیکی اور ملکی خدمت کے جوش کے اوصاف اُن کو دکہانا چاہیئے۔ لہذا ٹیچرون اور انسپکٹرون کو خاص طور پر تعلیم و تربیت دیکر طیار کرنا چاہیئے جن کو خصوصیات ملکی سے نفرت ہو اور عزت نہ کرتے ہون اُن سے ایسے کام کا انجام قریباً ناممکن ہے،

انسپکٹرون کے فرائض بڑے ہین تعلیمی اصلاح کا بہت بڑا کام اُنہین پر منحصر ہے کیونکہ محکمہ تعلیم کے افسر اعلی کے وہ آنکھ اور کان ہین۔

اصول تعلیم و تربیت کم سِنی و میقات۔ بچہ کے سامنے انجن کا لفظ آتا ہے اس بتا دینے سے کہ انجن ایک لوہے کی بنی ہوئی خاص قسم کی گاڑی ہوتی ہے جو باقی گاڑیون کو کھینچتی ہے زیادہ ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ انجن کی صورت دکھادی جاوے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ انجن کا کھلونا لاکر سامنے رکھدیا جاوے اُس سے بھی بڑھ کر و بہتر طریقہ یہ ہے کہ بہت چھوٹی ساخت کی اصل انجن مشاہدہ کرائی جاوے جن کے کل پرزے مثل بڑے انجنون کے ہون اور جو انھین کے طرح بھاپ کی قوت سے حرکت کرین۔ اس طریقہ سے بچہ کو ایک دن مین انجن سے جتنی واقفیت ہو سکتی ہے اُتنی ساری عمر انجن کے لفظی معنے یاد کیئے رہنے سے نہین ہو سکتی۔ دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو بچون کے افعال مین مداخلت نہ کی جاوے۔ تعلیم و تربیت کرنے والے کا کام صرف یہ ہے کہ ایسا سامان بچہ کے گرد و پیش بہم پہنچاوے جس سے وہ از خود تعلیم حاصل کرے نہ یہ کہ ہر بات بتاتا رہے

هر که در خوردیش ادب نه کنند ... در بزرگی فلاح ازو برخاست
چوب تر را چنان که خواهی پیچ ... نشود خشک جز به آتش راست

جو لوگ زندگانی کے عطیون اور نعمتون سے مستفیض ہونا چاہتے ہین اُن کو یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی کے مختلف وقت اپنے خاص مطالبہ رکھتے اور کامیابی و ناکامیابی کے خاص موقع پیش کرتے ہین۔ پس انسان کے عمدہ صفات اور خوبیون کے حاصل کرنے اور قایم ہونے کے لئے خاص خاص وقت ہین

اگر وہ اُن میں نہ حاصل ہوں تو یا تو وہ حاصل ہی نہیں ہوتے یا اُس قدر اچھے
طور پر نہیں حاصل ہوتے جیسا کہ وقت پر حاصل ہوتے۔ لہذا بہت سی صفات
اگر انسان کی کم سنی میں جو اُن کا وقت ہے نمو نہ ہوں اور نمو نہ پاویں تو ممکن نہیں کہ بڑی
عمر میں حاصل ہوں۔ پس صفات مذکورہ کو کم سنی اور ابتدائی عمر میں حاصل ہونا
اور اُن کی عادت ہونی اور مشق پڑنی چاہیے اور جن کے نگرانی و قبضے میں بچے ہوں اُن
اُن کا فرض ہے کہ بہترین کوشش اُن کے وقت پر اُن کے حاصل ہونے اور نمو
دلانے کے لئے کریں بلکہ خود مثال و نمونہ بنکر ثابت کریں تاکہ بچے فایدہ اُٹھاویں اور
اُن کے اولیاء بھی عذاب سے امن میں رہیں۔ زندگی مختلف اوقات میں اپنے
مطالبات و خاص فرائض رکھتی ہے اور خاص طریقہ تعلیم و خاص تربیت سے
خاص عادات کے اختیار کرنے سے خاص کتابوں کے مطالعہ سے صحبت سے
عبرت سے حمیت سے انسان کے عادات و اطوار کی درستی یا عدم درستی ہوتی ہے
لہذا فیلسوفان اخلاق کو لازم ہے کہ استقلال کے ساتھ اُس طرف مصروف
ہوں اور جس جس وقت اور جس جس طرح وہ حاصل ہوسکتے ہوں اُن کی تدبیر
بتاویں اور کریں۔ جس طرح پھول اپنے وقت پر پھولتا ہے اُسی طور پر انسان کے
عمدہ اوصاف و خوبیاں وقت پر ظاہر ہوتی ہیں بشرطیکہ تخم ریزی کے وقت کما حقہ
بوئے گئے اور اپنے وقت پر حاصل کئے گئے ہوں کیونکہ اُن کی کاشت و درو کا
وقت بھی خاص ہوتا ہے اور خاص طرح پر اُن کی کاشت بھی ہوتی ہے جس طرح
وہ پودہ جو لگاتے ہی زور نہیں کرتا اور کلّے نہیں پھوٹتا اور خفیف دھوپ یا ہوا سے
مرجھا جاتا ہے اور پھر سرسبز نہیں ہوتا اُسی طرح بہت سے اوصاف بھی نہیں

حاصل ہوتے اگر اچھے وقت پر نہ سکھائے جاوین اور نہ حاصل کئے جاوین۔ پس عالم کا عام طرز ہے اور اُس کے وجہ سے طبیعت انسانی کا عموماً مقتضا ہو جاتا ہے اور ایسی ترغیبین و تحریکین و دشواریان و پریشانیان انسان کے واسطے موجود ہو جاتی ہین کہ جب تک عالم اور عقلمند و مخلص نہ بنے اور خاص قسم کا مجاہدہ و ریاضت کر کے طیار نہ ہو اور بطور دوام کے اُس پر ایک خاص طور سے جیسی کہ ضرورت ہو کاربند نہ ہو تب تک ممکن نہین کہ انسان اپنی سعادت کو پہنچے اور اس دشوار گذار عقبہ کو کما حقہ طے کرے۔ کم سن ہی سے حسن اخلاق کے حاصل کرنے اور اُس کے کامل کرنے کی تیاری و مشق کرنی چاہیئے اور تا بہ عمر اُس پر ریاضت بقدر ضرورت قایم رکھنا لازم ہے ابتدائی عمر سے مآل اندیشی اور طبیعت پر اختیار حاصل کرنے کی عادت سکھائی جانی سب سے زیادہ ضروری امور مین سے ہے کیونکہ اول تو ابتدائی تربیت آسانی سے ہو سکتی ہے دوسرے اُس کا اثر عموماً تمام عمر تک قایم رہتا ہے۔ برخلاف اس کے بچپن کے ایام گذرنے کے بعد طبیعت سخت ہو جاتی اور طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہین اور مشکلات کا مقابلہ ہونا ہے نا گوار اور قدیم عادتون کا چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لہذا جیسے قومی و ملکی و مذہبی ضرورت ہو اسی قسم کے محرک تخیلات کیلیے ذریعہ تعلیم و تربیت بانا مہیا کرنا چاہیئے یعنے اگر قوت فاعلہ کے بعض خاص اثرات قبول کرانے کی زیادہ ضرورت ہو تو اُس کی ترقی کے لئے تعلیم و تربیت ہونی چاہیئے اور اگر قوت منفعلہ کے بعض اثرات زیادہ کرانے کی حاجت ہو تو اُس کے بڑھانے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔ پس نفس کی سعادت کے حاصل کرنے مین اول ایام کا دوسرے مشق کا دکیونکہ تمام قوتین مشق سے نشو و نما پاتی ہین اور

ایک قوت کی مشق دوسری قوت کی ترقی کے لیے کارآمد نہین ہوتی اور اُس کو باعتدال وخاص حد کے اندر کرنا پڑتا ہے ورنہ بجائے ترقی وکمال کے قوے مین اُس سے زوال آجاتا ہے۔) تیسرے عادت کا۔ (کیونکہ کثرت مشق سے ایک ایسی کیفیت راسخہ ہوجاتی ہے کہ جو شکل وناپسندیدہ معلوم ہوتا تھا وہ آسان و خوشگوار معلوم ہونے لگتا ہے اس لئے تہذیب نفس مین اُس کے ذریعہ سے بہت معاونت ہوتی ہے۔) چوتھے جسمانی وذہنی واخلاقی قوتون کی مقدار مناسب واعتدال کے ساتھ پہلو بہ پہلو استعمال کا۔ (کیونکہ اگر ہر ایک قوت مذکورہ کا استعمال نہین ہوتا تو بعض کمزور اور بعض قوی ہوکر نقصان وزوال قبول کرتے ہین) پانچوین تفاوت مدارج وضروریات کے اعتبار سے تعلیم وتربیت دینے وتحریکات پیدا کرنے کا۔ جو علم وقوت وفہم مین مختلف اشخاص کے ہوتا ہے۔ چھٹے بہت اور طلب کرنے کے شوق کا۔ (کیونکہ اُس کے وجہ سے عمل ہوتا ہے) ساتو اچھے معلم کا لحاظ وخیال ضروری ومقدم واہم ہے۔ جن انسانون سے کہ اکتساب متعلق ہوتا ہے اُن کے چار درجے ہین۔ درجہ اول یہ ہے کہ جس نے نیک و بدکو نہ پہچانا ہو اور نیکی یا بدی کا عادی نہ ہوگیا ہو۔ اور اب تک فطرت ابتدائی پر ہو ایسے شخص سے اصلاح پذیر ہوجانے کی جلد اُمید ہوتی ہے اور وہ نقش پذیر ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بد اعتقاد نہ ہوگیا ہو ایسے شخص کا اصلاح پذیر ہونا کچھ مشکل ہے کیونکہ ایک تو اُس کی بدعادت کو چھوڑانا ہوتا ہے دوسرے تخم نیکی کا اُس مین بونا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ باوجود بدی کی عادت کرلینے کے اُس بدی کے نیک ہونے کا بھی اعتقاد رکھتا ہو ایسے شخص کا اصلاح پذیر ہونا نہایت مشکل ہے

کیونکہ ضرور ہے کہ پہلے اُس کو سمجھایا جاوے کہ اُس کی عادت بد ہے دوسرے اُسکی عادت چھوڑائی جاوے تیسرے تخم نیکی کا اُس مین ڈالا جاوے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ باوجود خوے بد اور اُس بدی کے نیک ہونے کے اعتقاد رکھنے کے اُس پر فخر بھی کرتا ہو ایسا شخص عموماً اصلاح پذیر نہین ہوتا مگر یہ کہ تایید غیبی ہو۔

رذایل کا علاج۔ اصول عام۔ اصول علاج کا یہ ہے کہ علاج کے وقت ضرور ہے کہ پہلے اسباب و علامات سے نقصان اُس رذیلت کا کہ جس کا دفع و ازالہ منظور ہو ایسے طرح سے معلوم کرین کہ تابہ امکان اُس مین شک کی مجال نہ رہے پھر بذریعہ ارادہ عقلی کے اُس سے پرہیز کرین۔ اگر مقصود حاصل نہ ہو تو مداومت مین اُس فضیلت کے جو مقابل مین اُس رذیلت کے ہے مشغول ہون اور تکرار مین اُن افعال کے جو تعلق اُس قوت سے رکھتے ہین بوجہ افضل و طریق احمل کے مبالغہ کرین یہ معالجہ مثل علاج غذائی کے ہے۔ اگر اس علاج سے مرض زایل نہ ہو تو توبیخ و مذمت نفس کی اُس فعل پر فکر و قول و عمل کے ذریعہ سے کرین۔ اور اگر وہ کافی نہ ہو تو شہوی کے حالت مین غضبی کو اور غضبی کے حالت مین شہوی کو استعمال کرین یہ معالجہ مثل علاج دوائی کے ہے۔ اور اگر اس سے بھی فایدہ نہ ہو تو اُس رذیلت کا استعمال کرین جو اُس کے خلاف ہے مثلاً بخل کے دور کرنے کے لئے اسراف اور اسراف کے دفع کے لئے بخل۔ اور جب اُن مین عمل وسط کے قریب ہونے لگے تو خلاف کی رذیلت کے استعمال کو ترک کرین۔ یہ علاج مثل علاج سمی کے ہے کہ جب تک طبیب مضطرب نہین ہوتا نہین کرتا اور اُس کے استعمال کی حالت مین بھی کمال احتیاط کرتا ہے۔ اور اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو عقوبت اور

اعمال شاقہ اُس کا علاج ہے۔ یہ علاج مثل قطع و داغ کے ہے کہ اگر کسی عضو سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اُس کو جدا کر دیتے یا داغ دیکر اُس قدر عضو کو بیکار بنا دیتے ہین۔ اپنے عیوب اور اُس کے اسباب و علامات پر حسب ذیل طور سے بھی مطلع ہو سکتے ہین۔ (۱) شیخ طریقت کے بتلانے سے۔ (۲) اپنے خالص و بے ریا احباب کے ظاہر کرنے سے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب کا تحفہ مجہ کو بھیجے۔ (۳) لوگون کے عادات و اخلاق کو اپنے عیوب کا آئینہ بنانے سے ذکر و غور و نصیحت و عبرت حاصل کرنیسے اور دوست و دشمن جن عیوب کو منسوب کرتے ہین اُن مین تمیز کرنے سے۔ (۴) ہر عمر خصوصاً بچپن سے خدا تعالے کو حاضر و ناظر و شدید العقاب و ذو مغفرت و ثواب دینے والا جاننے و پیش نظر رکھنے سے یہ سمجھ کر کہ معصیت کو اللہ تعالے دیکھتا ہے بعد معصیت توبہ و استغفار سے اور موت کے خیال و یاد رکھنے سے بھی فایدہ ہوتا ہے۔

فعل و انفعال اعمال اور اُنکی ترقی اور اُنکا زوال۔ ان دونون باتون پر کہ عادت فعلیہ افعال کے تکرار سے پیدا اور قوی اور تاثیرات انفعالیہ بار بار کے اثر سے ضعیف ہوتی ہین اگر ساتھ ساتھ غور کیا جاوے تو یہ نتیجہ نکلیگا کہ ممکن ہے کہ جبکہ عادت فعلیہ مخصوص تحریک و ترغیب کے موافق بار بار عمل کرنے سے بتدریج پیدا اور قوی ہوتی ہو یہ تحریک و ترغیب خود بقدر مناسب قوت مین کم ہوتی جاتی ہو یعنے اس صورت مین جس قدر عادت فعلیہ قوی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر تحریک و ترغیب کا اثر برابر کم محسوس ہوتا ہے اور تجربہ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس امر کی مثالین اس طرح حاصل ہو سکتی ہین کہ خطرہ کے ادراک سے اندیشہ کی کیفیت انفعالیہ

اور اُس کے رفع کرنے کی احتیاط عملی طبعاً حرکت مین آتی ہین اور خطرہ کے عادی ہوجانے سے احتیاط کی عادت بتدریج پیدا ہوتی - اور اندیشہ کی بتدریج گھٹتی ہے اور اسیطرح مصیبت کے ادراک سے رحم بطریق انفعال بالطبع حرکت مین آتا ہے اور مصیبت کے دفع کرنے کی تحریک بطریق عمل پیدا ہوتی ہے - اگر کوئی شخص مصیبت زدون کی خدمت کرنا اور اُن کی تلاش کرنا اور مصیبت رفع کرنا اختیار کرے تو اُن تکلیفون کے سبب سے جو اُس کو دیکھنے مین آوین گی دن بدن کمتر اثر پذیر ہوگا تاہم شفقت کے قوت کو منفعلہ ہونے کی نظر سے نہین بلکہ محرک فعل ہونے کے نظر سے تقویت ہوگی اور حالانکہ وہ مصیبت زدون پر بطریق انفعال کم رحم کرے گا لیکن اُن کی یاری و مددگاری کرنے مین اُس کو بطریق عمل زیادہ آمادگی ہوگی - اسی طرح پر آدمیون کے روزمرہ اپنے گرد و پیش مرتے ہوئے دیکھنے سے اپنے وفات کی کیفیت انفعالیہ یا اندیشہ ہم مین کم ہوجاتا ہے لیکن ایسے واقعات سنجیدہ مزاج آدمیون مین موت کا خیال پیش نظر رکھہ کر عمل کرنے پر آمادہ کرتے اور اُن مین عادت عمل کرنے کی پیدا و مضبوط کرتے ہین - مرے ہوئے آدمی کے دیکھنے سے اپنے مرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ عمل کرنے کے طرف لے جاتا ہے اور جب بہت سے مُردون کو دیکھتے ہین تو اپنے مرنے کا خیال و خوف کم ہوجاتا ہے - اور اگر عمل کرنے کی عادت نہین ہوتی تو اندیشہ بھی کم آتا ہے اور عمل بھی کم ہوجاتا ہے - لہذا درستی عمل مین فعل و انفعال کا خیال ازحد ضروری ہے - عادت و اُس کا علاج -

اگر ز دست جفا بر فلک رود بدخوے ز دست خوے بد خویش در بلا باشد

تو نیکو روش باش تا بدسگال ‏ ‏ بنقص تو گفتن نیابد مجال

بہ شیرین زبانی توان برد گوے ‏ ‏ کہ پیوستہ تلخی برد تند خوے

فرینکلن نیک عادت کے وجہ سے اپنے ملک مین فرینکلن صالح کے نام سے مشہور تہا۔ وہ خود لکہتا ہے کہ جب کہ مین نے یہ ارادہ کیا کہ مجہہ سے کسی وقت مین کوئی خطا سرزد نہ ہونی چاہیئے اور مجہہ کو ایسا ہونا چاہیئے کہ جس کے ذریعہ سے مین ایسی تمام قوی عادات اور اپنے نفس کے ایسے سب میلانون پر غالب ہوجاؤن جو میرے مقصد کے سدراہ ہون۔ اور جب کہ مین نے اپنے آپ کو اچہے اور برے کی تمیز اور تفریق کرنے پر مایل کیا تو مجہہ کو ان کے سمجہنے مین کچہہ دشواری پیش نہین آئی یعنے مین بخوبی سمجہہ سکا کہ نیکی یا بدی کس کس شے مین ہے لیکن بدیون کے ترک کردینے اور اُن کی جگہہ بہلائیون کے اختیار کرنے پر قادر ہوجانا سخت مشکل اور دشوار معلوم ہوا اور مجہہ کو معلوم ہوا کہ جب مین ایک خطا سے اپنے کو محفوظ کرنے کے واسطے ارادہ قطعی کرلیتا تو دوسری کسی اور غلطی مین اپنے آپ کو مبتلا کرلیتا ہون عادت کا یہ حال تہا کہ وہ ہر ایک برائی سے فایدہ حاصل کرنا چاہتی تہی اور میلان طبیعت بعض اوقات عقل وشعور حتے کہ وجدان اور کانشنس پر بہی غالب ہوجاتا تہا۔ ان اغراض کے حاصل ہونے کے واسطے مین نے ذیل کے اصول اختیار کئے۔ یعنی جو کتابین میرے مطالعہ مین اس مضمون پر تہین اُن مین سے مین نے ایک فہرست اخلاقی باتون کی اس طرح بنائی کہ ہر عادت کے متعلق کچہہ نوٹ بہی اُس کے آگے لکہدیئے۔ مین نے سوچا کہ سب کو یکبارگی پیش نظر کرلینا ٹہیک نہین ہے بلکہ یکے بعد دیگرے اُن کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اور اس فہرست کے تیار کرتے وقت

پہلے مین نے غور کیا کہ فضایل کو کس طرح پر ترتیب دینا چاہیئے - مین نے خیال کیا کہ سب سے اول اپنے نفس کو اپنے قابو مین کرنا چاہیئے جس کے ذریعہ سے بہت بوجھہ سر سے اوتر جاوے گا اور فکر مین جو وقت پیدا ہوجاوے گی اور اُس کے بعد عادات قدیمہ و مالوفہ پر رفتہ رفتہ غالب ہوسکون گا - چنانچہ اس لحاظ سے سب سے اول مین نے ریاضت یعنے افراط و تفریط سے بچنے کو جیسے کہانا یا پانی زیادہ نہ کہانے کو لکہا اور مین نے خیال کیا کہ اُس کے بعد سکوت یعنے ایسی بات نہ کہنا جو مفید نہ ہو اُس پر بآسانی قابو حاصل کرسکون گا - اور چونکہ اپنے دایرۂ خیالات کو توسیع دیتے وقت مجہہ کو سُنی ہوئی باتون کے نسبت پڑہے مضامین سے زاید فایدہ ہوتا تہا اِس واسطے جعلی دوستون بلکہ اُن کی فضول باتون اور لطیفون کے سننے سے باز رہنے کا مین نے مقصد و ارادہ کرلیا تہا اس واسطے سکوت کو مین نے دوسرے نمبر پر لکہہ دیا اور یہ اُمید کرکے کہ انتظام پر عمل کرنے یعنے ہر شئے کے محل و ہر کام کے وقت تعین کرلینے سے مجہہ کو تحقیق اور تدقیق کا موقع اور وقت اچھی طرح ملے گا مین نے تیسرے درجہ پر اس کو قرار دیا - تخصیص مقصد یعنے سمجہہ کر فوراً کام شروع کرنا چاہیئے اُس پر عامل ہوجانے سے میری راے مین دوسرے فضایل کے حاصل اور اُن کی تکمیل مین مجہہ کو سہولیت ہوئی - اور خرچ کے انتظام مین آجانے سے اور سعی و عمل پر یعنے وقت کو ضایع نہ کرنے اور کارآمد کام مین مشغول رہنے سے اور اُس پر کاربند ہوجانے سے اپنے قرض سے سبکدوش ہوجانے کی اُمید کرکے اور اُن پر عمل کرنے کی جلد ضرورت تصور کرکے اُن کو مین نے یکے بعد دیگرے لکہدیا اور مین نے خیال کیا کہ اس کے بعد استقامت وغیرہ پر عمل کرنا یقیناً

آسان ہو جاوے گا۔ غرض اس طرح پر اس فہرست کو ترتیب دیکر فیثا غورث کے
کلمات حکمت مین سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر روز ان پر ایک
نظر ڈالنا چاہیئے۔ اس واسطے مین نے ایک چھوٹی سی کتاب تیرہ ۱۳ صفحون کی
اس طرح پر بنائی کہ اُس کے داہنے طرف علی الترتیب سینچے اور ان کل صفات
کو لکھ دیا اور ہر ایک کی پیشانی پر ہفتہ کے دن لکھ دیا۔ اور اس طرح پر اس
کتاب کا ہر ایک صفحہ گویا ایک ہفتہ کے کارنامہ کا یادداشت ہو گیا۔ اور مین نے
یہ التزام کیا کہ ہر روز غور و تامل کرتا تھا کہ ان خصایل مین سے کس کس خصلت مین
اُس روز کوتاہی ہوئی۔ اور جس خصلت مین کوتاہی ہوتی اُس کے مقابل کے
خانہ مین ستارہ کی شکل بنا دیتا تھا اور مین نے یہ قرار دیا کہ ایک ایک اچھی خصلت کو
ایک ایک ہفتہ کے اندر اختیار کر لینا چاہیئے۔ پہلے ہفتہ کے ختم پر یہ نتیجہ دیکھنے مین
آیا کہ ریاضت کے اختیار کر لینے مین کوئی خطا مجھ سے سرزد نہین ہوئی اگرچہ
پہلے ہفتہ کے واسطے صرف ایک ہی خصلت کے حاصل کر لینے پر زور دیتا تھا مگر
تاہم اور خصایل کے اوپر بھی سرسری نظر ڈال لیا کرتا تھا۔ جب کہ پہلے ہفتہ مین
پہلی خصلت کی لاین پر قادر ہو گیا تو دوسرے ہفتہ مین سکوت کی لاین کو صاف
رکھنے کی مین نے کوشش کی۔ اور اسی طرح پر تیرہ ہفتون کے اندر تیرہون
تیرہون خصایل کو مین نے اپنے آپ مین پیدا کر لیا اور پھر اس طرح سال بھر
مین چار مرتبہ مین نے انہی خصایل پر مکرر سہ کرر غور کرنا شروع کیا اور مجھ کو اس
بات کے دیکھنے سے نہایت اطمینان اور مسرت ہوتی تھی کہ رفتہ رفتہ اس کتاب کے
ورق کی جدولین صاف اور بے نشان ہوتی جاتی ہین اور جب کہ مین اپنی عادات

وخصایل کو اس طرح درست کرتا تھا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر وقت مجھ کو کامیابی ہوئی بلکہ کبھی کبھی مین ناکامیاب بھی ہو جاتا تھا اور نیز اس نقشہ کے مرتب کرنیسے مجھ کو خوب ثابت ہوگیا تھا کہ مین کیسی کیسی غلطیون کا عادی ہون اور اپنی خطا کو معلوم کرکے مین ہر روز زیادہ تر توجہ اپنی غلطیون کی اصلاح مین کیا کرتا تھا۔ لیکن جب کہ مین اپنی اصلاح کرچکا تو مین نے بجاے ہر روز کے سال مین ایک مرتبہ نشان پر نظر ڈالنا کافی سمجھا اور جب میرے واسطے کام زیادہ بڑھ گیا اور سفر وسیاحت سے فرصت کم رہنے لگی تو اس پر توجہ کرنے کا مجھ کو وقت بہت کم ملتا تھا مگر تاہم مین نے اُس کو قطعی ترک کبھی نہین کیا یعنے جب کبھی موقع ہوتا تھا تو مین ان نقشون اور جدولون پر غور اور اپنے حالت کی جانچ کرلیا کرتا تھا اگرچہ مین اس بات کا دعوے نہین کرسکتا ہون کہ مین ان خصایل کا قطعی مالک ہون اور کوئی نقصان مجھ مین نہین ہے لیکن ہان مجھ کو اس بات کا اطمینان ہے کہ ایک آزاد اور کاروباری شخص کے واسطے جس قدر ضرورت ان خصایل کے موجود ہونے کی ہے اُس قدر اقتدار مجھ کو حاصل ہے۔ مین اس بات کا اقرار کرتا ہون کہ ان خصلتون کے اختیار کرلینے سے جس قدر مجھکو کامیابی کی توقع تھی اُس مرتبہ کمال پر مین نہین پہنچ سکا لیکن اس مین شک نہین ہے کہ مین اگر درجہ امکان سے کم اس بات مین اہتمام کرتا تو جو کامیابی مجھ کو حاصل ہوئی ہے اس قدر ہرگز نہ ہوتی۔ الغرض مجھ کو اس بات کا اظہار منظور ہے کہ مذکورۂ بالا تدبیر کے وسیلے سے خداے تعالی نے میری تمام عمر مین جو آج پچھیاتر سال کی ہے مجھ کو ہر طرح کامیاب اور خوش وخرم رکھا ہے اور ابتدا سے عمر مین قسمت نے

جو کچھ میرے واسطے مصائب مقرر کیے تھے اُس کے مقابلہ مین بعد ازان جو کچھ خوشحالی مجھ کو میسر ہوئی وہ ہر انسان کے واسطے بلا شبہہ نہایت کافی ووافی ہے میرا خیال ہے کہ میری عمر کی درازی اور میرے بدن کی صحت وتندرستی ریاضت کے ذریعہ سے اور ایک درجہ تک میری شہرت سعی وعمل کے وجہہ سے اور ملک کے ضروری افراد مین شمار کیا جانا میرے حسن انتظام اور نفس پر قادر ہونے کے وجہہ سے اور میرا معتبر خدمت ملکی پر فائز اور ملک کا اعتبار حاصل کرنا میری استقامت اور للّٰہیت کے وجہ سے ہوا۔ بنابرین مین یہ عرض کرتا ہون کہ بعد اس کے بھی جو کوئی میرے طریقہ پر چلے گا اُس کو یقین کرنا چاہیے کہ اُس کی کوشش رائگان نہین جاوے گی اور بالضرور اُس کو ثمرہ نیک حاصل ہوگا۔ والسلام۔

عمل کس طرح انجام اندیشی کے ساتھ باقاعدہ وصحیح طور پر کرنا وکرانا چاہیے ۔ جس کام کو ہاتھ لگانا چاہتے ہین پہلے بطور انجام اندیشی یہ سوچ لینا چاہیے کہ (۱) اُس کام کا ہونا ممکن ہے یا نہین۔ (۲) کون کون سے اسباب مہیا ہون تو وہ کام ہو جاوے۔ (۳) اُن اسباب کا مہیا کرنا مجھ سے ممکن ہے یا نہین۔ (۴) کس ذریعہ سے اور کس کے معرفت اور کس خرچ سے اسباب مذکور اکٹھا ہو سکتے ہین۔ (۵) کون کون امر اُن کے مہیا ہونے کے مانع ہون گے۔ (۶) اُن موانعات کو کس طرح روکنا چاہیے۔ چونکہ روکنے مذکور کا فعل بھی ایک کام ہوگا لہٰذا بطور ایک کام کے اُس کو قرار دیکر اُس کے نسبت بھی سوچنا چاہیے۔ (۷) اُس کے اسباب کے مہیا کرنے کے لیئے کون وقت موزون ہے۔ پھر اپنے دیگر کامون کو دیکھنا چاہیے کہ اس وقت موزون پر اس

کام کو مقدم رکھین گے یا دوسرے کام کو۔ پھر جو کام اُس دن مین جس وقت کرنا
ہو اُس کو یاد کر لینا چاہیئے۔ پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ اُن کامون کے سلسلہ مین
کن کامون کا سلسلہ متصل ہے کہ اُس کے ساتھ اُس کو بھی انجام کرتے
جاوین اور جہان اور جس کے پاس جانا ہے اُس سے یا اُس کے قریب
وہ کام بھی کرتے جاوین لیکن یہان پر یہہ خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو
کہ مقدم کام کا وقت جاتا رہے اور پھر دونون کام مین کوئی کام نہ ہو۔ پھر ان
سب باتون کے سمجھنے کے بعد اگر کام کرنا بہتر معلوم ہو تو ہمت کے ساتھ
متوکلاً علی اللہ بغیر تاخیر کے کام شروع کر دینا چاہیئے اور آج کا کام کل کیلئے
نہ چھوڑنا چاہیئے اور عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرنا چاہیئے نہ کہ زبان
ہلائی جاوے اور دوسرون پر چھوڑ دیا جاوے اور کوشش مین ناکامیابی
ہو تو مایوس نہ ہو جانا چاہیئے بلکہ اور ہمت کے ساتھ عمل کرنا چاہیئے۔ اگر آدمی
وقت کا خیال رکھے اور امر مذکورہ کو پہلے سمجھ رکھے اور پھر کام کرے تو بہت
کام انجام پا جاتے ہین اور وقت بھی بچ جاتا ہے۔ تجربہ متواتر ہوا ہے کہ اس
طرح عمل کرنے سے کام بھی ہو جاتے ہین اور وقت بھی بچ جاتا ہے لیکن
تاہم وقت پورا ہر کام کے لئے معین کرنا چاہیئے۔ بہت لوگ عملی آدمی ہوتے
ہین اور عمل کرتے رہتے ہین لیکن موقع و برمحل و بروقت و صحیح طریق و منتظمہ
قواعد و متحدہ طرز نہ ہونے کے وجہ سے یا ایسے کام شروع کرنے سے کہ جس
مین کامیابی ناممکن ہے ناکامیاب ہو جاتے ہین اور یہ بھی نہین خیال کرتے
کہ دوسرے لوگ جن کی مدد سے وہ اُس کام کے حاصل کرنے کے اسباب جو

اکٹھا کر سکتے ہین اُن کو بھی موقع اور وقت مدد دیتے کا ہے یا نہین اور جن مسخرات کے مسخر کرنے کی اور اسباب بنانے کی اُس کام مین ضرورت ہے اُن کو بھی اکٹھا نہین کرتے۔ پس ایسے لوگون کا عمل ناکامیاب ہوتا ہے لفظی وخیالی دو ہی آدمی نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایک عملی آدمی ہونا چاہیئے۔ جب تک عملی آدمی نہ ہو اور کوشش اور مستعدی کیساتھ متواتر عمل نہ کرتا جاوے کامیابی نہین ہوتی ورنہ بہت جلد کامیابی ہوجاتی ہے۔ باقاعدہ وصحیح طور سے عمل کرنا چاہیئے اور انجام اندیشی وعقل سے عمل کرنا اور تجربہ سے فایدہ اُٹھانے کے بعد ہمیشہ پہلے انجام اندیشی کرنی چاہیئے۔ جن لوگون سے عمل صحیح طور پر اور باقاعدہ کرانا ہو اُن کو اُصول مذکورہ بالا کا پابند بنانا اور اگر بے قاعدہ عمل کرتے ہون تو اُس عمل کو باقاعدہ اُن سے انجام دلانا چاہیئے۔ مثلاً کسی چیز کے رکھنے کی جگہہ معین ہے اور خادم اُس کو دوسری جگہہ رکھہ دیتا ہے تو اُس سے اُسی مقام پر اٹھوا کر رکھا دینا چاہیئے تاکہ آیندہ غلطی نہ کرے اور اگر پھر غلطی کرے تو زیادہ موثر طریق سے اُس کو اس امر خاص کے نسبت امر کرنا چاہیئے۔

انسانی زندگی کا دستور العمل۔ زندگی کا دستور العمل لامذہب کا بھی میری راے مین حسب ذیل ہے۔ (۱) جسکا علم انسان کیلئے محال ہے اُس کے طلب مین وقت ہرگز رائگان نہ کرنا چاہیئے۔ (۲) قابل العلم مین سے جتنا جاننا بقاء صحت سودمند ہو وہ سب جاننا چاہیئے اور علم اور عقل وفکر وتدبیر وتفقہ وتذکر کے ساتھہ جو صحیح وسودمند ہوتا ہے۔ امکان اُسپر عمل اخلاص کے ساتھہ کرنا چاہیئے۔ (۳) کسب معاش مین مستقل ہونا چاہیئے۔ (۴) جسمانی۔ اخلاقی وعقلی صحت کی تکمیل مین

جہان تک ہو سکے کوشش کرنا چاہیئے۔ (۵) زندگی پاک وسادہ وسود مند بسر کرنا چاہیئے۔ (۶) کسی کو ستانا نہین چاہیئے اور قسط و عدل و احسان کرنا چاہیئے۔ (۷) جہانتک ہو سکے نوع انسان کی بہبودی و اصلاح بین الناس کرنا چاہیئے۔ (۸) قول و فعل مین صدق و دیانت و امانت ہونا چاہیئے۔ (۹) معاملہ بینہ و بین الناس کو چند صحیح اصول پر جو تمام نوع انسان کے لئے ایک ہین درست کرنا چاہیئے۔ معاملہ بینہ و بین اللہ کو ہر فرد کی راے پر چھوڑنا چاہیئے۔ (۱۰) نیکی کرنے مین احسان بالقوم کو و رفاہ عام کو افراد کے ساتھہ احسان کرنے پر ترجیح دینا چاہیئے۔ (۱۱) لما تقولون مالا تفعلون سے جو نہین کر سکتے اُس کو کیون کہتے ہو بالکل پرہیز کرنا چاہیئے جو ہو سکے اُسکو کرنا اور لسانی سے بچنا چاہیئے۔ (۱۲) نیکی پورے خلوص سے کرنا اور بیجا خود غرضی سے بچنا چاہیئے۔ (۱۳) جو معظم صفات حمیدہ ہین اُنکی تکمیل جہان تک ہو سکے کرنا چاہیئے۔ (۱۴) مطمح نظر عالی رکہنا و ہمت کے کام کرنا اور اپنی عزت آپ کرنا و خود بینی سے بچنا چاہیئے۔ (۱۵) قلب متفقہ و نفس مطمئنہ و ثبات دلی و ثابت قدمی رکہنا چاہیئے۔ (۱۶) آزادانہ قناعت زندگانی انسانی کو خوش رکہتی ہے لہذا اُس کو اختیار کرنا چاہیئے۔

دو قرص نان گر از گندم است یا از جو
سہ تاے جامہ گر کہنہ است یا از نو

بہ چہار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع
کہ کس نہ گوید از ینجا بخیز وآن جا رو

ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین
ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

ہر کہ دارد کفاف عیش جہان
کہ نباشد دران بکس محتاج

کلبۂ نیز بایدش کہ دران
نہ کند ہر دمش کسے اخراج

در جہان پادشاہ وقت خود است
این چنین کس نہ بنگرد سوے تاج

ہر کس کہ بجہان نیم نانے دارد — وز بہر بودن آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے — گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد
بود چار چیز از کمال حماقت — مکن ہیچ یک را ازینہا تصور
بمفسد سخاوت باحمق محبت — بناداں تواضع بدانا تکبر

اینمین سے کسی ایک کو اُن لوگون کیساتھہ نہ کرنا چاہیئے جن کیساتھہ ان اشعار مین ممانعت ہے

اور دستور العمل انسانی زندگانی ہل قسمت کا بشمول انکو ہ بالا امور کے حسب ذیل ہے

(۱) بطور عبد اللہ پارسایانہ و مذہبی اچھے آدمی کیطرح زندگی بسر کرنا اور پابند دین رہنا جو پارسائی و دینداری کیساتھہ ہونی چاہیئے۔ (۲) صالح و اصلح و اتقی و اسلم بننے کی ہمیشہ سعی کرتے رہنا چاہیئے اور ایمان کیساتھہ اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہیئے۔ (۳) اثم و عدوان اور عصیان کی معاونت نہ کرنا۔ (۴) فسق و فجور و کذب و زور و علو و فساد و فتنہ و اسراف و بغی بغیر الحق و محرمات و ظلم جلی و خفی و فحش ظاہر و باطن سے بچنا چاہیئے۔ (۵) اسمین تاکید صبر و حق و مرحمت و امر بالحق کی کرنی چاہیئے (۷) اصلاح بین القوم کو اور قوم مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو شعار بنانا چاہیئے۔ (۸) احسان و ایثار تبرًا ایسا کرنا چاہیئے کہ عدل کرنے و کرانیسے متصادم و مزاحم نہ ہو۔ (۹) رہبانیت نہو رحمت و رافت کیساتھہ حسن معاشرت کرنا چاہیئے۔ (۱۰) صادقین کیساتھہ رہنا اور حق کو محبوب و باطل کو مبغوض رکھنا چاہیئے۔ (۱۱) اپنے اعمال کا آپکو ذمہ دار سمجھنا چاہیئے اور یہ کہ انسان کیلیئے نہین ہے مگر وہ جسکی اُس نے سعی کی۔ (۱۲) آخرت و عذاب و ثواب و یوم البعث اور اللہ کے مالک یوم الدین ہونے پر ایمان لانا اور اللہ کے خوف و رضامندی چاہنے سے و خوف و طمع کیساتھہ عمل کرنا چاہیئے۔ (۱۳) توبہ و استغفار و تسبیح و تہلیل و یاد موت کرتے رہنا و مایوس و ناامید و مستغنی و بے پروا نہ ہو جانا چاہیئے (۱۴) آیات اللہ و شعائر اللہ کی تعظیم و توقیر کرنا و غیر کا سجدہ و عبادت نہ کرنا چاہیئے۔ (۱۵) جب عزم کسی امر نیک پر ہو جاوے تو متوکلاً علی اللہ اسکو کرنا چاہیئے (۱۶) قرآن مجید پر ایمان لانا اور عمل کرنا اور اُسکی زبان سیکھنا اور اُسکو اللہ کا آخر کلام۔

حقیقت مکاشفہ صوفیہ

مکاشفہ کے اقسام حسب تقسیم صوفیہ کرام حسب ذیل ہین - ۱ - نظری - ۲ - نوری - ۳ - سری یا الٰہی - ۴ - روحانی - ۵ - صفاتی - ۶ - لدنی ۷ - علاوہ اسکے جس صفت مین خدا کے ہو اُس صفت کے رو سے مکاشفہ کا نام جدا رکہا جاتا ہے ان سب کے تعریفون سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے خیال مین جو کچہہ بیٹہہ جاتا ہے اسکا نام و لقب جو رکہدیا جائے وہ مکاشفہ ہوا - صوفیہ فرماتے ہین کہ مکاشفہ ذاتی ایسی چیز ہے جسکا بیان کسیطرح نہین ہو سکتا - کیا خوب کہا ہے ایک محقق نے کہ مکاشفہ نام ہے نفس کے امور خیالیہ کیطرف رجوع کرنے اور اُسپر ایک زمانے تک مداومت رکہنے کا یہانتک کہ اُمور اُسکے خیال مین متخیل ہونے لگین کہ وہ فی نفسہ موجود ہین اُسکے خیال مین وہی اُسکا خیال ہوتا ہے نہ کوئی غیر شے اُسکے سوا - اسیطرح ترقی کرتا ہے ایک خیال سے دوسرے خیال کیطرف اور تصور کرتا ہے دوسرے شے کو لیکن کوئی شے دوسری نہین ہوتی مگر اُسکا خیال ہی ہوتا ہے پس جب ترقی کرجاتا ہے یہ خیال ایسے شے کی طرف کہ متخیل ہوتا ہے یہ کہ وہی اللہ ہے اگرچہ وہ ایک شان ہوتی ہے اللہ کے شانون مین سے اُس وقت وہ تخیل کرتا ہے کہ اُس نے بلند کرلیا ہے اپنے نفس کو اعلیٰ درجہ کی طرف اور پہچان لیا ہے اللہ کو جیسا کہ حق ہے اُسکے پہچاننے کا حالانکہ اللہ بری ہے اُس سے اور حق یہی ہے کہ لیس کمثلہ شئی وہو السمیع البصیر نہین ہے مثل مثل اللہ کے کوئی شئے اور وہ سمیع البصیر ہے -

مادہ کی اصلیت کی نسبت کیا کہا گیا اور کیا معلوم ہوا ہے

۱۔ عوام سمجھتے ہین کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہی جسم مادی ہے حالانکہ رنگ یا روشنی کے مختلف انعکاس کے سوا کچھ نظر نہین آتا۔

۲۔ جو کسیقدر علمی دنیا سے تعلق رکھتے ہین وہ کہتے ہین کہ حواس خمسہ سے جو محسوس ہوتا ہے وہی مادہ ہے حالانکہ حواس خمسہ سے بجز خوشبو بدبو نرمی سختی مزہ رنگ اور آواز کے اور کچھ نہین محسوس ہوتا اور یہ سب عوارضات ہین جسم مادی مطلوبہ نہین۔

۳۔ ارسطو نے مادہ کی دو تعریفین کی ہین اول سلبی یعنی مادہ نہ کسی چیز کا جوہر ہے نہ امتداد اور نہ عرض ہے۔ دوم ثبوتی یعنی مادہ مبدأ ترکیب اشیاء و منتہائے تغیرات اشیاء کا نام ہے۔

۴۔ ڈیمقراطیس نے قیاس سے نہ مشاہدہ و تجربہ سے بتلایا ہے کہ جسم کی ترکیب نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا سے ہے جنکی تقسیم نہین کی جا سکتی۔

۵۔ اسکوویچ کہتا ہے کہ مادہ نقاط قوت سے مرکب ہے جنکے مرکز جدا جدا ہین ہر مرکز قوت دافعہ و جاذبہ کے ذریعہ مرکزون کو خاص طور پر رکھتا ہے اس فلاسفر نے باعتبار قرب و بعد بقاعدہ ریاضی مرکزون کا عمل بھی بتلایا ہے۔

۶۔ ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب فسٹ پرنسپلز مین یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ہر صورت مین قوت متحقق ہے۔ اور آخری فیصلہ فسٹ پرنسپلز مطبوعہ سنہ ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۲۳۶ مین یہ کرتا ہے کہ مادہ کی حقیقت اور اصلیت کو سمجھنا مثل دیگر امور کے عقل انسانی سے بالاتر ہے۔

۷۔ تحقیقات جدیدہ کے ماہرین نے پہلے یہ کہا تھا کہ جوہر فرد غیر مرکب نہین ہے بلکہ اوسکی بھی ترکیب ایسے ننھے ذرات سے ہے جو کہربائیت پر مشتمل ہین۔ لہذا اونہون نے میٹر (مادہ) کو الکٹرون کے درجہ پر پہونچا دیا تھا ایٹم نہین رہنے دیا تھا۔ آخری تحقیقات جدیدہ کی یہہ ہے کہ وہ موشن یا حرکت ہے یعنی الکٹرون کے بھی اجزاء وہ کرتے ہین۔

۸۔ ارادہ سے وہ اعضاء حرکت مین آتے ہین جن کو مادی کہا جاتا ہے پس اگر وہ غیر مادی اور افعال نفس مین سے ہے تو مادی اعضاء کو غیر مادی حرکت دیتے ہین۔

۹۔ انسان خود اپنے مادی و غیر مادی اجزا کی اصلیت نہین جان سکتا باوجودیکہ اون کو ذریعہ اپنے عمل کا بناتا ہے پس انسان کی مجبوریان ایک زبردست قوت کا نشان جو خالق انسان ہو دیتے ہین اور اوس قوت و طاقت کو واجب الوجود بھی ثابت کرتے ہین کائنات کی ابتدا کسی خارجی قوت کے خالق ہونے سے ہوئی ہے مظہر اوسکا موجود ہے لیکن جس طاقت کا وہ مظہر ہے اوسکا ادراک نہین ہو سکتا اور انسان کو مجبوراً اُسے لامحدود و ابدی ماننا پڑتا ہے قانون کے تحت مین کائنات کا ہونا اور قانون کا تقدم مقنن کے وجود کا مستلزم ہے۔ العجز عن درک الادراک ادراک۔ قول صدیق رضی اللہ عنہ۔

فہرست مضامین لطیف

عنوان باب کے کاتبان کتاب کی غلطیان لاجواب اسباب مین سے ہین فہرست ہذا سے اُنکی تصحیح ضروری ہے۔

موروثی جذبات کا وجود و تعلیم و تربیت کی دشواری۔

اخلاقی تعلیم قوم کی عام خصلت اور انسانی فطرت کی عام حالت کے موافق ہوتی ہے۔

تعلیم تربیت کے مقصود و فرایض و معلمون کے فرایض۔

اصول تعلیم و تربیت کا مقامات و کم سنی۔

رذایل کا علاج اور اوسکا اصول عام۔

فعل و انفعال اعمال اور اُن کی ترقی اور اُن کا زوال۔

عادت و اُسکا علاج و فریکلن کا طریق علاج رذایل۔

عمل کس طرح انجام اندیشی کے ساتھ باقاعدہ صحیح طور پر کرنا و کرانا چاہیئے۔

انسانی زندگانی کا دستور العمل۔

حقیقت مکاشفہ صوفیہ

مادہ کی اصلیت کی نسبت کیا کہا گیا اور کیا معلوم ہوا ہے

هو المستعان

قل هاتوا برهانكم هذا ذكر من معي وذكر من قبلي ان كنتم صادقين

البرهان فی فلسفة القرآن

سنہ ۱۳۳۴ ہجری

حصہ چہارم

مصنفہ مولانا ابالفضل اولنا و اعمل اتقانا المعروف بعبد الرؤف

ولد شیخ محمد یحیی بن شیخ نصیر الدین الصدیقی الموی الہ آبادی

مصنف دلائل فضائل الاسلام و صراط المستقیم و کتاب الحکم

در مطبع اسرار کریمی الہ آباد زیور طبع پوشید

تاریخ طبع براہین والبلاغ سنہ ۱۳۳۸ ہجری و

برہان الاقوم آیات قرآن الحکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفر و اسلام در رہش پویان ✣ ✣ وحدہ لاشریک لہ گویان

عبد سے معبود کی توصیف مخلوق سے خالق کی تعریف ممکن سے واجب الوجود کی حقیقت محدود سے غیر محدود کی اصلیت ساجد سے مسجود کی صفت کما حقہ کہان سے اور کیسے بیان ہو سکتی ہے اُسمین حد تجاوز عن الحد ہے پس الحمد للہ رب العالمین ہی کہدینا انسان کے لئے بہترین و آسان ہے کیونکہ بڑی بات وچھوٹی زبان ہے۔ اگر مانع نہو توجو نفس انسان کے اندر جاوے ممد حیات ہے اور جو باہر آوے مفرح ذات پس سانس کے اندر آنے و باہر جانے دونون کا شکر کرنا چاہئے اور یک ہی امر کے شکر کرنے مین کئی سانس اندر و باہر آتے و نکل جاتے ہین پھر وسایل شکر و توفیق شکر کا رفیق ہونا بھی مستلزم شکر ہے لہذا انسان اسکے سوا اور کیا کر سکتا ہے کہ جب وہ اپنے رب کا شکر کرنا چاہے تو سب کا اور کئی شکر کا شکر اکٹھا کر دیا کرے اور اعتراف عجز کو بھی ذریعہ شکر بناوے اور کہدے کہ اگرچہ وہ شکر کرنے کے لئے حاضر ہے مگر جدا جدا شکر کرنے سے فطرتاً قاصر ہے۔ عوالم اشیا کا لاتعد و بیحد ہونا اُنکے خردی و کلانی کا نہایت ہی حیرت انگیز و تعجب خیز ہونا اور بہت ہی چھوٹی سی چیزونکا پایا جانا اور باوجود اس وسعت کے ہر یک شئے کا ایک معین قانون کے تابع و ماتحت رہنا مراحل وجود و عدم کے مراحل کا طے کرنا لیکن چند سادہ اصولونکا پابند ہونا اور ہر ایکا ایک ہی صراط مستقیم سے وجود مین آنا اور عدم مین جانا اور وجود مین الحد مین کے بنانا کو طے کرنا مقنن مدبر حکیم علیم قادر و مالک واجب الوجود کے معبود ہونے پر شاہد عادل ہے۔ اشیا کے موجود ہونیکا طریق یک ہے ہونیکا طریق یکسا ہے اور سب مین رابطہ ہے اور ہر نوعیت مین جدا ہیچ اُس مقدس ہستی کے ذات و صفات کے کنہ و اصلیت و حقیقت کا جاننا ما فوق طاقت و فطرت قوت انسان کے ہے۔ وہ آپ ہی آپ ہے اور ہو نہ ہی اُسکی ذات ہے اور لیس کمثلہ شئے کو انسان کیسے پہچان سکے

وہ خود مستغنی ہے پھر کیون بر سر بازار آئے وتماشائے دیدار کرائے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون پس اُسکے
کمال کے سمجھنے کا مجال انسان کو کہان ما فوق فہم ووہم وادراک ومحال ہے کل یوم ہو فی شان ہے - اللہ
ہو المعبود فی کل مکان وہو المسجود فی کل آن وہو المحمود فی مایکون ما کان الآن کما کان - زمان ومکان ومادہ
وحرکت کو قوت کا اثر تسلیم کر لینے کے بعد بھی اُس قوت کو بجز اسکے کہ واجب الوجود سے ہمتا کا مظہر مانین
اور کیا کہہ سکتے ہین قوت تک جو غایت الغایات ہے پہونچنے کے بعد عین و اثر مین واسطہ نہین رہتا
اور ادراک بشری کی رسائی وہین تک ہے عین تک نہین وہ اثر انسان اور عین مین گویا حایل ہے
اس لئے واجب الوجود مطلق کا اذعان وبالغیب ایمان ہوتا ہے - اور اُسکو منزہ عن العیب کہتے ہین
کیونکہ مقید وصفات کی نسبت اضافی ہے جو بے مطلق کے منسوب نہین ہو سکتی اُس بیچون
وچگون کا علم ہی بسبب ظہور ہوتا ہے فبلاے آلاء ربکما تکذبان - بار بار کے نارسائی کا
اقرار ہی دانائی ہے - وہ نور السموات والارض در رح ہر ارتقا وہر فرض وغرض ہے -
اللہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم ہو الاول والآخر عالم الغیب والشہادۃ وہو بکل شئ علیم وہو العزیز الحکیم -
انبیا ورسل اُسکے واجب الوجود کامل ومعبود ہونیکے بہترین امین وعادل شہود ہین وہ مالک
یوم مشہود ہے - غیب کا علم سوا اُسکے کسی کو نہین ہے وہی جس غیب کو جسپر چاہتا ہے ظاہر
کرتا ہے اُسکے جنود کا علم سوا اُسکے کسی کو نہین اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد
ان محمدًا عبدہ ورسولہ وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین - اور درود نامحدود ہے مومنین
صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین پر — مولف الحروف عبد الرؤف کو خوف ہے کہ من صنف فقد استہدف لیکن اس کتاب
کے بعض حصص مین کاپی لکھنے والون اور چھاپنے والون کی وجہ سے معروف ومجہول واملا ولفظون کی غلطیان
رہ گئیں اور کوشش بلیغ کام نہ آئی خصوصاً جملون کے الفاظ مقدم وموخر کرنا پڑے جن سے جملے اور الفاظ بے محاورہ
وعسیر الفہم ہو گئے انشاء اللہ اشاعت ثانی مین درستی الفاظ ومحاورات لکھائی وچھپائی وکاغذ کا بہتر لحاظ ہوگا

بسم اللہ الرحمن الرحیم مختصر اصول فلسفہ اسلام اور آسکے فضایل - اسلام یعنی دین محمدی کے رو سے خدا نے انسان کی فطرت ایک غرض خاص و مدعاے مخصوص کے لیے بنائی ہے - لارڈ بیکن کہتا ہے کہ فلاسفی کا ناقص علم انسان کے دل کو دہریت کے طرف مایل کرتا ہے مگر فلاسفی کی کامل مہارت انسان کو مذہب کے طرف لے آتی ہے - اگر اسلام کی اندرونی حالت تعمق سے دیکھی جاوے تو بہ نسبت نظر اول کے زیادہ فلسفیانہ معلوم ہوگی اور اگر صرف اُس کی بیرونی حالت کا ملاحظہ کیا جاوے تو اُس کی افضل ترین خوبی اس سے ظاہر ہے کہ نوع انسان کے جمیع طبقات یعنے ایک ادنے اقلی سے لیکر اعلے درجہ کے صاحبان غور و ماہران علوم کی روحانی ضروریات و تمدنی کمالات کے بہی تمامتر مطابق ہے اور ہر قسم کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا سبب ہوتا ہے - قوت مدرکہ یا وقوف عامہ سے اُس کو کوئی انحراف نہین ہے اور نہ کسی درجہ مین عدل و رحم کے فطرتی تحریک کے وہ مخالف ہے پرہیزگاری خیالات اقوال و افعال کی پاکیزگی صفائی ظاہری و باطنی و صداقت و امانت و دیانت و فقط باری تعالے کے جانب عبدون کے طرح مخلصانہ مستحکم غیر متزلزل رجحان دینی اخوت یہ سب اُس کی خصوصیات ہین اور یہ مطالب ایسے مکمل اور سادہ و باصفا و صاف ہین جنکا ذہن نشین کر لینا اور عمل کرنا ہر انسان کے امکان و وسعت و استطاعت مین ہے - حقیقی اور آزادانہ قناعت و دلی تسکین جو مقصد حیات کو پورا کرتے ہین بغیر اسلام کے ناقص ثابت ہوئے ہین - سچے مذہب اسلام کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر راضی رہنا چاہیے اور اُس کے ستون اعظم نماز اور زکواۃ ہین اگر زکواۃ واجب ہو

وہ عمومیت کے ساتھ اخوت و محبت و خیر اندیشی سکھلاتا ہے اور خیالات کی پاکیزگی اور اقوال و افعال کی راستی اور بدرجہ غایت جسمانی طہارت کا خواستگار ہے علم انسانی میں یہ نہایت آسانی اور مرتفع مذہب ہے اس میں نہ تو اہل خطیب میں نہ پادری نہ دقت طلب رسوم نہ قائم مقام کفارہ ہے اور نہ اپنے مقلدین کو گناہوں کی جوابدہی سے مبرا کرتا ہے۔ اور وہ صرف خدائے واحد کی رضا سے بقضا سے کو جاننا اور اس کا عبد بننا ہے جو کل اشیاء کا خالق ہے اور جو ایسی ربانی حقیقت ہے جس کا ظہور تمامی موجودات میں ہے وہ قادر مطلق علام الغیوب حاضر و ناظر ظاہر و باطن یعنے تمام جہت میں اول و آخر تمام چیزوں کا حکمران اور رب تمام عالم کا ہے۔ صاحبان ایمان و اسلام صدق دل سے اسی کی عبادت کرتے اور اسی کے سامنے ایک سطح پر اخوت دینی و مساوات قانونی کے درجہ میں کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مرتاض مسلمان جو ہمارے معصوم امین نبی کی سچی تعلیمات سے عارفانہ خیال تک پہنچ گیا ہے اس مذہب پر قایم رہتا اور اس کو اپنی ہستی کا ایک عظیم الشان اصول بناتا ہے یہ اس کے روزانہ آمد و رفت و کاروبار و تمدن و معاشرت میں اسکے ساتھ ہے وہ اپنے حوائج یا دنیاوی امور میں کبھی ایسا مصروف نہیں ہو سکتا کہ نماز کے وقت مقررہ پر امور دیگر کو ملتوی کر دے اور خدا کے روبرو اپنے قلب کو حاضر نہ کرے اس کی محبت اس کا بغض اس کی امید اس کا خوف گویا اس کے کل جذبات اس میں مستغرق ہو گئے ہیں۔ جب رات کو وہ سونے لگتا ہے تو اس کا آخری خیال وہی ہوتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو موذن کی آواز سے بھی وہی پہلا خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے جب کہ موذن مکرر کہتا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم

پس روحانی ترقی کا اگر کوئی مکمل و آسان طریق ہے جو نوع انسان کے ہر طبقہ پر منطبق ہو سکتا ہے اور جس کی بنیاد اُس ازلی حقیقت پر ہے جو ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک بتعلیم انبیاء و رسولوں کے منجانب اللہ انسانوں تک پہنچا ہے تو وہ مذہب محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے وہ روح کی اُس خواہش کو پورا کر سکتا ہے جس سے اُس کو اعلیٰ سعادت حاصل ہو۔ انسانی علم میں یہی ایک طریق ہے جو ہو بہو دلیل و حکمت و عقل و فہم و ادراک کے مطابق ہی ہے اور ذلیل اوہام سے مبرا و منزہ ہے وہ ہر شخص کو اپنے ارادی افعال و خیالات کا جوابدہ ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ لہذا عقل و فراست اور راستبازی و سادگی و اخلاص سے اُس پر عمل ہوتا ہے۔ عقلاً و نقلاً و زبانی و واقعاتی شہادت سے قطعی طور پر اُس پر ثابت و روشن ہے جس کو اسلامی فلسفہ کا واقعی علم ہے کہ آنحضرتؐ مکمل مثال و نمونہ اُن ہدایات کے تھے جو آپ کے ساتھ آئیں اور جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ تاریخ کی ایک عظیم الشان و جلیل القدر شبیہ ملاحظہ طلب ہے اُسکی عظمت و جلالت ایسی ہے جو کسی انسان کے علم میں نہیں گذری وہ ایسا سنجیدہ صورت آپ ہے جس کے چہرہ سے ربانی الہام کی ضیا متجلی ہوتی ہے جب وہ ایک چھوٹے اور کچے محراب میں جسکی تعمیر میں اُس کے ہاتھوں نے خود ہی اعانت کی ہے بیٹھتا ہے اُس کے چاروں طرف ایسے اشخاص کی جماعت ہوتی ہے جو عجیب انگیز طریق اور توجہ و ادب سے اُس کے کلام کو سنتے اور اُس پر عمل کرتے اور روحانی اطمینان حاصل کرتے ہیں یہاں تک کہ جان کے قربان کرنے میں بھی جو انسان کے لئے سب سے زیادہ عزیز ہے دریغ و گریز نہیں کرتے۔

تثلیث اور ایک کا کل انسانوں کے گناہوں کے عوض فدیہ ہونے وغیرہ کو

عیسائی اسرار کہتے اور فہم بشری کی رسائی سے اُس کو خارج سمجھتے ہین۔ عیسائیت کی ناتکمل حالت اُس کے اوہام بلحاظ حصول نجات یا ارتقاع درجات و تزکیہ نفس و تربیت فضایل انسانی باعث استعجاب ہین بخلاف اِس کے اسلام مین محال پر اعتقاد جایز نہین اور اسرار کا اسلام قایل نہین اور ایسے ہین ایسے اعمال کے کرنے کا حکم نہین جو بہ بیان بنا دین و مالایطاق ہون اور فایدہ اخلاقی و جسمانی اور روحانی اُن سے نہ ہو۔ اسلام کے رو سے خدا کے لڑکے و لڑکیان نہین وہ تین مین کا ایک نہین مقررہ باقاعدہ بہت تھوڑی عبادت مفروضہ ہے جس کا فایدہ ادنی توجہ سے ادراک و وقوف عام مین آسکتا ہے۔ اللہ نے کسی نفس کو تکلیف نہین دیا مگر اُسکی وسعت کے مطابق جو اُس کو دیا ہے۔ پس تقوے بقدر استطاعت کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے۔ مذہب اسلام یعنے دین محمدی ایک ایسا عملی مرتب نظام توحید و عبادات و معاملات و تقوے و اعمال صالحات اور برائیون سے بچنے کا ہے جو انسان کے قوے کو ترقی دیتا اور اُن کو شگفتہ و شاداب و عمل مین رکھتا ہے اور اُن کے عقل و فطرت کے تقاضون و ضروریات کو پورا کرتا اور زمانہ کے موافق تفقہ و اجتہاد و قیاس کا حکم دیتا ہے۔ تمام مذاہب حقہ کے مشترک فضایل اور خوبیون کا وہ جامع ہے اور منتخب و ارتقائی صورت مین اُن کو پیش کرتا اور اہل کتاب کے بوجہ اور اغلال کو اتارتا اور اُن کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا اور طیبات کو حلال و خبیثات کو حرام ٹھراتا ہے جیساکہ سورہ اعراف مین اسکا اعتراف ہے۔ دنیا کا آخری مذہب اُس کو ہونا چاہیئے جس مین خدا کی پہلی کتب و صحف کی عزت و تصدیق ہو اور تمدن و معاشرت کے ہموار و آسان ہونیکے

بہترین طریق پر وہ پہنچا دے۔ خدا تعالے تمام جہان کا رب مانا جاوے (یونیورسل فادر ہڈ آف گاڈ) انسانی مساوات تسلیم کی جاوے۔ (یونیورسل برادر ہڈ آف مین)۔ اور یہ سب امور مذہب اسلام ہیں۔ اسلام ہر قسم کے معاملات میں اعلیٰ درجہ کا اصول سکھاتا ہے اور اُس میں تمام ضروری معاملات کے متعلق اصولی قواعد موجود ہیں تاکہ انسان کی ہدایت میں نقص و کمی نہ رہ جاوے اور وہ خالق و مخلوق کے ساتھ اپنے تعلقات کو اپنے رب کی مرضی کے مطابق قایم کر سکے اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ انسان گناہ کے بارے کسی صورت میں بچ ہی نہیں سکتا۔ اسلام نے اس قسم کے مایوسی پیدا کرنے والے اصول سے انکار کر کے اُن لوگوں کے عذر نامعقول کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیا ہے جو گناہ تو خود کرتے ہیں لیکن اپنی غلطیوں کا ذمہ دار اللہ کو صرف اس بنا پر ٹھراتے ہیں کہ خدا نے انسان کی فطرت ہی کیوں بنائی جس سے گناہ ایسا لازم آجاتا ہے۔ دین الٰہی اگلی اور پچھلی قوموں اور سب زمانوں میں ایک رہا اور یکساں رہے گا اُس کی صورتیں اور ظاہری اطوار کسی قدر الگ ہیں لیکن اُس کی روح اور وہ باتیں جس کے ماننے کا حکم انبیاء اور رسولوں کے معرفت انسانوں کو دیا گیا ہرگز نہیں بدل سکتے اور نہ اُن میں باہم فرق ہو سکتا ہے وہ منافی اس کے نہیں کہ انسانوں کے ہر قسم کے معاملات و حالات کو ترقی دی جاوے۔ ہر قانون کیلئے ضابطہ ہوتا ہے جس میں عملی کارروائی و طریق عمل اُس قانون کا سمجھایا جاتا ہے اور وہ بمنزلہ تفسیر و تشریح ہوتا ہے پس قانون قرآنی کا ضابطہ عملی افعال آنحضرت کے ہیں۔ لہذا قرآن مجید میں اُسکی تفصیل ہے جسکے اجمال سے نقص کا احتمال تھا

ضروری امور محکم طور سے ثابت ہیں بقیہ جن کی ضرورت نہ تھی اُن کو اُسیطرح
بیان کیا ہے جس طرح قانون میں بیان ہوتا ہے اور اُس کے ضابطہ میں اُسکی
تشریح ہوتی ہے۔ اسلام نام ہے عبد کا اپنے رب انام کے حضور میں سرتسلیم
خم کر دینے و معبود و رب الارباب کی جناب میں سر بسجود ہونے اور رضائے
مولےٰ از سمہ اولےٰ کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کا۔ اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کا
آپ ذمہ دار ہے خود جو کرنا چاہے کرے وہ غیر مذہبی رسم کے ادا کرانے والے کے اپنے
رسوم مذہبی ادا کر سکتا ہے اور اُن کے بغیر کوئی رسم اُسکی ادا نہیں ہو سکتی۔ اللہ اور بندہ کے درمیان
سوائے رسولوں کے اور کوئی شخص واسطہ نہیں۔ قران شریف موجود و محفوظ ہے
ہر شخص اپنی سمجھ کے استطاعت کے مطابق یا دب اُس پر رائے قایم کر سکتا ہے اُسکے
سمجھنے کی تاکید ہر مسلمان کے لئے ہے۔ قرآن مجید عربی زبان صاف میں غیر کج آسان و سادہ
انسان کے یاد و پند پذیری کیلئے نازل ہوا و قابل العمل ہے۔ دین محمدی ارباباً من دون اللہ بنانیکو
جملہ کتاب الہامی کی ہدایت کے خلاف اُسی طرح ٹھہراتا ہے جس طرح اللہ کیساتھ
شرک کرنے و عبادت غیر اللہ کے کرنے کو۔ وہ مومنین کو یہ حکم دیتا ہے جیسا کہ سورہ
نسا میں ہے کہ آنحضرت اور آپ کے قبل جو نازل ہوا اُس پر عمل اور طاغوت سے
کفر کریں اور طاغوت کو حکم نہ بناویں ورنہ ضلال بعید میں گرفتار ہو جاوینگے اور
ایمان لانے کا زعم اُن کا زعم باطل ہوگا یعنے جو نازل ہوا ہے اُس پر عمل کریں نہ کہ
تقلید پر اور فی سبیل الطاغوت لڑائی نہ کریں۔ اسلام کی تعلیم کا یہ بنیادی اصول
ہے کہ ہر شخص کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلا و درجہ دیا جاوے گا اور بُرائی
کی سزا اُسی کے مثل اور بھلائی کا بدلا زیادہ دیا جاویگا اور یہ تمام دیگر تعلیم پر بہت

فایق و بہتر و مفید ترقی ہے۔ یہ فخر اسلام ہی کو ہے کہ وہ ایسا نظام ہے جس کے
ذریعہ سے ناانصافی و فساد کا انسداد ہوتا ہے اگرچہ اُس کا کرنے والا امیر ہو یا غریب
اعلی طبقہ کا ہو یا ادنی۔ اسلام میں غلامی بالکل تبدیل کر دی گئی اور عملی طور پر غلام
و لونڈی اپنے آقا کے جزو خاندان کے مثل ہو گئے اور کھانے و کپڑے وغیرہ میں
اپنے آقا کے مشابہ استحقاق رکھنے لگے۔ اسلامی حکومت کا حاکم اعلی صرف انتظام
و تعمیل احکام اندرونی و بیرونی شریعت کے لئے اور حفاظت مومنین کے لئے ہوتا ہے،
کسی خلیفہ یا امیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدالتاً حکم شرعی کے خلاف خود عمل کرے اور
دوسروں کو اُنکے عمل کرنے پر مجبور کرے اگرچہ عدالتیں اُس کے حکم سے مقرر ہوتی ہیں
لیکن اُس کے تصرف سے آزاد ہوتی ہیں اور غریب و امیر حتیٰ کہ خود بادشاہ و امیر
قاضی کی عدالت میں مساوی درجہ و مساوی قانونی فرائض و حقوق رکھنے کے لئے
مجبور ہیں۔ پس اگر اُن اصولوں پر جو اسلام نے قایم کئے ہیں عملدرآمد ہو تو باہمی
جھگڑے بالکل ہی کم ہو جاویں افلاس کا زور نہ ہو۔ ناداری کا خطرناک بوجھ تمدنی
عمارت کو تہ و بالا نہ کرے خاص خاص لوگوں کے خاص حقوق بیجا نہ قایم ہوں۔
اسلام وہ قانون ہے جو انسان کے ذریعہ سے دوربینی سے دیا گیا ہے۔ انسانی
فطرت کا یہ راز ہے کہ آدمی اُس کیفیت کا پورا اور صحیح احساس و قدر نہیں کر سکتا جو
اُس پر خود کبھی نہ گذری ہو اور نہ ایسی حالت سے پوری ہمدردی کر سکتا ہے جس کی
اُس پر یا اُس کے عزیزوں پر واقع ہونے کا خیال نہ ہوا ہو۔ رسوم مذہبی روزہ و زکواۃ
وغیرہ اس وجہ سے بھی اختیار کئے گئے ہیں تاکہ کیفیات و حالات مذکورہ کی قدر
اور ہمدردی کر سکیں اور اتحاد عمل و اتحاد خیالات کا سبب ہوں۔ مقررہ رسوم مذہبی

یہ بھی فایدہ ہے کہ انسان میں وقت کی پابندی کی عادت اور فرائض کے باقاعدہ و صحیح ادا کرنے کی خصلت پیدا ہو اور بجائے اس کے کہ سوسائٹی مزاحم ہو یا عیب رکھے اس کے عمل کرانے کا سبب ہو۔ اسلام کے رسوم مذہبی چند ہی اور مفید اور سادہ و مختصر و پاکیزہ و پسندیدہ ہیں۔ اسلام نے عقاید و عبادات سے لیکر آداب معاشرت و معاملات تک زندگی کے ہر ایک پہلو و شعبہ کو لے لیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا ہے لہذا وہی چند ہی سادہ اور پسندیدہ اور پاکیزہ ضروری رسمیں مسنون ہیں جو اپنے کسی نہ کسی تمدنی یا معاشرتی و روحانی خوبی کے وجہ سے ممتاز ہیں مثلاً بچہ کے پیدا ہونے پر تکبیر و نماز جنازہ و عقیقہ و ولیمہ نکاح بغیر کسی مذہبی عہدہ دار کے و نماز ہائے جماعت۔ عیدین میں یکجا جمع ہونے سے عام مسرت و تفریح وغیرہ بھی ہو جاتی ہے اور عبادت و حسن معاشرت کے ساتھ طہارت کیوجہ سے نفاست پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لفظی اور معنوی طور پر صحیح ہے کہ انسان جیسا خیال دل میں جماتا ہے ویسا ہی بنجاتا ہے۔ ویسا بنجانا اُس کا کیرکٹر ہے اور کیرکٹر بجائے خود اُس کی عادات کے مجموعہ کا نام ہے جو اُسی کے فعل مکرر کے ہونے سے بنتے اور پختہ ہوتے ہیں۔ ارادی فعل کی ابتدا خیال ہی سے ہوتی ہے۔ اسلام نے انسان کے فطرت مذکور کا پورا احترام کیا ہے اس لئے ایمان کے ساتھ افعال کی درستی و اُن اعمال کے مداومت کے لئے تاکید و اہتمام ہے اور خلاف ورزی پر وعید اس سے بڑھ کر کوئی امر صداقت سے بعید نہیں ہو سکتا کہ کہا جاوے کہ مذہب اسلام اصولاً ناقابل ترقی ہے اور انسان کی عقل و ذہانت کا تحقیر کرنے والا ہے۔ اسپنے آپ کو کامل طور پر رضائے الٰہی کے ماتحت کر دینا ہر مسلمان کا اصل مقصد ہے

مگر یہ خیال صریح غلط ہے کہ رضائے الٰہی کے اپنے ماتحت کر دینے کے یہہ
معنے ہین کہ انسان امور دنیا مین ہاتھہ پاؤن نہ ہلاوے اور نہ کوئی تدبیر و تفقد نہ کرے
کیونکہ خدا کی رضا جیسی کہ وہ قران مجید مین ظاہر کی گئی ہے اور جیسا کہ اُس کی تعلیم
سنت نبوی سے ملتی ہے یہ ہے کہ انسان اُس چیز کے حاصل کرنے کے لئے
جو اچھی ہونے کے علاوہ نقصان و مضرت سے بچاتی ہے پورا زور لگا دین اور
اپنے روزمرہ کے کامون مین اور کاروبار کے انجام دینے مین سست
و غافل ہوجاوین بلکہ اپنے فرض کا پورا احساس و جذبہ رہے اور دولت کی خواہش
کو محض دولتمند ہونے کے لئے یا صرف اپنی ذات کے اغراض کے لئے
جو آج عیسائی ممالک مین سب خواہشات پر غالب ہے اسلام نفرت کی
نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہہ اسلام کی اصل روح و مغز کے خلاف ہے
اس لئے کہ اسلام کی غرض کافر و مومنین مین مقابلہ نہین بلکہ اخوت کا پیدا کرنا ہے
حالانکہ مسلمانون کی یہ خواہش کہ وہ خود بھی زندہ رہین اور دوسرون کو بھی زندہ
رہنے مین مدد دیوین روپیہ کمانے والے یوروپین کے نزدیک نقص اخلاقی ہے۔
مسلمانون مین ہمت اور عاقبت اندیشی کی کمی نہین جب کہ غرض ایسی ہو جس پر
اپنی ساری ہمت کا لگا دینا ضروری ہو محض ذاتی اغراض و منفعت کے لئے
بہت تگ و دو اُن کے نزدیک قابل تعریف نہین بلکہ اس قسم کی خود غرضی
اخوت اسلامی مین جائز ہی نہین۔ اگر ایک بار مسلمانون کو یہ یقین ہو جاوے کہ یوروپین
تجارت کی غرض مشرق کو اپنا غلام و کمزور اور مظلوم کو محکوم بنانا اور اُن کے مذہب
اخلاق اور عزت کے معیار کو گرا دینا ہے تو اُن سے کاہلی و غفلت غائب ہوجائے

اور تجارت و صنعت و حرفت اُن کی پاک غرض بیجائے جس کیلئے کوشش کرنا علی ثواب کا
سبب ہوگا۔ عیسائی مدعیان اخلاق کا بڑا اعتراض اسلام کے خلاف یہ ہے
کہ حق کی حمایت میں یہ مذہب خونریزی کی پروا نہیں کرتا لیکن ضرورت و فطرت انسانی خود
اس اعتراض کا جواب ہے جیسا کہ ماہرین سمجھتے ہیں بیشک قرآن مجید نے
جنگ کو انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ایک ضرورت سمجھا ہے اور اسکے
قواعد مومنین کی ہدایت کے لئے مرتب کر دیئے گئے ہیں وہ قومیں یا افراد جو
مسلمانوں کو رنج و اذیت پہنچاتی اور اسلام میں فتنہ پھیلاتی اور اُس کو نیست و
نابود کرنا چاہتی ہیں اُن کے خلاف جنگ کا حکم ہے قانون کی نظر میں مسلمان
اور غیر مسلم دونوں برابر تھے بلکہ دولت و جاہ و قومیت وغیرہ کا اعتبار تابع مساوات
حقوق انسانیت نہ تھا اور جس حد تک اصول مذکور راسخ تھا اُس کا ثبوت ملتا ہے
یہ سب رواداری احکام قرآنی و اسلام و آنحضرتؐ و صحابہ کرامؓ کے اسوہ حسنہ کی
پیروی نے قائم کی تھی۔ حضرت علی نے اپنی زرہ کا دعوے ایک یہودی
پر خود اپنے قاضی شریح کی عدالت میں کیا لیکن حضرت حسنؓ ابن علیؓ اور
اپنے غلام قنبر کو بطور گواہ عدالت قضا میں پیش کیا۔ قاضی شریح نے اصول
شہادت کے رو سے اُن کی گواہی پر بوجہ قرابت و تعلق اعتراض کر کے ناکافی
قرار دیا اور دعوے خارج کر دیا۔ اس وجہ سے کہ گواہوں کو کاذب سمجھا ہو
بلکہ اس وجہ سے کہ اصول شہادت کے رو سے ایسے لوگوں کی شہادت
جن کا ایسا تعلق ہو ڈگری نہیں دلا سکتی۔ یہودی نے اس انصاف و برتاؤ کو
دیکھ کر زرہ حضرت علیؓ کو واپس کر دی اور مسلمان ہو گیا۔ شیر شاہ نے بھی

اپنے ولی عہد کے نسبت یہ حکم دیا تھا کہ یا تو مظلوم سے معاف کرا لے اور یا اپنی بیگم کے ساتھ وہی برتاؤ مظلوم کو کرنے دے جیسا کہ اُس کی بیوی کیساتھ اُس نے کیا ہے۔ جہانگیر نے نورجہان کو قتل کرا ہی دیا ہوتا اگر وارث نے دیت لیکر معاف نہ کر دیا ہوتا۔ بیشمار مثالیں پیروان مذہب اسلام کی اسکے تائید میں صحت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسلام و ایمان لاتے ہی انسان دیگر امتیازات سے نجات پاکر اسلام کے وسیع دائرہ اخوت میں شامل ہو جاتا ہے۔ مساجد و معابد اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت اس اصول کے عملی پابندی سے وابستہ ہے کہ اُس میں مسلمان داخل ہوتے ہی اخوت دینی کے ہموار سطح پر یکسان مساوی ہو جاتے اور کندھے سے کندھا ملا کر مسلمان بغیر کسی امتیاز کے اپنے رب کی حضوری کے لئے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کچھ فرق امیر و غریب و کالے و گورے و نسل و ذات و نیک و بد کا اُس وقت عملاً جماعت میں نہیں رہتا اور نہ روزانہ جماعت میں بلکہ جمعہ و عیدین میں بھی ایسا ہی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اسلام نے اخوت کے بلند مقصد کو مومنین کا حقیقی سطح نظر قرار دیا جو ایک مومن کو دوسرے مومن اور ایک ملک کے مومن کو دوسرے ملک کے مومن سے وابستہ کر دیتا ہے۔ ایک اسلام لانے والا اسلام لاتے وقت اس طرح کہتا ہے کہ میں اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کرتا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ وہی رحمن و خالق اور وہی رب الاقوام و رب العالمین مالک یوم الدین ہے۔ یعنے اُس دن کا جب کہ کوئی نفس کسی کے کچھ کام نہ آئیگا میں اُسی خدائے واحد لاضد و لاند کی عبادت کرنے کا اقرار کرتا اور

اس کا اظہار کرتا ہون کہ کسی اور کی عبادت واستعانت حقیقی کا خیال بھی نہ کرونگا وہ حی القیوم تمام نقایص اور رذایل سے منزہ اور کامل الصفات اور کامل العقول ہے۔ مین اقرار کرتا ہون کہ تمام انبیاء اور رسولون کی رسالت اللہ کے طرف سے ہونیکی و کتب و صحف پر اللہ ایمان رکھونگا اور میرا ایمان ہے کہ آنحضرتؐ خاتم المرسلین و رحمۃ للعالمین ہین اور اسلام جو تمام انبیاء کا مذہب تہا اُس کے وہ آخری رسول ہین و آخری کتاب قران مجید ہے۔ مین و لانفرق بین احدٍ من الرسل پر کاربند رہون گا۔ مین اپنے عمل کے متعلق اقرار کرتا ہون کہ خدا تعالے کی عامہ مخلوق کے ساتھ شفقت کرون گا اور بنی نوع کے ساتھ ہمدردی رکھونگا اور مومنین کے ساتھ اخوت رکھون گا اور جو فرایض و حقوق مومنین کے باہم ہین اُنکو ادا کرتا رہون گا اور مین ایک سچے مسلمان کی نیکی بھری زندگی کے مثال پر عمل کرون گا اور شراب اور جوا اور بدکاری سے بچتا رہون گا اور ظاہر و باطن اور تمام گندی باتون اور برائیون سے مذہب اسلام کے مطابق جب تک مین زندہ ہون مجتنب رہون گا اور ان سب کے لئے اللہ تعالے سے توفیق اور استقامت چاہتا ہون۔ مین قران مجید پر ایمان لاتا ہون اور آخرت پر و بعث و نشر پر و جزا و سزا کے ملنے پر۔ مین تعامل اور تصاحب کو آسان و ہموار کرنے کی کوشش کرون گا و متناسب ہون گا۔ پروفیسر ریناآن نے مذہب و تمدن کے باطنی طور پر چھڑ جانے والی جنگ کے نسبت جو لکھا ہے اُسمین یہ بھی لکھا ہے کہ اس میدان جنگ مین تمدن و تہذیب کے تیز و تند حملون کو اگر کوئی مذہب مردانہ وار رد کر سکتا ہے تو وہ صرف مذہب

اسلام ہے جو علم و ہنر اور عام عقاید کے ساتھ ورگند کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

شراب و جوا۔ ایک انگریز نومسلم نے یہ لکھا ہے جو رسالہ اشاعت اسلام ماہ نومبر ۱۹۱۷ء مین ہے۔ مجھے اس جنگ کے اندر بطور ایک سپاہی کے فرانس کی خندقون مین کام کرنا پڑا ہے مین ہرگز اپنے پہلے رفقار کے نام پر کوئی دہبہ لگانا پسند نہین کرتا مگر یہ کہنے پر مجبور ہون کہ ہمارے سپاہیون کی بڑی تفریح شراب نوشی اور جوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے دیہات مین جن کو توپون کے گولون نے تباہ کر دیا ہے۔ کہین کہین ایک گھر ایسا بھی ملجاتا ہے جس مین اب تک ایک فرانسیسی عورت موجود ہے جو موت کا خطرہ لے کر کچھ روپیہ کمانے کے لئے ہمارے سپاہیون کے ہاتھ شراب فروخت کرتی ہے۔ لوگ اس بات سے متحیر ہین کہ فرانس مین ہمارے اجتماعی مرکزون مین ایک قسم کی قمار بازی کی جس کا نام ہوسس ہے سرکاری طور پر اجازت ہے ان حالات کو دیکھ کر خداوند کریم کی ذیل کی آیت کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ یہ آیت سورہ بقر کے درمیان مین آئی ہے اور اس سورہ مین احکام جنگ کا ذکر ہے اس مین جو ذکر ہے کہ کچھ نفع بھی لوگون کے لئے ہے اس مین اشارہ اس وقتی بھیڑ لاوٹ کے طرف ہے جو کہ ایک سپاہی کو اس قسم کے قابل نفرت اشغال مین ملجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قران کریم کا وحی کرنے والا جانتا تھا

گو یہ دو بدیان فوجی سپاہیون مین ہر زمانہ مین پائی جاتی ہین بالخصوص جب کہ وہ میدان جنگ مین ہون۔ وہی عیسائی نومسلم اس مضمون مین لکہتا ہے کہ اس سے بہی بدتر یہہ بات ہے کہ بعض عیسائی قومون نے بڑے بڑے مظالم جنگ مین کئے اور مسلمان جنگون مین اس قسم کے مظالم سے عام طور پر ہمیشہ بچتے رہے ہین کیونکہ اُن کے ہاتہہ مین ایک صحیح قانون ہے جس کی پیروی کرنی وہ اپنا فرض سمجہتے اور اُس پر کاربند رہتے ہین۔ جنگ کے اندر دشمن کے جس حصہ ملک پر قبضہ ہوجاوے اُس کے غیر فوجی آبادی سے کیا سلوک کرنا اور نیز جنگ کے قیدیون سے کیا سلوک کرنا چاہیئے یہہ اور اسی قسم کے تمام امور پر قران شریف یا نبی صلعم کے ارشادات کے اندر صاف ہدایات موجود ہین۔ کیا اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب نے کیا محمد صلعم کے سوا کسی دوسرے نبی نے اس خطرناک انسانی بیماری جنگ کے لئے کوئی تریاق تجویز کیا ہے؟۔

میری راے مین دنیا اس وقت ایک بڑے مذہبی انقلاب کے کنارہ پر کہڑی ہے۔ مختلف مذاہب پرانے عقاید سے بیزار ہورہے ہین جو اُن کی ترقی مین مانع ہین جو لوگ اس بیزاری کا احساس رکہتے ہین اُن کے نزدیک سب سے بڑا فیصلہ کن عنصر نئے مذہب کا اخوت عام ہے۔ پرانے تنگ دل اور تعصبات قدرتی موت مر رہے ہین اور اُن کی بجاے ایک وسیع اخوت انسانی واعتصام بحبل اللہ کا خیال جو اسلام کا اصل الاصول ہے جگہہ لے رہا ہے۔ بہت سی تحریکات جنہون نے اس امر کو مد نظر رکہا ہے اُنہون نے

بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ مذہبی رنگ مین ذیل کے نام لئے جا سکتے ہین
دی ریلیجس موومنٹ یا ادر ہڈ موومنٹ تھیوسافیکل یا اور ہڈ اسپریچولزم اور
ایسی سوسائٹیان جن کو مذہب سے تعلق نہین مگر پھر بھی وسیع اخوت انسانی کے
قیام کا مقصد اُن کے مد نظر ہے۔ مختلف سوشلسٹ تحریکات اور اسکے علاوہ بہت سی
وغیرہ۔ یہ تمام تحریکات عام ہمدردی انسانی کے رنگ مین کام کرتی ہوئی تدریجاً
تعصب و تنگدلی کو دور کر رہی ہین لیکن یہ ترقی بہت آہستہ ہو رہی ہے۔
ہان اگر مغرب ایک دفعہ بھی اپنی اصل آنکھ سے اور ہر قسم کے رنگدار عینکون
کو اُتار کر دین محمدی کا مطالعہ کرے تو بہت جلد ترقی کر کے اپنے مقصد مین
کامیاب ہو سکتا ہے یعنے ایک وسیع اخوت اسلامی جو راحت انسانی کا سبب
ہو قایم ہو سکتی ہے۔ مذہب اسلام باہم صبر و حق کرنے کی وصادقین کیساتھ
رہنے کی ہدایت کرتا اور ثبات کرنے اور ہمت کے ساتھ کام کرنے کو مسلما
بہت محمود قرار دیتا ہے۔ اس باب مین اصول فلسفہ اسلام کا مجمل بیان تھا
مفصلاً ہر ایک صنف کو ہم پہلے لکھ چکے ہین۔

فرایض و حقوق قومی و بین الاقوامی بروے اسلام۔ عبد مومن اپنی جان
اور مال کو اللہ تعالےٰ کے حق مین بعوض جنت کے بیچ ڈالتا ہے۔ پس حکم مولیٰ پر
عمل و رضاے بقضاے مولےٰ اُس کا اوڑھنا اور بچھونا ہوتا ہے اور وہ
اُسی پر سر تسلیم خم کرتا ہے اور سب سے احب وہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے
احکام کو عملی طور پر رکھتا اور اُن کو عفو سے بچاتا اور کفر پر ایمان کو ترجیح دیتا ہے
اور حب فی اللہ و بغض فی اللہ ہو اُس کے افعال یہی ہوتے ہین۔ لہذا حقوق

وفرائض اسی اصول پر اس کے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے رو سے حسب ذیل طور کے تعلقات مابین مومنین ودیگر اشخاص کے ثابت ہوتے ہیں۔

سورہ ممتحنہ میں ہے۔ لقد کان	بیشک ہے تمہارے لئے نمونہ نیک ابراہیمؑ
لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم	اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے انہیں سے جبکہ
والذین معہ اذ قالوا لقومھم	کہا ان لوگوں نے اپنی قوم کو ہم بری ہیں تم سے اور
انا برآء منکم ومما تعبدون من	ان سے جنکی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑکر انکار کیا
دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا و	ہم نے تمہارے ساتھ اور ظاہر ہوگئی ہمارے درمیان
بینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی	اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کا یہاں تک
تؤمنوا باللہ وحدہ ہ	کہ ایمان لاؤ تم اللہ اکیلے پر

پس اس آیت میں اس اسوۂ حسنہ کے پیروی کرنے کی ہدایت ہے کہ اللہ وحدہٗ کو چھوڑکر جو لوگ کسی کی عبادت کریں ان عبادت کرنے والوں اور جسکی عبادت کیجاوے ان سے برأت ظاہر کرنا اور کہہ دینا چاہیئے کہ اس وقت تک عداوت وبغض ہمارے اور تمہارے درمیان ظاہر ہوگیا ہے جس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اکیلے پر تم ایمان نہ لاؤ۔ لہذا اللہ تعالےٰ اکیلے پر ایمان نہ لانے تک بغض و عداوت ابدا کا اعلان اور اگر اللہ کو چھوڑکے عبادت کریں تو ان سے اور جسکی عبادت کریں ان سے برأت کرنے کا حکم ہوا لیکن یہ ہدایت و حکم نہیں ہے کہ ایسے عداوت وبغض کا نتیجہ یہ بھی ہو کہ بر و قسط ان کے ساتھ نہ ہوسکے۔ پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس بغض و عداوت کے اعلان سے مقصود یہ ہے کہ وہ ذریعہ تنبیہ تبلیغ پر ہدایت ہو اور ایک دوسرے کو معلوم ہو کہ ان سے باہم معاشرت

خاص قسم کی نہین ہوسکتی لہذا اول قسم کا بین الاقوامی تعلق یہہ ہوا۔ سورہ ممتحنہ مین ہے۔

لا ینہٰکم اللہ عن الذین	نہین منع کرتا تمکو اللہ اُن لوگون سے جو نہین لڑتے
لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم	تم سے دین کی حیثیت سے اور نہین نکالتے تم کو تمہارے
من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا	گھرون سے یہ کہ بر کرو اُن سے اور قسط کرو اُن کیساتھہ اللہ
الیھم ان اللہ یحب المقسطین	دوست رکہتا ہے قسط کرنیوالون کو سوائے اسکے نہین
انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم	کہ منع کرتا ہے تم کو اللہ اُن لوگون سے جو لڑتے ہین تم سے
فی الدین واخرجوکم من دیارکم	بحیثیت دین کے اور نکالتے ہین تم کو تمہارے گھرون سے
وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم	اور مدد کرتے ہین تمہارے نکالنے پر یہ کہ دوستی کرو
ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون	اُن سے اور جو کوئی اُنکو دوست رکہا تو وہی ظالم ہین۔

پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالم وہ مومن ہین جو اُن کو دوست رکہین جو بحیثیت دین کے مومنون سے لڑتے اور جو مومنون کو اُن کے گھر سے نکالتے اور اُن کے نکالنے پر مدد دیتے ہون المسلمون سے دوستی منع ہے۔ برخلاف اسکے جو عمل ہائے مذکور کو نہ کرتے ہون اُن سے بر و قسط کی ممانعت نہین۔ لہذا تین قسم کے تعلقات ثابت ہوگئے۔ اول جن کے ساتھہ برارت کا اعلان ہو دوسرے اُن کے جن کے ساتھہ بر و قسط کی ممانعت نہین۔ تیسرے اُن کے جن کے ساتھہ بر و قسط کو منع کیا گیا ہے۔ اور سورہ آل عمران مین ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق	اے مومنو تقوے کرو اللہ سے جیسا کہ
تقٰتہٖ ولا تموتن الا وانتم	حق ہے ڈرنے کا اور نہ مرو مگر تم مسلم ہو
مسلمون واعتصموا بحبل اللہ	اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو۔

جمیعاً و لا تفرقوا ۵ | اور باہم متفرق نہ ہو۔

پس ان آیات میں مومنون کو یہہ ہدایت ہے کہ وہ مسلم ہی مرین یعنے جب مرین تو اللہ پر بغیر ایمان کے نہ مرین۔ دوسرے جو خدا پرست ہون وہ سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلیوین اور باہم متفرق نہ ہو وین یعنے متفقہ قومیت بحیثیت خدائے واحد کے ایمان لانے والون کے قایم کرلیوین اور اس طرح متفرق ہونے سے بچ جاوین کیونکہ زانتم مومنون نہین بلکہ اس آیت مین و انتم مسلمون ہے لہذا خدا پرستون ہی کے لئے یہ حکم ہے۔ پس یہہ چوتھے قسم کے تعلقات ہوئے۔ سورہ نساء مین ہے۔ ان اللہ یامرکم | اللہ حکم کرتا ہے کہ ادا کرو امانتون کو

ان تؤدوا الامانات الی اھلھا | اُن کے اہل کو اور جب حکم کرو آدمیون

و اذا حکمتم بین الناس ان | کے درمیان تو حکم کرو

تحکموا بالعدل ۵ | عدل کے ساتھہ۔

پس اس آیت مین جس طرح امانتون کو اُن کے اہل کو ادا کرنے کا حکم ہے اُسیطرح جب آدمیون مین حکم دین تو حکم عدل کے ساتھہ دینے کا حکم ہے اور کوئی تخصیص اور قید نہین ہے کہ کافرون کے ساتھہ ایسا کیا جاوے یا مومنون کے ساتھہ اور دشمن کافرون کے ساتھہ کیا جاوے یا اُن کافرون کیساتھہ جنسے معاہدہ ہو بلکہ تمام آدمیون کے ساتھہ عام حکم ہے لہذا اللہ کا ہر شخص کی امانت کے بابت حکم ہے یعنے امانت جس کی ہو بلا تخصیص کے اُسکے اہل کو ادا کرین اور جب کسی آدمی کے نسبت حکم کرین تو بدون کسی تخصیص کے عدل کے ساتھہ جیسے جیسا معاہدہ و انصاف ہو اُس کے روسے حکم کرین کیونکہ ممکن ہے کہ بعض

معاہدے مطابق قسط کے نہ ہون۔ اور سورہ بقر مین ہے۔

واخرجوھم من حیث اخرجوکم — اور نکالو اُنکو جس طرح کہ اُنہون نے نکالا تم کو

والفتنة اشد من القتل ٥ — اور فتنہ شدید تر ہے قتل سے۔

پس ان آیت سے ثابت ہوتا ہے فتنہ مٹانے اور مومنین مستضعفین کے ظالمون کے ظلم سے نجات دینے کے لئے فی سبیل اللہ لڑنیکا حکم ہے۔ لہذا یہ تعلق چھٹے قسم کا ہوا۔ اور سورہ نساء مین ہے۔

الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق ٥ — مگر وہ منافق جو مل رہے ہین اُس قوم کیطرف جس کے تمہارے درمیان اور اُنکے درمیان عہد ہے

اور سورہ نساء مین ہے۔ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق الایہ۔ — اور اگر ہو مقتول اُس قوم مین سے کہ بیچ مین تمہارے اور درمیان اُسکے عہد ہے۔ الایہ

اور سورہ [illegible] مین ہے۔ الا الذین عٰھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم — مگر اُن لوگون سے جن سے عہد کیا تم نے مشرکین مین سے پھر نہ کم کیا اُنہون نے کچھ بھی اور نہ مدد کیا اُنہون نے تمہارے مقابلہ مین کسیکی تو پورا کرو اُنسے اُنکے عہد اُن کی مدت تک۔

اور سورہ انفال مین ہے۔ علیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق ٥ — تو تمہارے ذمہ ہے مدد مگر اُس قوم پر کہ بیچ مین تمہارے اور درمیان اُن کے میثاق ہے۔

پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ میثاق وعہد باہم مومنین اور غیر مومنین مین ہو سکتا ہے اور اس طرح باہمی حقوق وفرائض پیدا ہوتے ہین اور جن مشرکون سے عہد ہو اور وہ کچھ کم نہ کرین اور کسی کی مدد مومنین کے مقابلے مین نہ کرین تو جو عہد ہو اُس کی مدت تک اُس کو پورا کرنا چاہیئے اور جن کے درمیان میثاق ہو

اُنکے خلاف مدد کرنا چاہیئے - لہذا یہ ساتوین قسم کے تعلقات ہوئے - سورہ توبہ مین ہے

قتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون ٥

اور لڑو اُنسے جو نہین ایمان لاوینگے اللہ اور یوم آخر پر اور نہین حرام کرینگے اُسکو جو حرام کیا ہے اللہ اور اُسکے رسول نے اور نہین قبول کرینگے دین حق کو اُن لوگون مین سے جنکو دیگئی ہے کتاب یہانتک کہ دین جزیہ ہاتھ سے اور وہ چھوٹے ہونے والے ہون:

پس اس آیت سے خاص قسم کے لوگون سے جنکا بیان اس آیت مین ہے لڑکر ایسے طور پر جزیہ لینا جس سے بجائے اُنکی بڑائی کے اُنکی چھوٹائی ہو جایز قرار پایا ہے لہذا یہ آٹھوین قسم کے تعلقات ہوے - اُن سب لوگون کے سوا جنکے تعلقات کا بیان ہو چکا ایک قسم کے اور لوگ ہین جنکا ظاہر ایمان ہے اور باطن کفر یا تذبذب - لہذا نہ وہ مومن ہین نہ کافر اور ظاہر و باطن کے مختلف ہونے کے وجہ سے ظاہری برتاو کے موافق اُن کے ساتھ برتاو اس دنیا مین کرنا پڑتا ہے اور جیسا وہ عمل کرین اُسکے مطابق اُن سے تعلقات رکھنا پڑتا ہے - عاقبت مین اُن کی سزا جدا ہے اور وہ منافق ہین اُن کے نسبت آیات ذیل مین مخصوصا بیان ہے جنسے اُن کے افعال و سزا کا پتہ چلتا ہے - پس اُن کے ساتھ نوین قسم کے تعلقات ہوے -

سورہ توبہ مین ہے - المنفقون والمنفقت بعضھم من بعض یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم نسوا اللہ فنسیھم ان المنفقین ھم الفسقون وعد اللہ المنفقین والمنفقت والکفار نار جھنم خلدین فیھا ھی حسبھم ولعنھم اللہ ولھم عذاب مقیم ٥ اور سورہ منافقون مین ہے - اذا جاءک

المنٰفقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد
ان المنٰفقين لكٰذبون اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء
ما كانوا يعملون ہ اور سورہ نساء میں ہے۔ ان المنٰفقين يخادعون الله وهو
خادعهم واذا قاموا الى الصلوٰة قاموا كسالى يراءون الناس ولا يذكرون الله الا
قليلا مذبذبين بين ذالك لا الى هؤلاء ولا الى هؤلاء ومن يضلل الله فلن تجد له
سبيلا ہ۔ ان سب آیات مذکورہ بالا سے منافقین کا طریق عمل اور اُن کے عذاب ظاہر
ہوتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے۔ فان رجعك الله الى طائفة منهم فاستاذنوك
للخروج فقل لن تخرجوا معى ابدا ولن تقاتلوا معى عدوا انكم رضيتم بالقعود
اول مرة فاقعدوا مع الخالفين ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم
على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فٰسقون ولا تعجبك اموالهم
واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها فى الدنيا وتزهق انفسهم وهم كٰفرون
ان آیات سے ثابت ہوا ہے کہ منافق جو اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے نہ نکلیں اور پیچھے رہ جائیں
اُن پر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے اور نہ اُن کی قبر پر کھڑا ہونا چاہیئے اور وہ فاسق ہیں
اگرچہ یہ حکم آنحضرتؐ کو ہے لیکن مفہوم عام ہے اور یہ بھی بیان ہے کہ اُن کے
پاس اموال اور اولاد ہوتے سے تعجب نہ کرنا چاہیئے وہ اس لئے ہیں کہ دنیا میں
اُن کے عذاب کا سبب ہوں اور اُن کی جان کفر کی حالت میں نکلے۔ اس کے
علاوہ منافقین کے بابت سورہ منافقون اور دیگر سورتوں میں اور آیات بھی ہیں۔
اور باہم مومنوں کے تعلقات کے بابت حسب ذیل آیات قابل توجہ و یاد رکھنے
کے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے۔ اور مومن مرد و مومن عورتیں بعض اُن کے رفیق ہیں

بعض کے امر کرتے ہین معروف کیساتھ اور نہی کرتے ہین منکر سے اور قایم رکھتے
ہین نماز اور دیتے ہین زکواۃ اور اطاعت کرتے ہین اللہ اور اُس کے رسول
کی قریب ہے کہ اُن پر رحم کرے اللہ - پس مومنون کے افعال مذکورہ آیت وہ
افعال ہین جو منافقون کے افعال کے ضد و برعکس ہین اور اللہ نے بیدہی اُم
وعدے بھی مومنون کو کئے ہین - منجملہ اُس کے اللہ کی رضامندی جو فوز عظیم ہے
اُسکا بھی وعدہ ہے اور نماز و زکواۃ وہ چیزین ہین جنسے معاشرت کو بھی فایدہ پہنچتا ہے - اور
سورہ حجرات مین ہے - سوا اسکے نہین کہ مومن وہ ہین جو ایمان لائے اللہ اور اُسکے رسول پر
پھر نہ شک کیا اور کوشش کیا بذریعہ مالون اور نفسون کے اللہ کی راہ مین وہی سچے ہین -
پس مومن صادق اُنکو قرار دیا گیا ہے جو فی سبیل اللہ اپنے مالون اور جانون کے ذریعہ سے
حسن تعامل مین کوشش کرتے ہین - اور سورہ مایدہ مین ہے - اور جسنے دوست
رکھا اللہ اور اُسکے رسول اور مومنون کو تو اللہ کا گروہ وہی غالب ہین - اور سورہ حجرات
مین ہے - اور اگر دو گروہ مومنین کے لڑین تو لڑو اُس سے جسنے بغاوت کی ہے یہانتک
کہ پھر آوے وہ اللہ کے امر کیطرف سو اگر پھر آوے تو صلح کراو اُن دونون گروہون
مین عدل کیساتھ اور قسط کرو اللہ دوست رکھتا ہے قسط کرنیوالون کو سوا اسکے
نہین کہ مومن بھائی ہین سو صلح کرا دو اپنے بھائیون درمیان اور تقویٰ کرو اللہ سے
تاکہ تم پر رحم ہو - ان آیات مین جب دو گروہ مومنین کے باہم لڑین تو دوسرے مومنین کو
جو طریق عمل فرض ہی اور جسطرح صلح کرانا چاہئے اُسکا ذکر ہے کہ دیگر مومنین کو لڑ کرا
اللہ سے تقوے کرکے صلح کرانا چاہیئے تاکہ رحم ہو اور قسط کرنا اور اوس کا لحاظ کرکے
صلح کرا دینا چاہیئے - سورہ توبہ مین ہے - اسے مومنو نہ ٹھہراو اپنے آباء اور

بہائیون کو رفیق اگر وہ کریا وہ دوست رکہتے ہین کفر کو ایمان پر اور جس نے دوست بنایا
انکو تم مین سے تو وہی ظالم ہین - پس جو کفر کو ایمان پر مستحب رکہتے ہین انکو رفیق بنانا اور
دوستی کرنا ظالم بننا ہے - نیز بعدہی بیان ہے کہ جو دیگر چیزون کو احب رکہیگا وہ فاسق
ہے - سورہ انفال مین ہے - اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول کی اور باہم تنازع
نہ کرو تو نامرد ہو جاؤگے اور جاتی رہیگی تمہاری ہوا اور صبر کرو اللہ صابرین کیساتہہ ہے
پس باہم تنازع نہ کرنیکی ممانعت ہے کہ اس سے نامرد ہو جاتے ہین اور ہوا اکہڑ جاتی ہے اور
صبر کرنیکا حکم ہے کہ اللہ صابرین کیساتہہ ہوتا ہے یعنے تنازع نہ کرنا اور تنازع نہ ہونے کیلئے
صبر کرنا چاہئے - لہذا ان مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنون مین باہم تنازع و
اختلاف نہ ہونا چاہئے اور بہائیون کے طور پر اصلاح ہونا اور قسط و عدل برتنا اور ایکدوسرے کا
رفیق ہونا چاہئے اور جو کفر کو ایمان پر مستحب سمجہتے ہون انکو دوست و رفیق نہ بنانا اور دو گروہ
مومنین کے لڑین تو انکو کرادون کے ساتہہ قسط کا لحاظ کر کے انہین صلح کرا دینا اور امر
بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا اور فی سبیل اللہ مال و جان کو لگانا غرضکہ اس قسم کے تعلقات
مومنین مین ہونا چاہئے - سورہ نساء مین ہے - جنکو وفات دلاتے ہین ملایکہ اس حالمین
کہ اپنی جان پر ظلم کرنیوالے ہین کہتے ہین تم کیا کرتے تہے وہ لوگ کہتے ہین ہم ناتوان تہے
ملک مین کہتے ہین کیا نہ تہی خدا کی زمین کشادہ کہ تم لوگ ہجرت کرتے اُسمین سو انہی ظالمون کا
ٹہکانا جہنم ہے اور بُری جگہہ پہنچنے کی ہے مگر وہ ناتوان مردون اور عورتون اور لڑکون سے
جو استطاعت نہین رکہتے چارہ کار کی اور نہین پاتے راہ تو نزدیک ہے کہ انکو اللہ معاف کرے اور اللہ
مغفرت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے - پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو ناتوان مرد و عورت و لڑکے چارہ کار
نہین پاتے انکو معافی ہے اور جو راہ پاتے ہین اور ہجرت نہین کرتے اور مرتے ہین ایسی حالتمین کہ ظلم اپنے

مقسوم کرتے نہیں تو انکا اٹھانا بہم ہے۔ لہذا ایسی صورت مین سخت ضروری ہے اور مردون عورتون
لڑکون تینون کیلیے یہ حکم ہے و تصریح ہے۔ اور سورۂ نسا مین ہے اور تمکو کیا ہے کہ لڑائی نہین کرتے اللہ کی راہ مین
حالانکہ ناتوان مرد و عورتون اور لڑکون مین سے ہین جو کہتے ہین کہ اے رب ہمارے نکال ہمکو اس بستی سے کہ ظالم ہین اسکے
رہنے والے اور ٹھہرا ہمارے لیے اپنے پاس سے ولی اور ٹھہرا ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار۔ پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی
حکم ہے کہ جو ناتوان مرد و عورت و لڑکے ہجرت سے روکے جاتے ہون اور انپر ظلم ہوتا ہو انکے نکالنے کیلیے مومنین کو لڑنا فرض ہے
اور مظلوم کیلیے خود بغیر مددگار کے لڑنیکا حکم نہین ہے بلکہ ہجرت ہی کرنیکا حکم ہے لہذا اگر ور محکوم کے بابت یہ حکم ہے
ایک مومن کے دوسرے مومن کیساتھ جو حقوق و فرائض مخصوصہ ہین اسلام مین انکو مختصر لکھتے ہین۔ (۱) اسلام کرنا اور جو سلام کرے
اسکو قسمت مین جاننا جبتک کہ اسکے خلاف نہ ثابت ہو۔ (۲) ایک مومن دوسرے مومن کے مکانمین نہ داخل ہو جبتک اذن نہ طلب
اور گھرکے اہل کو سلام نہ کرے جو کہلے رہنیکا وقت ہے اسمین بھی جائز نہین دوسرے وقتون مین جنکے مالک نابالغ ہو چکے ہین اور نابالغ کو
مضایقہ نہین ور کہلے رہنے کے وقت صلواۃ فجر کے پہلے اور دوپہر بعد صلواۃ عشا ہین۔ (۳) اگر کسی مکان والے کہین کہ پہر جاؤ تو
پہر جانا چاہیے۔ (۴) مومنین و مومنات اپنی نگاہین نیچی کرین اور مومنات اپنی اوڑھنی گریبان پر ڈال لین اور اپنی زینت ظاہر نکرین
سوا اس جگہ کے جو کھلا رہتا ہے۔ (۵) جب اللہ کیطرف بلائے جاوین تا کہ انکے درمیان حکم کیا جاوے تو سمعنا و اطعنا کہین۔ (۶) جب جامع امر پر ہون
تو بلا اذن نہ جاوین۔ (۷) مجلس مین جب وہ ہٹنے کو کہا جاوے تو کشادہ ہو جاوین اور جب اٹھ کھڑے ہونیکو کہا جاوے تو اٹھ کھڑے
ہون۔ (۸) اثم و عدوان و معصیت کیلیے سرگوشی کیساتھ مشورہ نہ کرین اور بر و تقوی و اصلاح و امر بالمعروف کیلیے مضایقہ نہین (۹)
فاسق کی خبر کو جانچ لیا کرین (۱۰) دو جماعت مومنین کی لڑین تو جو جماعت زیادتی کرتی ہو اس سے یہانتک لڑنا چاہیے کہ اللہ کے امر کو مانے تو عدل
کیساتھ قسط کا لحاظ رکھکر انمین صلح کرا دینا (۱۱) مومنین باہم بھائی بھائی ہین اسلیے صلح انکے درمیان کرانا چاہیے۔ (۱۲) مومن کو اسکے حقیقی باپ
سے نام پکارنا چاہیے نہ اور قسم کے برے نام اگر انکے باپ کا نام معلوم ہو تو وہ دینی بھائی ہین و رفیق اور انکو اچھے نام و کنیت سے پکارنا چاہیے (۱۳)
تمسخر باہم نکرنا چاہیے (۱۴) عیب باہم نہ کرنا چاہیے (۱۵) غیبت نکرنا چاہیے (۱۶) برے لقبون سے بدنام نکرنا چاہیے (۱۷) تجسس نکرنا چاہیے (۱۸)
بعض ظن باہم مین اثم ہے نکرنا چاہیے (۱۹) اکرم اتقا کو سمجھنا چاہیے (۲۰) امر بالمعروف و نہی عن المنکر باہم مومنین مین ضروری ہے (۲۱) قسط کرنا چاہیے

حقوق و فرائض زن و شوہر۔ غرض تاہل و نکاح و لباس و حرث کی مثال کی خوبی و بلاغت اور شوہر کے حاکم ہونے کے وجوہ اور اولاد صالح کے پیدا ہونے کی خواہش کا فرض ہونا۔

سورہ بقر مین ہے ہن لباس لکم وانتم لباس لہن۔ تمہاری بیویان تمہارے لئے لباس ہین اور تم انکے لئے لباس ہو بیوی اور شوہر کے تاہل زندگی کے لئے نہایت خوبصورت و موزون و برجستہ تشبیہ اس آیت مین ہے اور انکو اپنی باہمی فرائض کو جن اصول پر اختیار کرنا چاہیئے اور جس طرح باہمی محبت و مودت رکھنا اور ایک دوسرے کے یار غمگسار و مددگار ہونا چاہئیے اُسکی پوری تصویر ہے اور اس سے بہتر طرز بیان ہو نہین سکتا تھا لباس بدن سے ملا رہتا ہے جبکہ اُسکو پہنتے ہین اسی طرح زن و شوہر کو آپسمین ملا جلا رہنا چاہیئے۔ لباس بدن کے نقایص کو بھی ڈہانکتا ہے جنکو دوسرے کے نظر سے چھپا رہنا چاہیئے لہذا بیوی اور شوہر کو اس طرح رہنا چاہیئے کہ غیر کو نقایص دونون مین سے کسی کے ظاہر نہ ہون اور ایک دوسرے کے پردہ پوش ہون۔ اور اگر انمین سے کسی مین کوئی مخفی نقص ہو تو چونکہ ایک دوسرے کے نقایص سے واقف ہو جاتے ہین لہذا اُنکو اُسی طرح اُن نقایص کو ڈہانک لینا چاہیئے جس طرح لباس ڈہانک لیتا ہے اگرچہ لوگون کے نظر مین کوئی بہتر سے بہتر ہو مگر زندگی مین ایسے تکلیف دینے والے اُمور ہوتے ہین جنکا لوگون کے علم سے دور رہنا ہی بہتر و انسب ہوتا ہے یہ اخفا سوسائٹی کے بہتر بنانے و بہبود کے لئے بہت مفید بلکہ ضرور ہوتا ہے سو اگر زن و شوہر باہمی مدد نہ کرین تو راز مذکور افشا ہو جاوین اور خوفناک

نتائج کا سبب ہون اور خانگی و تمدنی زندگی کی راحت و امن خطرے مین پڑجاوین لباس موسم کے سختیون سے بچاتا و آرام دیتا ہے اور جب کہ سردی یا گرمی بہت زیادہ ہو تو اسے محفوظ رکہتا ہے اگر خانگی سختیون سے بیوی اور شوہر ایک دوسرے کو نہ بچاوین تو استقلال اور صبر گرد ہوجاتے ہین اور راحت اور آرام کافور۔ لہذا زن و شو کی نسبت یہہ کہنا کہ وہ ایک دوسرے کے لباس ہین یہ ہدایت کرنا ہے کہ خانگی سختیون سے محفوظ کرنے کے لئے لباس کی طرح انکو تیار رہنا اور اُسکو اپنے فرائض مین سے سمجہنا چاہئے۔ لباس زینت کا بھی سبب ہوتا ہے بیوی اور شوہر ایک دوسرے کے زینت کا بھی سبب ہوسکتے ہین۔ اس مختصر و جامع مثال سے قرآن مین حقوق و فرائض زن و شوئی بھی بیان ہوئے ہین جس سے بہتر خیال مین نہین آسکتا سورہ بقر مین بعد اس حکم ہے کہ عورتین جب اپنے حیض مین ہون تو اونکے پاس نہ جاؤ جبتک کہ وہ طاہر نہ ہون کہ نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم۔ تمہاری بیویان تمہاری زراعت ہین تو جاؤ اپنی زراعت کو جس طرف سے چاہو اور اپنے لئے آگے بھیجو۔ اس آیت مین فطرت انسانی کا بیان ہے کیونکہ عورتون سے اولاد پیدا ہوتی ہے پس وہ اپنے شوہرون کے لئے کہیت ہوئین اور جس طرح کسان اپنے کہیت مین جاتا ہے اور جہان سے جانتا ہے کہ زراعت کو فایدہ ہوگا اور جنس اسکو اچھی ملیگی اور جنس کو نقصان نہ ہوگا وہان سے وہ اپنے کہیت مین جاتا ہے اسی طرح شوہر بھی کرتا ہے اور اُسکو اسی طرح کرنا چاہئے پس خدا تعالے نے یہ اسی لئے فرمایا کہ تمہاری بیویان تمہاری کہیتی ہین تو آؤ اپنی زراعت مین جہان سے چاہو تاکہ اس طریق سے شوہر اپنے بیویون سے وہ عمل نہ کرین کہ جنس یا خود

کھیت خراب ہو اور ایسا عمل ہو جس سے فائدہ نہ ہو اور بعد ہی یہ فرمایا کہ اپنے لئے آگے بھیجو یعنے اولاد صالح کا پیدا کرنا چاہو تاکہ وہ آیندہ تمہارے کام آوین اور تمکو اس کوشش کا ثواب ہو۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نکاح کی غرض یہہ بھی ہونا چاہئے کہ اولاد صالح پیدا ہون اور جس طرح کسان عمدہ کھیت بنانے اور عمدہ جنس اسمین سے پیدا کرنے اور اُسکے ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے اُسی طرح مردون کو اپنی عورتون کے ساتھ عمل کرنا چاہئے۔ لہذا اس آیت مین ایسی مثال ہے جس سے بمثال خیال مین نہین آسکتی اور غرض نکاح اور حقوق و فرایض مابین زوجین بھی اس سے ثابت ہوتے ہین۔

آیت الرجال قوامون علی النساء الایہ مین اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مرد عورتون پر اس لئے حاکم ہین کہ بعض بعض پر فضل رکھتے ہین یعنے باعتبار قویٰ کے مرد عورتون پر عموماً فضل رکھتے ہین اور اس لئے بھی حاکم ہین کہ مرد عورتون پر خرچ کرتے ہین یعنی اُنکے نفقے مین صرف کرتے ہین لہذا آیات مذکورہ بالا مین مثال و حقوق و فرائض بیان ہوئے ہین پس جو حقوق فرائض زن و شوئی کے آیات مذکورہ سے ثابت ہوتے ہین اصلی و حقیقی و صحیح حقوق و فرائض ہین اُس سے افراط یا تفریط کرنا مبالغہ کرنا و غلط راہ پر چلنا ہے اور یہہ فضل مذہب اسلام کا ہے کہ معتدل طریق اسمین اختیار کیا گیا۔ ان آیات مین جس طرح زن و شوہر باہم باعتبار فطرت انسانی ہوتا رہتا ہے اور جس طرح ایک دوسرے کے لئے ہوتے ہین اُن کی پوری تصویر ہے۔

سورہ انفال کے آیات کا ترجمہ ہے مثل عادت فرعون کے قوم اور اُن لوگون کے
جو اُن کے قبل سے تھے کفر کیا ان لوگون نے اللہ کے آیات کے ساتھ پس مواخذہ کیا
اللہ نے اُن کے گناہون پر اللہ قوی سخت عقاب کرنے والا ہے وہ اس لئے کہ اللہ
کے لئے نہین ہے کہ بدلے کسی نعمت کو جس کو اُس نے نعمت کی کسی قوم پر یہانتک
کہ وہ خود متغیر کر دین اللہ سمیع علیم ہے مثل عادت فرعون کے قوم اور ان لوگون کے جو
اُنکے قبل تھے جھٹلایا اُنہون نے اپنے رب کی آیات کو سو ہلاک کیا ہم نے انکو بسبب
انکے ذنوب کے اور ڈبو دیا ہم نے آل فرعون کو اور سارے ظالم تھے پس ان
آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر بآیت اللہ کرنے سے اس لئے مواخذہ ہوتا اور اللہ
شدید العقاب کرتا ہے کہ جو نعمت وہ کسی قوم کو دیتا ہے اُسکو متغیر نہین کرتا جبتک
کہ وہ قوم خود متغیر نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ تغیر کرنا یہی ہے کہ اُس نعمت کا استعمال غیر صحیح طور پر کیا جاوے
اور جس سبب سے وہ نعمت ملی ہے اُس سبب کو ترک کر دیا جاوے یعنے احسن عمل کے
بجاے غیر احسن عمل کئے جاوین جسکا نتیجہ شدید العقاب و مواخذہ و تغیر نعمت ہے اسی طرح
جن لوگون نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو بسبب اپنے ذنوب کے ہلاک و غرق ہوے
اور یہہ جھٹلانا ظلم کرنا اور ظالم بننا ہے پس تغیر نعمت مین کرنا اور جن نعمتون کے حصول کے
اور احسن عمل کے کرنیکے جو طریق اللہ نے رکھے ہین اور جو آیات رب کے جاتے ہین
اُن کا جھٹلانا شدید العقاب و ہلاک و غرق ہونے کا سبب ہوئے ہین لہذا اُنسے
اجتناب لازم ہے اور آیات سورہ مائدہ کا ترجمہ یہہ ہے جان رکھو کہ اللہ شدید العقاب ہے
اور یہہ کہ اللہ غفور الرحیم ہے رسول کے ذمہ نہین مگر بلاغ اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر

کرتے اور جو تم چھپاتے ہو پس ان آیات سے یہ مقصود ہے کہ رسول کے ذمے صرف بلاغ ہے۔ ہر شخص اپنے فعل کا جوابدہ و ذمہ دار ہے۔

مذہب اسلام میں عمل کرنا اسی طرح مشروط ہے جس طرح ایمان لانا دہ عملی مذہب ہے مذہب اسلام اعتقاد کا نام نہیں بلکہ ایمان وخوف خدا و خوف آخرت کے ساتھ عمل صالح اسکے رو سے لازم ہے تاکہ ایسے اصول پر ایمان لاکر و بنیاد اعتقاد قایم کر کے عمل کئے جاوین جو زندگی کے ہر شعبہ و ہر وقت کے روزانہ کاروبار مین کار آمد ہون اور تکلیف و ذلت سے بچاوین اور آرام و راحت و عزت مین پہونچا وین صبغت اللہ مین رنگ جانے اور مذہبی حیثیت دیکر ماخذ کے اجزا کے نوعیت کو الہامی قرار دینے سے اعمال صحیح و اسلم و جوش و زور کے ساتھ اقوی طور پر انتہا ادب کے ساتھ ہونے لگتے اور متفقہ طور پر عوام و خواص اُن کو کرنے لگتے و ایثار برتنے لگتے و جذبات مخالف کو دباتے اور مغلوب کرتے رہتے ہین پس فتنہ و فساد و ظلم و عناد وغیرہ سے نجات ہو جاتی ہے۔

عمل کا صحیح طور سے انجام پانا سہل و آسان کام انسان کے لئے نہین لیکن اسلام وعدہ و وعید سے عمل صالح کرنے کو خوش گوار بناکر حد انجام تک پہونچاتا ہے۔

اعمال صالح ہی کا کرنا بروے اسلام کے شرط نہین بلکہ مثال بنکر تبلیغ کی بلیغ کوشش کرنا بھی لازم ہے پس جس طرح دین اسلام عملی ہے اُسی طرح تبلیغی بھی ہے اللہ نے کسی نفس کو مکلف نہین کیا مگر اُسکے وسعت اور اُسکے موافق جو اُس کو دیا ہے اور ذمہ دار و جوابدہ و جزا یا سزا پانے کا مستحق وہ اُسی کے مطابق ہے لہذا تکلیف بالا یطاق نہین۔ آنحضرت اور آنحضرت کے ساتھیون اور سابقین

اولیں یعنے صحابہ کبار وکرام کے اعمال مخصوصہ اور مومنین صالحین کے افعال مخصوصہ
کا بھی بیان قرآن مین ہے تاکہ مثال ومطمح نظر ونصب العین مومنین کے لئے ہون
منجملہ اوسکے سورہ فتح مین بھی توریت وانجیل مین آنحضرت اور آپکے ساتھیون کی
مثال حسنہ کی کھیت سے دی گئی ہے جو رفتہ رفتہ اپنے نال پر کڑا ہوکر مضبوط ہوجائے
پس وہ حضرات اپنے پاؤن پر رفتہ رفتہ کھڑے ہوگئے ۔ اور سورہ حج مین مہاجرین
رضی اللہ عنہم اجمعین کے شان مین ہے کہ اون کو اگر ہم زمین مین متمکن کردین تو
اقامت صلوۃ کی اور ادائے زکوۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرین گے ۔ سورہ حج
مین ہے کہ اُس نے تم کو اور نہین ٹھرایا تمھارے لئے دین مین حرج ملت تمھارے
باپ ابراہیم کی ہے اُسی اللہ نے تمھارا نام مسلمان رکھا پہلے اور اس قرآن مین
تاکہ رسول تم لوگون پر گواہ ہو اور تم لوگ گواہ ہو آدمیون پر تو اقامت کرتے جاؤ نماز
کی اور دیتے جاؤ زکوۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کا سہارا وہی تم لوگون کا آقا ہے پس اچھا
آقا اور اچھا مدد کرنے والا ہے ۔ پس اس آیت مین اولاد ابراہیمی کے انتخاب اور انکو
اتباع ملت ابراہیمی کے حکم کے ساتھ اس کا بھی بیان اللہ نے کیا ہے کہ اُس نے
مومنین کا نام پہلے اور قرآن مین مسلمان کیون رکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
دین محمدی تبلیغی مذہب ہے یعنے یہہ کہ آنحضرت مومنین کے ایمان لانے پر گواہ ہون
اور مومنین دوسرے آدمیون پر تبلیغ وایمان کے اس لئے اسلام نام رکھا گیا ہے
اور چونکہ منتخب کرتے اور نامزد کرنے وشہداء علی الناس ہونے کی تصدیق فرمایا
لہذا اُن خصوصیتون کا ذکر بھی فرمادیا جو مومنین کے لئے بہت ضروری ہین پس یہہ کہ وہ
اقامت صلوۃ وادائے زکوۃ کرین واعتصام اللہ کے ساتھ جو اچھا مولیٰ اور اچھا

مدد کرنے والا ہے کریں اور اُسی کا سہارا پکڑکر متفقہ قوم بنجاوین تاکہ اُنکا آقا اپنے
احکام کے انجام دینے سے راضی ہوکر ثواب دیوے پس بیان اس آیت کا لائق جود
جان ہے اور یہہ ظاہر ہے کہ احکام سہ گانہ قیام و اعلان و نشان اسلام کے لئے
مخصوص و اہم ہین مختصر خصوصیات مومنین و صحابہ کبار و مہاجرین و انصار
رضی اللہ عنہم اجمعین یہہ اور اسکے مثل ہین پس اصل یہ ہے کہ جب سوسائٹی کا اخلاقی قوام
درست ہوگا تو اُسکا لازمی و غالب نتیجہ یہہ ہوگا کہ افراد کا اخلاق بھی درست ہو۔ فرد
خواہ اُس کا طرز زندگی کیسا ہی ہو اپنے گرد و پیش کے سوسائٹی سے کسی حالت
مین بھی غیر متاثر نہین رہ سکتی۔ افراد کا سوسائٹی سے متاثر ہونا لازم ہے
و اخلاقی حیثیت سے فرد کی حالت جماعت کے حالت کے تابع و تناسب
ہوتی ہے لہذا ہیئت اجتماعیہ کی اصلاح و فلاح افراد کے بہ نسبت اہم و مقدم ہین
معدودے چند افراد کے آزاد و صلاح ہو جانے و مثال بننے سے سوسائٹی کا قوام
درست ہو سکتا ہے اونمین سے ہریک کے ذاتی تقویٰ و تزکیہ سے سوسائٹی کا
انتظام ہو جاتا ہے اقوام کی سیرت۔ طینت۔ نیت۔ عادت۔ خصلت۔ درست
ہو تو شوکت۔ زینت۔ عزت۔ قدرت۔ قوت ہو جائے فلاکت و عسرت۔ [illegible]
ہلاکت کا فور ہو۔ مصلح بنو تو مفلح بنو اصلاح کرو تو فلاح پاؤ صالح بنو تو فاتح
بنو عامل ہو تو کامل ہو لایق بنو تو فایق بنو۔ اخلاص کرو۔ تو خلاص [illegible] اپنے پاؤن
پر کھڑے ہوجاؤ ایسا نہ کرنے والون سے بڑے ہو جاؤ [illegible] بنو تو خلیفۃ اللہ
بنو۔ غالب کا ہے سب [illegible] حکم قول رب۔ پس ہوگا حق ہی حق۔ [illegible]
[illegible] قدرت کے [illegible]

دوامی آئین مین سے جو وہ سب پر حاوی و دایم و قایم ہے اور کوئی اس قانون کے اثر و تابعیت سے مستثنیٰ نہین۔ وہ باہر ہو سکتا ہے۔

ذات وصفات و توحید اللہ کا مختصر بیان

تمام صفات انسانی زاید علی الذات ہین لیکن واجب الوجود کے صفات زاید علی الذات نہین تمام صفات مفہوم ہوتے ہین اور انسان اُنکو ملکات مادی سے انتزاع کرتے ہین پس تمام صفات جنکو انسان تصور مین لاسکتا ہے وہ مفہومات انتزاعی ہوتی ہین۔ واجب الوجود کے صفات کو اُس کے لوازم ذاتی ہونے پر یقین کرکے جن صفات کو او سکے وجود کے یا منافی کسی اسکی صفت مسلمہ کے سمجھتے ہین اُنسے اُسکو بری کرتے ہین اور جن صفات کے ہونے یا نہونے کا واجب الوجود مین یقین کرتے ہین اُنکو نہ اس وجہ سے یقین کرتے ہین کہ وہ اُنکا محل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ من حیث لااطلاق اُسکے لوازم ذاتی ہونے پر یقین کلی ہے پس اون کو خدا کی طرف من حیث الاطلاق منسوب کرتے ہین بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہین تاکہ مفہوم ہی مفہوم باقی رہ جاوے اور زاید علی الذات نہ ہو اس لئے سورہ شوریٰ مین ہے لیس کمثلہ شئ پس خدا ے تعالے کے ذات و صفات کا جاننا ما فوق وہم و فہم وادراک ہے وہ ہر عیب و نقص سے منزہ تعین و تعینات و جہات و حدود و قیود سے پاک ہے اور این و آن کے خیال سے برتر اور مکان اور لامکان سے اعلیٰ ہے کل اشیا اُس کی معلول ہین اور وہ سب کا علت کل ہے اور اسمین دور یا تسلسل عارض نہین فرق تحقق و تعقل بوجہ تبدیل حیثیات ہے وہ احد و واحد ہے لیکن عدد سے باہر

پس تمام صفات مفہومات انتزاعی ہوتی ہین اور ہم سمجھتے ہین کہ واجب الوجود اور
علت العلل کے لئے ایسی صفات یا اس قسم کی صفات کا ہونا لازم ہے کیونکہ اُسی
سے تمام کائنات و معلولات کا ظہور ہوا ہے اس لئے ایسی صفات متعددہ سے
اُسکو متصف کرنا ضرور ہے جو زاید علے الذات نہون - واجب الوجود کے وجود
چونکہ ہمکو یقین کلی ہے لہذا اُسکی نقیض ہے جو معدوم ہونا ہے ہم اوس کو
بری کرتے ہین کیونکہ وہ امر سلبی ہے اور کسی امر سلبی کا واجب الوجود کے ذات
مین موجود ہونا محال عقلی ہے سورۃ الصف مین ہے سبحان ربک رب العزۃ
عما یصفون پاکی ہے تیرے رب کو وہ رب العزت ہے اُس سے جس سے
اُسکی وہ صفت کرتے ہین پس جو صفت اللہ کی طرف منسوب ہو اُس سے وہ
رب العزت ہے - اور علو کبیر اُس سے اُسکو ہے اصلیت اُسکی صفات کی
انسان کو معلوم نہین ہو سکتی وہ مقدس و پاک ہستی جو ہمیشہ سے ہے ہمارے
تصورات جہانتک پہونچ سکتے ہین اور اُسکی ذہنی تحدید کرتے ہین اون سے وہ
اول ہے وہ آپ ہی آپ ہے اُس کا کوئی خالق نہیں اُسکا ہونا اوسکی ذات
ہے اُس نے اپنے کو ایسا ہی بتایا ہے کہ مین ہون اس کا ہونا ہی اسکی بڑائی
ہے اپنے ہونے ہی سے وہ پہچانا جاتا ہے اور اپنی بڑائی سے وہ پکارا جاتا ہے
اُس کا کوئی ہمسر نہین ہوسکتے مین کیونکہ ہونا اسکی ذات ہے صفت مین کیونکہ
اُسکی اپنی صفتین اسکی ذات ہین وہ اپنی صفات کی طرف مثل انسان کے محتاج
نہین ہو سکتا وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ آپ ہی آپ سے وہ جانتا ہے نہ کسی جہت
سے بلکہ اپنے ذات سے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کسی غرض سے بلکہ اپنے کمال ذات

ہے جو وہ کرتا ہے نہ کسی کہنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ بغیر اُسکے نہین ہوا پھر ایسی ذات کی نسبت بجز اسکے کہ ہے اور کوئی کچھ نہین جان سکتا لیکن یہہ اسکا مستلزم نہین کہ اُس کے وجود سے انکار کیا جاوے اور ایمان بالغیب نہ لایا جاوے بلکہ یہ ایسا مفہوم ہے کہ انسان کا اسکا سمجھ لینا ما فوق فطرت نہین۔

کیونکہ مظاہر مشاہد و معلوم ہوتے ہین۔ خود خدا تعالے نے انا ہی کہکر اپنے کو بتلایا ہے سورہ نمل مین ہے وسبحٰن اللہ رب العالمین یا موسیٰ انہ انا اللہ العزیز الحکیم موسیٰ پر ندا کی گئی کہ پاک ہے اللہ رب العالمین کی اے موسیٰ مین اللہ عزیز الحکیم ہون پس اس آیت مین اللہ کے پاکی کی یہہ دلیل بیان ہے کہ وہ رب العالمین و عزیز الحکیم ہے اور چونکہ وہ معبود ہونے کا حقیقتاً مستحق ہے یا اللہ سوا اُسکے کسی کو نہین کہتے اس لئے انا اللہ فرمایا اور سورہ طہٰ مین اور صاف فرمایا اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی اے موسیٰ مین اللہ ہون کوئی معبود نہین مگر مین سو عبادت میری کر۔ اُسکے تعبیر ذات کے لئے جو نام چاہو اُسکا رکھو لیکن وہ اُسکے ذات یا صفات کی حقیقت نہ ہوگی بلکہ ایک نام ہوگا جس سے تم نے اُسکو نامزد کرلیا ہے اور لوازم ذاتی سمجھکر اُس سے اُسکو موسوم کرلیا ہے یہہ خیال کرکے کہ اُس سے اُس قسم کے صفات کا ظہور ہوا ہے اُسکو جس صفت سے چاہو متصف کرو لیکن اصلیت و حقیقت اُسکے صفات کی نہوگی بلکہ اُس سے اُسی قدر معلوم ہوگا کہ جس خیال سے تم نے اُس مفہوم سے اُس کو متصف کیا ہے اُسکی وہ مظہر ہے نہ کہ اصل صفات کی۔ کسی نام کے رکھنے یا کسی صفات سے متصف کرنے سے یہہ مقصود ہوتا ہے کہ جس کا نام رکھا گیا ہے مشخص ہوجاوے اور دیگر چیزون سے متمیز و مشار الیہ ہوجاوے اور صفات سے متصف کرنے سے

اُس کی صفات مذکور کی نسبت معلوم ہو جاوے اور وہ متمیز و مشار الیہ ہو جاوے
لیکن یہہ ضرور نہین ہے کہ اوس نام یا اوس صفات کا حقیقتاً وہ محل بھی ہو اور اُسکے
ذات مین وہ ضرور موجود ہو اس بیچون و بیچگون کے نام رکھنے اور صفات کو اُس کے
طرف منسوب کرنے سے یہہ کام نکلتا ہے کہ ذہن منتقل ہو جاتا اور یاد تازہ ہو جاتی ہے
اس لئے قرآن مین ہے کہ اللہ کے اسمار الحسنٰی ہین سو پکارو اُسکو اُس کے ساتھہ نتیجہ یہہ ہے
کہ خود اُسکو کسی نے نہین بنایا لہذا کہتے ہین کہ وہ خود بخود آیا ہے - جب ہم کامون سے جو
ظہور مین آتے ہین یہ سمجھتے ہین کہ سلسلہ علت و معلول منتظم و مرتب و قانون کے تحت
د تابع ہے تو ہم واجب الوجود کو عزیز الحکیم کہتے ہین لیکن اسکے ارادہ کو ایسی کیفیت
نہین سمجھتے جو انسانون کے ذات پر زاید عارض ہو گئی ہے اور زاید علی الذات ہے
بلکہ یہہ کہتے ہین کہ اُسکا ارادہ اور اوسکا چاہنا مثل ہمارے چاہنے کے نہین بلکہ وہ ایسا ہے
جو اُس کے مقتضائے ذات و شان ہے اور جب کسی شے کے ہونے کا وہ ارادہ کرتا ہے
تو صرف کن کہدینا اس شئے کے ہو جانے کے لئے کافی ہے پس وہ ہو جاتی ہے
الحق کان اللہ ولم یکن معہ شیاً ہمارے علم کے لئے قبل از علم موجودات خارجی یا ذہنی
کا موجود ہونا ضرور ہے یعنے ہمارا علم اُنکے موجود ہونے کا فی الخارج یا فی الذہن محتاج
اور زاید علی الذات ہے اور ہم زمانہ سے بھی اُسکو متعلق سمجھتے ہین جسکو ماضی اور حال
و استقبال سے تعبیر کرتے ہین مگر با این ہمہ ہم اپنے علم سے کسی خاص شئے کے موجد کے
علم کو یہہ نسبت اس شئے کے زیادہ وسیع پاتے ہین جو قبل وجود اس شئے کے اسکے
کل و جز کا اپنے ذہن مین علم رکھتا ہے اور اُسکے وجود مین آنے پر اور اُسکے خاص حالات
کے ہونے پر جو آیندہ اس کے ہونگے زیادتی اسکے علم مین نہین ہوتی اور اس شئے

خاص کی نسبت اسکے علم مین زمانہ کا اعتبار بھی نہین ہوتا بلکہ ماضی وحال واستقبال
اُسکے علم سے نسبت مساوی رکھتے ہین اسی طرح جب ہم یقین کرتے ہین کہ علت العلل
یا واجب الوجود سے جو کچھ ظہور مین آتا ہے اسکے ارادہ اور حکمت سے آتا ہے تو فطرت
انسانی اسپر شہادت دیتی ہے کہ صفت علم بھی اسکو لازمی ہے جو نہ مقید بوجود معلولات
ہو اور نہ اُس مین زمانہ کا اعتبار ہو اس لئے اسکو عالم الغیب وشہادہ بکل خلق علیم
کہتے ہین اور خدا سے تعالےٰ کے علم کو بالکلیہ عالیہ سمجھتے ہین مین خداوند تعالیٰ کے
علم کو اُس کے ذات کا جزو سمجھتا ہون اس لئے جس طرح اللہ کے واجب الوجود ہونے
پر اعتقاد رکھتا ہون اوسی طرح اُسکے علم کے ہونے پر ایمان رکھتا ہون اور اُسکو عالم الغیب
والشہادہ سمجھتا ہون اور اُسکے علم کو بالکلیہ عالیہ جانتا ہون۔ کمال قدرت یہ ہے کہ جو کمال
کا مقتضا ہو اور جو چاہے وہی واقع ہو نہ کہ اوس کے خلاف اور چونکہ اللہ تعالےٰ کسی کا
یہانتک کہ اپنے صفات کا بھی محتاج نہین بلکہ غنی الحمید ہے اور آپ ہی آپ ہے لہذا اوسکو
علی کل شئ قدیر ہم کہتے ہین۔ قرآن مین متعدد صفات متواتر بار و مختلف اسلوب سے
اللہ تعالےٰ کے بیان ہین اور تمام قرآن اوس سے بھرا ہے بلکہ ہر سطر مین کسی
نہ کسی صفت کا پتہ چلتا ہے۔ مین باعتبار بیان مذکور واپنے ذوق کے مطابق چند جامع
آیات کا ترجمہ نقل کرتا ہون مگر یک یک آیت۔ کیونکہ بالاستیعاب لانے سے طوالت ہے اور جس قدر
دیگر بیانات مین آیات نقل ہو چکی ہین وہ بشمول ان آیات کے کافی سے بھی زیادہ ہین
دلایل توحید و توحید کی بابت جدا آیات کا یکجا کردینے کا ارادہ ہے۔ سبحانہ تعالیٰ کی
مثل کی مثل کا نہ ہونا پس قابل تصور انسانی نہ ہونا اور باوجود اس کے نور السموٰت والارض
ہونا اور بلاغت ان آیات سورہ شوریٰ و سورہ نور بابت بیانات مذکور ظاہری آلات جس کے

ذریعہ سے کسی شئے کے بعض صفات مخصوصہ کی مثال جو اوس شئے کو عارض ہوتے ہین ذہن مین جاتے ہین اور اوس مثال کا عکس حافظہ مین محفوظ ہوتا ہے اور جو کچھہ تصور مین آتا ہے وہ مثال کا عکس ہوتا ہے نہ خود اصل چیز اور نہ اوسکی مثال اگر اصل چیز ہی دماغ مین گھسے تو دماغ پھٹ جائے اور اگر تصویر بناوے جب بھی نہ سماوے اسی لئے سورہ شورےٰ مین خداے تعالی نے اپنے ذات کے نسبت فرمایا ہے کہ لیس کمثلہ شئی کہ اللہ کے مثل کے مثل کوئی شئے نہین اس طرز بیان سے اللہ تعالی کا یہہ مقصود ہے کہ اللہ کا تصور ما فوق فطرت انسانی ہے اوس کا تصور انسان کر نہین سکتا کیونکہ اوسکی مثال حواس سے محسوس نہین ہو سکتی۔ کہنے والا اگر یہہ کہے کہ پہر خداے تعالے نے سورہ نور مین کیون کہا ہے کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ الآیہ کہ اللہ آسمانون وزمین کا نور ہے مثل اوس کے نور کے الآیہ یعنے نور کی مثال کیون بیان کی ہے تو نہین کہہ سکتا کیونکہ ادنی تامل سے بلاغت وحکمت کلام مذکور کی ظاہر ہو جاتی ہے اور کہنے کا موقع نہین رہتا جب خداے تعالے نے فرمایا کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض ہے تو لازم ہوا کہ ظاہر ہو جاوے کہ اوس نور کا تصور کس طرح ہو سکتا ہے پس جس طرح نور مذکور کا وجود ہے اور جس طرح اوس کا ظہور ہے اوس کی مثال بیان کی گئی نہ ذات سبحانہ تعالے کی جسکی مثال بیان نہین ہو سکتی پس جو فرق اس طرح ذات خداوندی اور نور السمٰوٰت والارض کے مابین ہے اوسکے سمجھہ لینے سے مشکل باقی نہین رہتی صرف اچھی طرح اوسکو سمجھہ لینا چاہیے سبحانہ تعالے جس طرح نور السمٰوٰت والارض ہے اوس کے نور کی مثال یہ دی گئی ہے کہ چراغ شیشہ مین شیشہ مثل کوکب دری کے ہے جسکا زیت شجرہ مبارکہ زیتونہ سے آتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے شجرہ موصوف نہ شرقیہ ہے نہ غربیہ اور اوسکی زیت کو اگرچہ

نار یا نور نہین چھو گیا تب بھی نزدیک ہے کہ روشنی دے۔ لہٰذا نور موصوف نہ اصل ذات ہوئی نہ صفات کیونکہ شجرہ مبارکہ زیتونہ کا جو زیت ہے اوس سے نور مذکور کی تنویر بغیر مس نار یا نور کے ہوتی ہے اور زیت مذکور یا شجر مذکور بغیر نار یا نور کے روشن کر دیتا ہے اور شیشہ کو کب دری کے مانند ہوتا ہے پس زیت یا شجر ذات نہ صفات ہوا نہ کہ نور اور اوس نور کا اگر وجود فی الخارج ہے تو مخلوق ہوا پس وہ قابل تصور ہوا اور ذات و صفات سُبحانہ تعالےٰ قابل تصور نہ ہوئے صرف مظاہر و آثار و انتزاع سے اونکا نام لیا جاتا ہے تصور اونکا ما فوق فطرت انسانی ہوا کیونکہ مثال کی مثال اوس کی نہین ہو سکتی۔ لہٰذا سورہ شوریٰ و سورہ نور کی آیت ایک ساتھ پڑھنے سے اور معرفت زیادہ ہوتی ہے جس کا بیان قابل حرز جان ہے۔

سورہ انعام مین ہے کہ آنکھین اللہ کو درک نہین کر سکتین اور وہ اونکو درک کر سکتا ہے۔ سورہ قصص مین ہے اور نہ پکارا اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہین کوئی معبود مگر وہ کل شے ہلاک ہونے والی ہین مگر اُس کی ذات (وجہہ) اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف رجوع ہونگے۔ سورہ بقر مین ہے۔ یہہ کہ قوت اللہ کے لئے سب ہے۔ سورہ فاطر مین ہے جو کھولے اللہ رحمت آدمیون کے لئے تو نہین روکنے والا اُس کا اُس کے بعد اور وہی عزیز الحکیم ہے سورہ یوسف مین ہے اور نہین بے پرواکرتا ہون مین تم لوگون کو اللہ سے کسی شے مین نہین حکم مگر اللہ کے لئے اُسپر توکل کیا مین نے اور اُسی پر چاہیئے کہ توکل کرین توکل کرنیوالے سورہ انبیا مین ہے کہ اللہ سے سوال نہ کیا جاویگا اور اُنسے (انسانون سے) سوال ہوگا۔

سورہ زمر مین ہے کہ اللہ کی عبادت مومنین مخلصین لہ الدین کرین ۔ متعدد آیات
مین ہے کہ کسی شے و شخص کی کسی طرح عبادت نکرین اور نہ پکارین اور اوس کے
ساتھ شریک نہ لاوین اور اوس کو واحد معبود سمجہین اور ارباباً من دون اللہ نہ بناوین
اور جس طریق سے اُسکی عبادت کرین اُس طریق سے دوسرے کی نکرین سورہ
سجدہ مین ہے کہ اللہ کی آیات مین سے رات اور دن سورج اور چاند ہین
نہ سجدہ کرو سورج کے لئے اور نہ چاند کے لئے اور سجدہ کرو اوس اللہ کے لئے
جس نے اون کو پیدا کیا اگر اُسی کی تم عبادت کرتے ہو

سورہ فاتحہ مین ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تیری ہی ہم عبادت کرتے ہین
اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہین ۔ سورہ مومن و سورہ حج مین ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت مین
مدد کرتا ہے پس چونکہ اللہ جسکی مدد کرنا چاہے اوسکو کوئی روک نہین سکتا لہذا جس
مدد کا کوئی مزاحم نہو سکے اُس مدد کو سوا خدا کے اور کسی سے نہ مانگنا چاہئے کیونکہ
اُس مین کوئی شخص اور کوئی شے اوسکا شریک نہین ۔ سورہ بروج مین ہے وہی پیدا
کرتا ہے اور اعادہ کریگا ۔

قرآن کی آیات مین یہ بھی ہین ۔ جس طرح اللہ نے اول خلق کو شروع (بداء)
کیا ہے اُس طرح اسکو دوبارہ (نعیدہ) کریگا ۔ اللہ کی جنود کوئی نہین جانتا مگر اللہ ۔
اللہ ہر شے کا مدبر ہے اور ہر جگہہ اوسی کا حکم و حکومت ہے ۔ اُسی کی پاکی ہر وقت بولنا
اور تمام تعریفین اُسی کے لئے کرنی اور اسلام و ایمان لاکر اوسپر اعتصام کرنا اور کسیکو سوا
اُسکے ہدایت کرنیوالا و ہدایت کرنے کا مالک نہ سمجھنا اور اوسپر بالغیب ایمان لانا اور اسماء
حسنے سے اُسکو پکارنا چاہئے ۔

سورہ فاتحہ مین اللہ کو رب العالمین اور دوسرے سورتونمین رب کل شئے کہا ہے پس وہ وہ ہے جو تمام کاینات کو جسکے ساتھ ہماری ہر قسم کی احتیاج اور ہماری ہر قسم کی راحت وابستہ ہین پیدا کرتا اُنہین قایم رکھتا اُنکی پرورش کرتا اور اُنکو کمال تک پہونچاتا ہے یہی مفہوم لفظ رب کا ہے۔ یعنے ہرشئے کا خالق و مالک و مطلوبہ کمال تک پہونچانے والا۔

سورہ فاتحہ مین اللہ کو رحمن الرحیم و مالک یوم الدین بہی کہا ہے رحمن الرحیم یا مالک یوم الدین سوا اللہ کے اور کسی کو نہین کہہ سکتے۔ سورہ اخلاص مین ہے تو کہہ اللہ احد اللہ صمد ہے نہین اُسنے جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اُسکا ایک بہی کفو نہین۔

سورہ حدید مین ہے پاکی بیان کرتا ہے اللہ کے لئے جو کچہہ آسمانون اور زمین مین ہے اور وہی عزیز الحکیم ہے اُسی کا راج آسمانون اور زمین مین ہے زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اور وہ ہرشئے پر قدیر ہے اول ہے اور آخر ہے (تصورات و خیالات انسانی جہانتک پہونچین اُنسے اول اور آخر) اور ظاہر و باطن اور ہرشئے پر علیم ہے۔ اللہ تعالےٰ کا وجود ظاہر سے ظاہر ہی ہے اور باطن سے باطن بہی کیونکہ مظاہر قدرت ظاہر ہین اور اُسکو ظاہر کرتے ہین اور چونکہ اصلیت ذات و صفات خداوندی کا جاننا اور اللہ تعالےٰ کا اس دنیا مین آنکہونسے دیکہنا مافوق فطرت انسانی ہے لہذا وہ باطن مین بہی ہے اسی طرح اللہ کا علم حاوی ہے لہذا ظاہر و باطن دونون جگہہ وہ مساوی حیثیت و نسبت رکہتا ہے لہذا ظاہر و باطن کہنے مین یہ بلاغت و اشارہ ہے۔

پس ان آیات قرآن مین جو بیان مین ہر یک اُن مین سے لایق حرز جان ہین اور صفات مخصوصہ و ذات خاص کی تعبیر کرتے ہین سورہ ملک مین ہے بڑا بابرکت ہے

وہ جسکے ہاتھ مین ملک ہے۔ سورہ فاطر مین ہے اے آدمیو تم فقرا ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی الحمید ہے یعنے وہ ایسا غنی ہے جو قابل حمد ہے پس تمام و ہر قسم کی احتیاجون سے بری ہے اور کمال قدرت یہی ہے۔

سورہ نحل مین ہے اللہ مجیب المضطر و کاشف السوء ہے سورہ بروج مین ہے کہ اللہ فعال لما یرید ہے یعنے جو ارادہ کرتا ہے کر گذرتا ہے۔ پس مرید و قدیر ثابت ہوتا ہے۔ سورہ بقر مین ہے کہ جب کسی شئے کے ہونے کا وہ ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہوجا وہ ہوجاتی ہے اور سورہ بقر و سورہ یٰسین مین ہے کہ جب کسی امر کے ہونے کا فیصلہ کرتا ہے (اذا قضیٰ امرا) تو سوا اسکے نہین کہ اُسکا امر یہ ہے کہ کن پس وہ شئے ہوجاتی ہے یعنے کوئی حالت منتظرہ نہین رہتی اور کسی سامان مادی وغیر مادی کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ قال یعنی حکم ہی اشیا کے وجود کا سبب و علت ہوجاتا ہے۔ سورہ انعام مین ہے ویوم یقول کن فیکون۔

سورہ حشر مین ہے اللہ وہ ہے کہ نہین معبود مگر وہ جاننے والا غیب اور شہادہ کا وہی رحمٰن الرحیم ہے وہی اللہ ہے کہ نہین معبود مگر وہ ملک القدوس السلام المومن المہیمن العزیز الجبار المتکبر وہ پاک ہے اُس سے کہ شریک لاتے ہین۔ اللہ وہ ہے خالق نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا اُسکے لئے اسمار الحسنیٰ ہین پاکی بیان کرتے ہین اُسکے لئے جو کچھ آسمانون اور زمین مین ہین اور وہی عزیز الحکیم ہے۔ ان آیات مین بعض صفات ذاتی مخصوصہ منفردہ کا بیان ہے اور کئی صفات کو مجموعی بیان کردیا ہے تاکہ وہ مجموعاً مخصوصاً خداوند تعالےٰ کی صفات مخصوصہ پر دال ہون اور اُنکے کمال کو ظاہر کرین۔ اور سورہ انعام مین ہے وہو خیر الفاصلین وہو الحکیم الخبیر۔

سورہ ص مین ہے ام عندہم خزاین رحمت ربک العزیز الوہاب ام لہم ملک
السموٰت والارض وبینہما فلیرتقوا فی الاسباب جند ما ہنالک مہزوم من الاحزاب۔
پس صفات حسنہ کے ساتھہ قدرت کی بہی دلیل ان آیات مین ہے کہ اسباب مین
ترقی کرین اسمین مہزوم ہین۔ سورہ بقر مین ہے ہو الحی القیوم۔ اور دیگر آیات مین
اللہ کو خیر الحاکمین واحکم الحاکمین وارحم الراحمین کہا ہے۔ وہو القاہر فوق عبادہ
(انعام) سورہ ملک مین ہے اور چھپاؤ تم لوگ اپنے قول کو یا تم لوگ اوسکا جہر کرو
اللہ علیم ہے اُسکا جو جیون مین ہے کیا نجانے وہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ لطیف
الخبیر ہے پس اللہ تعالے کا علیم اور اُسکے ساتھہ لطیف الخبیر ہونا ان آیات سے
ثابت ہوتا ہے اور یہ بہی کہ خالق کا مخلوق کے حالتون کا جاننے والا قبل خلق کے
ہونا لازم ہے۔ سورہ مومن مین ہے اللہ نگاہون کی چوری اور جو سینون چھپاتا جا ہے
جانتا ہے۔ سورہ مجادلہ مین ہے کہ اللہ سنتا ہے تم لوگون کے آپس کے محاورہ کو
(گفتگو) اللہ سمیع وبصیر ہے اور سورہ مجادلہ مین ہے کیا نہین دیکہا تونے کہ اللہ
جانتا ہے جو آسمانون اور زمین مین ہے نہین ہوتا ہے مشورہ مین تین گروہ چوتہا
اُنکا ہوتا ہے اور نہ پانچوان گروہ چہٹا اُنکا اور نہ کم اُس سے اور نہ زیادہ اُس سے
مگر وہ اُن کے ساتھہ ہوتا ہے جہان وہ ہون پھر اُنکے عمل کی انکو خبر دیگا بروز قیامت
اللہ ہر شئے پر علیم ہے لہذا ان آیات سے اللہ تعالے کا علم حالیہ اور اُسکا ہر جگہہ
موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سورہ مایدہ مین ہے توہی جاننے والا ہے غیبونکا اور امور پنہان کا۔
سورہ آل عمران مین ہے اللہ او سپر نہین چھپی کوئی شئے زمین مین نہ
آسمان مین۔

سورہ طٰہٰ مین ہے اللہ سما گیا ہے ہر شے مین بروے علم کے سورہ سبا مین ہے جاننے والا غیب کا نہین غایب ہوتا اُس سے کوئی ذرہ آسمانون مین اور نہ زمین مین اور نہ اُس سے چھوٹا اور نہ اُس سے بڑا۔ سورہ حٰمٓ سجدہ مین ہے خبردار ہو وہ لوگ شک مین ہین اپنے رب کی لقا سے خبردار ہو وہ ہر شے پر محیط ہے۔

سورہ آل عمران مین ہے تو کہدے کہ اگر تم لوگ چھپاؤ جو تم لوگون کے دلون مین ہے یا اُسکو ظاہر کرو جانیگا اُسکو اللہ اور جانتا ہے جو کچھ آسمانون اور جو کچھ زمین مین ہے اور اللہ ہر شے پر قدیر ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ تمام دنیا مین ہے اور دل کے حالات بھی سب کو اللہ جانتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے یعنے چیزون کے علم پر بھی۔

سورہ آل عمران مین ہے جب فیصلہ کرتا ہے اللہ کسی امر کا تو سوا ے اسکے نہین کہ کہتا ہے ہوجا سو وہ ہوجاتی ہے اور سورہ آل عمران مین ہے پھر خلق کیا اُسکو مٹی سے پھر اُسکو کہا ہوجا سو وہ ہوگیا پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے جسم مادی کا خلق ہوکر پھر اوسکو انسان کن سے بنایا گیا لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو خلق تابع علت و معلول ہے اسمین علت مادی کا لحاظ ہے اور جو محض حکم یا ارادہ سے وجود مین آتا یا خلق ہوتا ہے اوس کے لئے صرف حکم ہی کافی ہے اور کسی قسم کی علت کی ضرورت نہین ہوتی لہذا یہ لطیف نکتہ بھی قرآن مجید مین بیان ہے۔ سورہ مایدہ مین ہے سو توہی عزیز الحکیم ہے۔

سورہ آل عمران مین ہے کہ کسی بشر کا یہہ کام نہین کہ اوسکو اللہ دے کتاب اور حکم اور نبوت دی ہو پھر آدمیون سے وہ کہے تم لوگ میرے بندے ہوجاؤ

اللہ کو چھوڑکر ولیکن ہو جاؤ ربانیین (رب والے) بسبب اسکے کہ تم لوگ سکہاتے ہو کتاب کو اور بسبب اسکے کہ تم لوگ اوسکا درس دیتے ہو اور نہین حکم کیا تم لوگون کو اسکا کہ ٹھراؤ تم لوگ ملائکہ نبیون کو ارباب کیا حکم کریگا تم لوگون کو کفر کا بعد اسکے کہ تم لوگ مسلمان ہوگئے ہو۔ پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جسکو کتاب اور حکم اور نبوت دئے گئے ہون وہ کسیطرح اپنے بندہ بننے کے لئے کسی آدمی کو نہین کہہ سکتا پس کسی کو ربی نہ کہنا چاہئے بلکہ ربانیون مین سے کہنا چاہئے اگر وہ کتاب کا درس دیتے اور اوسکو سکہلاتے ہون پس لفظ کے کہنے تک کی بھی ممانعت ہے اور اسکی بھی ممانعت ہے کہ نبیون اور ملائکہ کو کوئی شخص رب ٹھراوے اور اُسکو ایسا کفر قرار دیا گیا ہے جو اسلام لانے کے متناقض ہے۔

سورہ توبہ مین ہے۔ ٹھرایا ہے اُن لوگون نے اپنے عالمون اور درویشون کو (احبار و رہبان) ارباباً من دون اللہ اور مسیح ابن مریم کو اور نہین حکم کیا گیا تھا اُن لوگون کو مگر یہہ کہ عبادت کرین وہ لوگ معبود واحد کی نہین کوئی معبود مگر وہ پاک ہے اوس سے کہ وہ شریک لاتے ہین پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح احبار و رہبان کو یہودی اور نصرانی ارباباً من دون اللہ بناتے تھے وہ اسکے متناقض تھا کہ معبود واحد کی عبادت کرین یہانتک کہ وہ شرک کے درجے تک پہنچ جاتا تھا جس سے اللہ پاک ہے۔ یہود و نصاریٰ ایسا بھی کرتے تھے کہ اپنے احبار و رہبان کے اقوال پر تقلید کرتے اور اُن پر اپنی مذہبی اعتقاد و عمل کو منحصر کر دیتے تھے یعنے تقلید شخصی کرتے تھے پس یہ بھی ارباباً من دون اللہ مین آجاتا ہے کیونکہ خدا کے طرف سے اُن احبار و رہبان کے مامور نہین ہوتے تھے اور نہ اُنکو ہدایت ایسا حکم کرنے کی تھی کہ خلاف کتاب کے حکم کرین

اور جو درجہ نبی ورسول کا اطاعت کرانے وحکم الٰہی پہونچانے کا ہے اس درجے پر ہو جاوین
پس اگر اللہ کے شرک کے درجے تک نہین پہونچتا تو شرک فی النبوت کے درجے تک
ضرور پہونچ جاتا ہے اور کم سے کم حکم الٰہی کے خلاف تو ضرور ہے اور ویسا ہی ہو جاتا ہے
جیساکہ اگلی امت نے اپنے احبار ورہبان کے لئے کیا تھا لہذا اس آیت کے بلاغت
وحکمت وطرز بیان پر خیال کرنا ضرور ہے کہ تقلید شخصی کی بھی تنقیص ومما نعت بھی ثابت
ہوتی ہے۔ عبد اللہ بن جانے سے انسان عبد الناس وعبد الطاغوت اور عبد المخلوق نہین
ہوتا بلکہ جو درجہ اوسکا مخلوقات مین ہے اوسپر فایز وقایم ہو جاتا ہے۔ خداے تعالے
فاعل بالفعل ہے دنیا اسوقت بھی عالم تکوین مین ہے اور ثبات اشیا مشیت ایزدی پر ہے
ماہیت اشیا سے ہم ناواقف ہین نہ ہمکو خود آغاز کی خبر ہے نہ انجام کی۔ اگر
سائینس یہہ کہہ سکتا ہے کہ مادہ کائنات شروع ہی سے حالت منتشرہ مین تھا تو
پھر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہہ حالت کیون کر پیدا ہوئی حقیقت یہہ ہے کہ علم
حقیقی نہ حاصل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اگر یہہ کہو کہ کائنات خود بخود موجود یعنے
قایم بالذات ہے تو ایک ہی شے کا تصور جسکی کوئی علت نہو اور اس لئے اُسکا آغاز
بھی نہو خارج از قیاس ہے لا تنا ہی زمان ماضی کا تصور اول تو محال ہے لیکن اگر فرض
بھی کرلیا جاوے کہ یہہ چیز ایک گھنٹے کے اندر یا کسی وقت پہلے بھی موجود تھی تو اس
دریافت کرلینے سے اوس شے کی وجود مین آنے کی کیفیت سمجھ مین نہین آسکتی
نہ اسکی دلیل ہو سکتی ہے کہ ہمیشہ سے وکیونکر ہے اُسکے خلاف رسائی نہین۔ عدم محض کسی امر
ثبوتی کا نہ موضوع ہو سکتا ہے نہ محمول انسان کو ایسا تصور جسمین نہ عالم ہو نہ موجد
عالم بلکہ عدم محض ہو نہین ہو سکتا عدم ادراک کو ادراک عدم کہنے لگتے ہین ورنہ عدم

محض کا ادراک انسان کو نہین ہو سکتا۔ چونکہ مقید اور مضاف کا تصور اضافی ہے
جو بی مطلق کے نہین ہو سکتا اس لئے واجب الوجود مطلق کا ادعای کر لینا فطرت انسانی
سے مافوق نہین قوت تک جو غایت الغایات ہے پہونچنے کے بعد عین اور اثر مین
واسطہ نہین رہتا اور ادراک بشر کی غایت الغایات اثر تک ہے اور وہ اثر انسان
اور جہین مین گویا حایل ہے۔ وہ بلا واسطہ موجودات کی علت ہونیکی وجہ سے مضاف الی العالم مقید
بالمعلول از زمان ومکان وماده وحرکت کو قوت کا اثر مان لینے کے بعد اس قوت کو بجز
اسکے واجب الوجود بے ہمتا کا مظہر کہین اور کیا کہہ سکتے ہین اگر قانون وماده یکسا
ہی ہین تب بہی مطلق خالق کا وجود ثابت ہوتا ہے

وجود باری وقدرت باری کے دلایل باعتبار اپنے ذات وعوامل کے

انسان کا ایک حد تک ذی اختیار نہ ہونا بلکہ مجبور رہونا اور اسی طرح دیگر اشیار کا بہی ویسا ہی
محکوم ہونا اور انکا محسوس اور معلوم ہونا ایک خالق مختار قادر کے وجود کو ثابت
کرتا ہے اور آثار وجدانی وبرہانی طور پر اسکو ثابت کرتے ہین۔ معرفت ربی افضل الفرایض جسطرح
انسان اپنے مثل دوسرون کو دیکہکر اُن کے انسان ہونے کے وجود کو اور اُن کی صنعت کو
یقین کرتا ہے اور اپنے مثل اُنکی صنعت اور اپنے مانند اُن کا وجود یقین کرتا ہے اُسی طرح
ایک فرمانروا روح اور ایک وجود کا جسکی قدرت وحکمت وصنعت کے آثار دیگر انسانون سے
اور اُن کی صنعت سے زیادہ معلوم ومحسوس کرتا ہے اُنکا بہی یقین کرتا ہے آثار کے اعتبار
سے دونون کے یقینون مین فرق نہین صرف فرق یہہ ہے کہ دیگر انسانون کو حواس ظاہری
یعنی معاینہ ولمس سے وہ محسوس کرتا ہے اور فرمانروا خالق کے آثار کو محسوس ومعلوم کر کے

ایمان بالغیب لاتا ہے پس بجاے عین الیقین کے حق الیقین کے درجہ پر پہونچتا ہے۔

عوامل میں سے ملانے والی ترکیب دینے والی جمع کرنیوالی صورت دینے والی ظہور مین لانیوالی قوت خداے تعالیٰ کی ذات یا اُسکا حکم ہے پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اگر چاہے اللہ تمکو دوسرے طور پر کر دیوے یا یہ فرمانا کہ اگر چاہے اللہ تو تم کو لے جاوے اور خلقت جدید پیدا کر دے بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر وہ مذکورہ بالا صفات کے ساتھ کارفرمائی نکرے تو واقعات مذکورہ اُسکے لازمی نتیجہ ہونگے علاوہ اسکے یہی کہ قدرت کاملہ کے ساتھ فنا کر دینے یا دوسرا کر دینے کا عمل ہو۔

دلیل وجود باری باعتبار مجبوری انسان و باعتبار دیگر وجود کے از خود موجود ہونیکی

۱۔ معدوم کا موجود ہونا یا موجود کا معدوم ہوجانا دونوں کو خلاف عقل کہا جاتا ہے اسلئے کہا جاتا ہے کہ انسان اُن دونوں کا تصور نہین کر سکتا۔ لیکن انسان کو اپنے وجود کا علم ہے اور ہر شخص کو یہ یقین ہے کہ مین موجود ہون اور معدوم ہو نگا یعنی مرونگا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ جو چیز انسان مین مدرک ہے وہ معدوم نہ ہوگی اور چونکہ وہ کلیتاً مختار نہین لہذا اوسکا مجبور کرنیوالا یا ایک حد تک اختیار دینے والا کوئی دوسرا ہے جو اوسپر اختیار و قدرت کامل رکھتا ہے۔

۲۔ ادراک وہ شعور کا مادہ مین ہونا عقلاً محال ہے اور ہم مین وہ ہین اس سے معلوم ہوا کہ ہم مادہ سے منزہ ہین لیکن ہم تو جسم رکھتے ہین اور جسم مادی کہا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو مدرک حقیقی سے کسی نوع کا تعلق ہے۔ جو مادہ و شعور ہم مین پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اگرچہ بعض ایسی چیزین ہین جو ہم کو یقین دلاتی ہین کہ اُنکی آفرینش یعنی ظہور و نمایان ہونےمین انسانی عوامل کا ہاتھ ہے بایں ہمہ یہ ہر شخص کے لئے بدیہی بالیقینی ہے کہ وہ چیزین جنکو مصنوعات فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو ہمارے تصورات اور احساسات کا بہت بڑا حصہ ہین وہ نہ انسانی ارادون کی

آفریدہ ہین اور نہ اُنکی ماتحت بلکہ بلاارادہ انسان کے ذہن مین آتی اور اوسپر اثر کرتی ہین اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ کوئی اور روح موجود ہے جو اُنکی علت ہے کیونکہ اون کا بذات خود موجود ہونا صریحی تناقض ہے۔

دلیل وجود باری بر بناے علم صفات کے شہودی و علم ذات کے ایمانی ہونیکے

اگر معلومات انسان کی جانچ کیجائے تو صاف نظر آویگا کہ وہ یا تو ایسے تصورات ہین جو فی الواقع آلات حس پر مرتسم اور منقش ہوئے ہین یا تو خود اپنے نفس کے جذبات و افعال پر توجہ کرنے سے اُنکا ادراک ہوا ہے یا پھر حافظہ و تخیل کے مدد سے اُن ہی وصفون سے باہمی ترکیب و تحلیل یا بعینہ اعادہ سے بنے ہین۔

اپنے علاوہ دوسرے روحون کے وجود کا علم ہمکو صرف اُنکے افعال اور اُن تصورات کے ذریعے ہوسکتا ہے جو وہ ہمارے اندر مہیج کرتی ہین مجھکو بہت سے حرکات تغیرات اور مرکبات تصورات کا احساس ہوتا ہے جنسے یہ پتہ لگتا ہے کہ میرے ہی جیسے اور بھی خاص خاص جزئی فاعل موجود ہین جو اُن چیزون کے عمل مین شریک اور متحد العمل ہین لہذا دوسری روحون کا مجھکو جو علم ہے وہ براہ راست نہین ہے جیسا کہ خود اپنے تصورات کا ہوتا ہے بلکہ اُن تصورات کی وساطت پر مبنی ہے جنکو مین بحیثیت اثرات یا علامات مستلزم کے اپنے علاوہ دوسرے عوامل یا ارواح کے جانب منسوب کرتا ہون

انسان کو صفات کے محسوس کرنے کے ساتھ ہی یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ صفات اُس شئے کی ہین جسکی صفات نے اوسپر اثر کیا ہے پس شئے مذکور کے ذات کا علم اوس شئے کے صفات کے ذریعے سے انسان مذکور کو ہوتا ہے صفات کا علم شہودی اور موصوف کے ذات کا علم ایمانی ہو کر ذات کا وجود مستقل خارج مین ماننا پڑتا ہے اور نفس کا علم اوسکے صفات سے ہوتا ہے لہذا علم ایمانی ہوتا ہے۔ وہ چیزین خود حس انسانی مین بغیر ارادہ انسان کے بھی آتی ہین لہذا روشن طور پر معلوم ہوتا ہے

کہ اُن کا تعلق اوسی روح سے ہے جو ہر جگہ کارفرما ہے اور جس سے تمام چیزین موجود ہوئین -
اُنکو اتفاقیہ کہنا یہ کہنا ہے کہ غیر مقررہ ہین اور غیر معینہ اسباب سے اُنکا وجود ہوا ہے اور یہ دعویٰ بہی کرنا ہے کہ خود بخود اس نظم و ترتیب کے ساتھہ رفع ضرورت و شیون عالم کے لئے وہ موجود ہو گئی ہین بخلاف اسکے اُنکو مقرر کہنا ہی یہ دعویٰ کرنا ہے کہ کسی نے اُنکو اور اون قوانین کو جنسے اُنکا وجود ہوا ہے مقرر کر دیا ہے اگرچہ اُس مقرر کرنیوالے کی ذات سے واقفیت نہین - پس اتفاقیہ کے لفظ مین ایک قسم کا مغالطہ ہے ورنہ اصل مین جو اتفاقیہ کہتے ہین اُنکا یہ دعویٰ ہے کہ خود بخود اُن کا وجود ہو گیا اور اس حیثیت سے وہ واجب الوجود ہین یا کم سے کم اُن کی علت مادی ہی واجب الوجود بمعنی مذکور ہے اسلئے تنقیح طلب یہ ہے کہ خود بخود اُن کا وجود ہوا یا کسی مقررہ قوانین کی روسے دوسرے کے وجہ سے اُنکا وجود ہے - پس اُنکا وجود بمعنی مذکور خیالی و ذہنی و تصوری ہی ہے اور واقعاتی بہی محض تصوری کہنا صحیح نہین ہے اسلئے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر مقررہ قوانین فطرت نہوتے تو زمین و آسمان فاسد ہو جاتے اور اس نظم کے ساتھہ جیسا کہ اب ہین اُنمین واقعات نتیجہ خیز نہ واقع ہوتے - پس بار ثبوت اتفاقیہ خود بخود ہونیکا مدعیان پر ہے اور بخلاف اسکے احتمال ضعیف مقررہ قواعد پر ہونیکے خلاف ہے لہذا اتفاقیہ کی بہ نسبت وہ بہت مرجح ہے مذکورہ بالا بیانات سے یہ واضح ہو گیا کہ خدا کا علم بہی ہمکو اوسیطرح قطعی اور بلا واسطہ ہوتا ہے جسطرح اپنے ماسوا کسی اور ذہن یا روح یا عوامل کا بلکہ ہم یہانتک دعویٰ کر سکتے ہین کہ آدمیونکے وجود سے بہت زیادہ روشن اور بدیہی یا یقینی طور پر ہمکو خدا کے وجود کا ادراک ہوتا ہے کیونکہ فطرت کے اثرات و مصنوعات تعداد مین اُن اثرات کی بہ نسبت بہت زیادہ اور بہت قابل لحاظ ہین جو عوامل انسانی کے جانب منسوب کیے جاتے ہین بلکہ کوئی ایک نشان اور علامت بہی ایسی نہین ہے جو خود انسان کے یا اوسکے آفریدہ اثر کے وجود پر دلالت کرتی ہو اور ساتھہ ہی بہت

زیادہ قوت کے ساتھ اُس روح کے ہستی کا اذعان نہ دلاتی ہو جو خلاق فطرت ہے
پس جس طرح دوسرے تمام اُن اشیاء اور انسان کے عمل کا یقین کیا جاتا ہے اوسیطرح
اللہ تعالےٰ کے وجود کا بھی یقین چاہیئے اسکا یقین مذکورہ تمثیلی دلیل کے رو سے نہیں ہے کیونکہ اگر
دوسرے کے وجود کا یقین بھی تمثیلی ہوگا تو وہ بھی تمثیلی ہے ورنہ وہ بدیہی یا یقینی ہے تو یہ بھی بدیہی یا یقینی ہے

۱۔ عناصر عالم کا ایک خاص قانون کے تبعیت و تحت میں ہونا اور
ایک خاص غرض سے اُنکا وابستہ ہونا متقن و واضع کے وجود کو ثابت کرتا ہے
تدبیر و تجویز کا پتہ ملتا حکمت و تقدیر قدرت کا ثبوت ہوتا ہے نہ محض اتفاقیہ ہونے کا لہذا
مدبر بالارادہ متقن حکیم کا وجود ثابت ہے۔

۲۔ تمام چیزوں کا نکلنا اور ترقی کرتے جانا صورت بدلتے رہنا اور بذات خود نہ پیدا ہونا
بلکہ دوسرے کا کردہ و پیدا کردہ ہونا پیدا کرنے والے قایم بالذات اور قایم کرنیوالے
کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔ نفس کا وجود اور اُسکا ارتقا حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے
لہذا ترقی دینے والے کا وجود ثابت ہے۔

۳۔ موجودات عالم سے اُن علتوں کی طرف چلنے سے جن سے موجودات عالم کا ظہور انسان
کے ادراک میں آتا ہے اور چلتے چلتے واجب الوجود ہے ہمتا تک ختم جانے اور نشر و تحلیل
سے واجب کی تعداد واحد کر دینے سے واجب الوجود واحد کا وجود ثابت ہوتا ہے جب
مرکبات مادی کے حدوث کے علتوں کو دریافت کرنے کے لئے معلولات سے علت کی طرف
بڑھتے ہیں تو انتہا میں زمان مکان مادہ حرکت قوت ایتھر قانون تک پتہ لگتا ہے اور اُن
سب کو قوت کا اثر ماننا پڑتا ہے انسان کیف خاص کو تعبیر کر سکتا ہے مثلاً یہ
کہہ سکتا ہے کہ شکر نے شیرینی پیدا کی لیکن کیفیت کو نہیں بتلا سکتا کہ شکر نے کیوں شیرینی پیدا

کی پھل کا کشش زمین کی وجہ سے گرنا وہ کہہ سکتا ہے لیکن یہ کیفیت کس لئے ہے اور کس طرح سے ہوئی اُسکو وہ نہین جان سکتا لہذا اشیار مین جس نے خاصیت رکھی ہے اُسکے وجود کا پتہ چلتا ہیگا نہین پیدا کرنے والی قوت کا ادراک نہین کرسکتا لیکن ادراک غیر محسوس مین بالقوہ وجود کا تعقل کرسکتا ہے۔

۱۴۔ موجودات عالم واقعی ہین خیالی وہمی و ذہنی نہین قانون قدرت و آئین فطرت کے روسے جہانتک کہ انسان کی رسائی ہے موجودات عالم مین ایک سلسلہ علت و معلول کا نہایت استحکام سے اُسکو ثابت ہوتا ہے جو شے موجود ہے وہ کسی علت کی معلول ہے اس سلسلہ کا کسی علت العلل پر ختم ہونا ضروری ہے۔ لہذا انسان قانون قدرت و آئین فطرت کے روسے جس طرح علت و معلول کے سلسلہ کا یقین کرتا ہے اوسی طرح علت العلل کے ہونے اور اوس سلسلہ کے ختم ہونے اور علت اولیٰ کے واجب الوجود ہونیکا بھی اُسکو یقین کرنا چاہئیے ہم دیکھتے ہین کہ عالم اس قدر وسیع ہے کہ حیرت انگیز ہے اور باوجود عالم کے اس وسعت کے موجودات عالم کا عدم سے وجود مین آنا اور وجود سے عدم مین جانا اور وجود بین العدمین کے منزلون کو طے کرنا اور بھی سبق آموز ہے سب ایک ہی صراط مستقیم سے یعنی مقررہ قانون کے تحت وجود مین آتے اور عدم مین جاتے ہین اُن کے موجود ہونے کا طریقہ ایک ہے نمو کا طریقہ ایک ہے اور سب مین رابطہ ہے کائنات عالم کی لاتعد کثرت اُنکی کلانی اُنکی خوردی مراحل وجود و عدم کے طے کرنے مین چند سادہ اصول کی پابندی اور باوجود اس نمایان کثرت و اختلاف کے سب مین ایک رابطہ ہونا اور ضروریات کا پورا ہونا انسان دیکھتا اور ادراک کرتا ہے تو اُسکو وجود صانع مقنن و مدبر بالارادہ واحد کے یقین پر صرف وجدانی ہی نہین بلکہ ایک حد تک برہانی

ایمان لانا لازم ہوجاتا ہے کیونکہ بجاے دہریہ و لاادریہ ہونے کسی فاعل بالارادہ کے وجود کا تسلیم کرنا زیادہ قرین قیاس و عقل و زیادہ فطرت انسانی کے موافق اور انسان کو مطمئن کرنے والا ہے افعل کا بے فاعل کے ہونا عقل بشری مین نہین آتا ہے۔

اس طریقے سے موجودات عالم و فطرت بشری و عقل و علوم سے واجب الوجود بے ہمتا واحد کا پتہ چلتا ہے اور توحید برہانی طور پر ثابت ہوتی ہے اور تصدیق و تائید انبیاء و رسل اور اُنکے متواتر اخبارات سے اور اُسکی تقویت ہوتی ہے لہذا اور بھی زیادہ یقین آتا ہے اور ایمان بالغیب ہو جاتا ہے۔

سورہ یونس مین ہے موسیٰ نے کہا کہ اے قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اُسی پر توکل کرو اگر تم مسلم ہو۔ پس کارسازی کی مدد کی خواہش سوا خدا کے دوسرے سے چاہنے دوسرے پر توکل منافی اسلام و ایاک نعبد و ایاک نستعین کے متناقض ہے۔

مخالفان خدا و رسول سے مودت نکرنا ایمان باللہ و ایمان بالآخرت لانے والی قوم کا شعار ہونا چاہیئے سورہ مجادلہ مین ہے تو نہ پاویگا اُس قوم کو کہ ایمان لائے ہین اللہ اور یوم آخر پر کہ دوستی کرین اُس سے جو خلاف کرتا ہے اللہ اور اُسکے رسول سے اور اگرچہ وہ اُن کے آبا ہون یا اُنکے اولاد یا اُنکے بھائی یا اُنکے ناتے والے وہی لوگ ہین کہ اُنہین کے دلون مین لکہدیا ہے اللہ نے ایمان کو اور اُن لوگونکی مدد کی ہے اپنے روح سے اور داخل کریگا اُنکو جنتون مین جاری ہین جنکے نیچے نہرین رہینگے اُسمین راضی ہوا اللہ اُن لوگون سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے وہی اللہ کے جتھا (حزب) ہین آگاہ ہو کہ اللہ کی جتھا وہی فلاح پانیوالی ہین۔ پس مومنین کے قوم کا اور جو آخرت پر ایمان لائے ہین اُن کا یہ شعار قومی ہونا چاہیئے کہ مخالفان خدا و رسول سے مودت نکرین خواہ وہ کیسا ہی قریب کے رشتہ دار ہون۔ پس تو وہ اُن فوائد و ثوابون کے پانیکے مستحق ہونگے جو ان آیات مین بیان ہین۔

فلسفہ توحید و شرک کا، حضرت یوسف و اُنکے آباکا و مختصر قرآن کا و انبیا و رسل کے وقار و تعظیم تک کا حکم نہین ہے

سورہ یوسف مین ہے کہ یوسف نے کہا کہ مین نے ترک کیا ہے ملت اُس قوم کی جو ایمان نہین لاتے اللہ پر اور جو آخرت سے بہی کفر کرنے والے ہین اور اتباع کیا ہین نے ملت اپنے آبا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ہم لوگون کے لئے نہین ہے کہ شریک کرین ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو یہہ فضل اللہ کا ہے ہم لوگونپر اور آدمیون پر ولیکن اکثر آدمی شکر نہین کرتے اے ساتہیو قید خانے کے کیا ارباب متفرق خیر ہین یا اللہ واحد القہار نہین عبادت کرتے ہو تم لوگ من دون اللہ مگر نام کی جنکو رکھ لیا ہے تم لوگون نے اور تم لوگون کے آبا نے نہین اُتارا اللہ نے اونکی سند نہین حکم مگر اللہ کا حکم کیا ہے اللہ نے اسکا کہ نہ عبادت کرو تم لوگ مگر اُسی کی یہ وین قیم ہے لیکن اکثر آدمی نہین علم رکھتے یہ وہ فلسفہ توحید ہے جو انبیا اور حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا حضرت یوسف کے زبان سے قرآن مین بیان ہوا ہے لہذا چند خصوصی خوبیان اسکی قابل حرز جان ہین۔

۱۔ یہ کہ ملت اُس قوم کی جو اللہ پر ایمان نہین لاتے اور آخرت سے کفر کرتے ہین چہوڑ کر ملت اپنے آبا کی حضرت یوسف نے یہ بیان کیا ہے کہ کسی شے مین اللہ کے ساتھ شریک نہین کرتے تھے اور دلیل شریک نکرنے کو اپنے اور نوع انسان کے لئے اللہ کا فضل بتایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انسانی فوایداُس سے ہین۔

۲۔ یہ کہ یہ کہا کہ کیا ارباب متفرق خیر ہین یا اللہ واحد القہار خیر کا لفظ کیسا فلسفیانہ و بلیغ ہے یعنے زیادہ قرین عقل و زیادہ مفید دنیا و آخرت مین بہر یہ کہ واحد القہار پر ایمان لانا یا متفرقونپر پس اللہ کا فضل کس طرح سے ہے اُسپر اشارہ بہی کر دیا۔

۳۔ یہ کہ یہ کہا کہ تمنے اور تمہارے باپون نے نام رکھ لیا ہے ایسے نامونکی عبادت کرتے ہو

جنکی سند بھی نہین ہے نام ہین جنکی عبادت کرتے ہو واقعی نام کی پرستش ہوتی ہے نہ ذات کی اور اُس ذات کو جسکا نام رکھہ لیا کچھہ فایدہ ہوتا ہے نہ خوشی کچھہ اثر پہونچتا ہے پس ذہنی تصور کی پرستش ہوئی یہ کس قدر بلیغ و قابل سمجھنے کے ہے۔

۴۴۔ یہ کہ یہ کہا کہ حکم سوا اللہ کے کسی کا نہین ہے اور اُس نے حکم دیا ہے کہ سوا اُسکے کسی کی عبادت نہ کرو دین قیم یہی ہے اس سے یہہ ظاہر فرمایا کہ حکم حاکم جو مطاع ہے اُسکے رو سے ممانعت وہی دوسرے کی عبادت کرنے اور امر اپنے ہی عبادت کرنے کا ہے لہذا ایسے حکم کی تعمیل نکرنا عدول حکمی کے سزا و نقصان ملنے کا سبب ہو سکتا ہے یہی دین قیم ہے لہذا دین قیم کے متلاشیونکو اُسکو اختیار کرنا چاہیے اب مختصر سے مختصر متعلقہ فلسفہ دین محمدی پڑہو سورہ نازعات مین ہے سو جسنے طغیان کیا اور مقدم کیا حیات دنیا کو سو جہیم اوسکا ٹھکانا ہے اور جو ڈرا اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے و نہی کیا اُس نے نفس کو ہوا سے تو جنت اُسکا ٹھکانا ہے پس طغیان و تقدم حیات دنیا سبب جہنم اور ہوا کے کرنے سے یعنے اعمال بد کے کرنے سے نفس کو روکنا اللہ کے سامنے مجرمانہ کھڑے ہونے سے ڈر کر سبب جنت کا قرار دیا ہے اور سورہ کہف مین فرمایا ہے جو رجا رکھنا چاہتا ہے اپنے رب کی لقار کی تو چاہیے کہ وہ عمل صالح کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت مین کسی یک کو۔ پس اپنے رب کے حضور مین مجرمانہ کھڑے ہونے سے (خاف مقام ربہ) ڈرنا اور لقار رب کی رجا رکھنا اس طرح چاہیے کہ نفس کو ہوا سے نہی کی جاوے اور عمل صالح کرین اور اپنے رب کی عبادت مین کسی یک کو شریک نکرین لہذا عمل صالح کرنا اور نفس کو ہوا سے روکنا اصل ہوا اور اُسکا فرع رب کی عبادت مین کسی کا شریک نکرنا ہوا اور کھڑے ہونے سے ڈرنا اور جو کوئی ایسا نکرے وہ جہنمی و محروم لقار رب سے اور اصلی مشرک ہوا پس لقاے

رب کے لئے عمل صالح و رب کی عبادت مین کسی کو شریک نہ کرنا مشروط ہے اور معذب ہونیکے لئے اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور جنکو کتاب دیگئی تھی اُنکو یہ حکم تھا جیسا کہ سورہ بینہ مین ہے اور نہین حکم دئے گئے تھے جنکو کتاب دیگئی تھی مگر یہ کہ عبادت کرو اللہ کی مخلصین لہ الدین حنفا ہوکر اور قایم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور یہ دین قیمہ ہے۔ سورہ فتح مین ہے اللہ کا تم لوگ وقار کرو اور اُسکی پاکی بولو اور سورہ فتح مین اللہ وقار ہے کسی نبی یا رسول کے وقار کرنے تک کے لئے قرآن مین حکم نہین ہے یہ درجہ بھی اللہ ہی کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے۔ ابنیا و رسل کے اطاعت کرنے اون پر ایمان لانے اُنکی رفاقت و مدد کرنے اُنسے ادب کے ساتھ بولنے کے لئے قرآن مین تاکید و حکم ہے لیکن عبادت کرنے و وقار کرنیکا حکم اللہ ہی کے لئے ہے نہ کسی دوسرے کے لئے۔

سورہ حج مین ہے ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ اور سورہ حج مین ہے ومن یعظم شعایر اللہ فانہا من تقوی القلوب اور سورہ حج مین ہے والبدن جعلنا لکم من شعایر اللہ پس تعظیم جو افعال قلوب مین سے بروے آیۃ مذکور قرار پاتی ہے یعنے پہلے دل سے ہوتی ہے بعدہ بذریعہ اعضا و جوارح ظاہر کی جاتی ہے اُس کو بھی حرمات اللہ و شعایر اللہ کے لئے مخصوص رکھا گیا ہے کسی دوسرے کے لئے اُسکے کرنے کا حکم قرآن حکیم مین نہین ملتا ہے۔

لہذا یہ نکتہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ عبد و معبود کے درجے کا امتیاز کا لحاظ ضروری ہے اور وقار و عبادت اللہ ہی کے لئے و تعظیم شعایر اللہ و حرمات اللہ کے لئے کرنا رہنا اور کرنا چاہیئے نہ دوسرونکے لئے اور ابنیا رسولون کو عبد و رسول و ابنیا سمجھنا چاہیئے اور اون پر ایمان لانا اُنکی اطاعت و رفاقت اکرام کرنا چاہیئے۔ پس یہ امتیاز قابل قدر ہے

بنا ینکے جسکا لحاظ قرآن مین ہے انسان کے لئے ہے۔

منصف و عاقل پیام لانے والے کی وہ عزت نہین کرتے جو خود پیام یا پیام بہیجنے والے کی کرتے ہین اگر وہ اُسکے لایق ہو۔

فرض کرو کہ پیام لانے والا اُس سے بلند مرتبہ رکہتا ہے جسکے پاس پیام لایا تو اس صورت مین بہی بحیثیت اُسکے درجہ کے جو اُسکی عزت کے شایان ہوگا اُسکی عزت جدا ہوگی اور بحیثیت پیام آور کے جو شایان ہوگا اُسکی قدر جدا ہوگی۔

یہہ بہی فرض کرو کہ پیام آور پیام بہیجنے والے کا ایسا مقرب ہے کہ جسکو پیام وہ بہیجتا ہے اُسکی نسبت یہ سمجہتا ہے کہ اُس سے بہتر کوئی پیام کو ادا نکریگا اور جملہ پیام ادا کرنے والون مین وہ سب سے بہتر ہے اس صورت مین بہی خود پیام اور پیام بہیجنے والے اور پیام آور کی عزت بمقدار اُسکے ہوگی جسکے وہ شایان ہین۔ ہر صورت مین پیام لانے والے کا درجہ بحیثیت پیام آور ہوگا نہ کہ اُس قدر جسقدر جسکا پیام لایا ہے اُسکے برابر یا اُس سے برتر اور اگر ایسا ہوگا تو اُس پیام آور کی حیثیت کی وجہ سے ہوگا نکہ دوسری حیثیت سے۔ اسی مثال سے واضح طور پر خیال مین آسکتا ہے کہ پیغمبران کی حیثیت پیام آور کی ہے زیادہ سے زیادہ یہہ کہ اُنسے بہتر پیام لانے والا دوسرا انسان نہین اور وہ بہی نہین جنکے پاس پیام لائے ہین لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ جو تعظیم پیام بہیجنے والے کی یعنی خدا کے شایان اور جو قدر اس پیام یعنی کتاب اللہ کی ہو وہی قدر اور وہی تعظیم اور ویسا ہی قدر پیغمبرون کی بحیثیت پیام آور کیجاوے وانظر الی ما قال ولا من قال پر نظر نہ کیجاوے۔ دیگر انسانون سے جو فضل ذاتی پیغمبرونکو ہے اُسکی عزت اور قسم کی اور بحیثیت پیام آور کے اور قسم کی ہے لیکن اللہ اور کتاب اللہ کی عزت اوس سے کہین زیادہ ہے۔

نکتہ لطیف توحید ی عبادت تعظیم و وقار و نماز

آنحضرت کے جو درجات بلند وتقرب کے مواقع قرآن مین بیان ہین اُنسے افضل کسی کے نہین۔ باین ہمہ جہان پر اُنکا اظہار ہے وہان ایسا طرز بیان اور ایسے لفظ بالارادہ لائے گئے ہین جنسے عبدیت ومعبودیت کا فرق متمیز رہے اور توحید خالص مین التباس نہونے پائے اور بندہ بندہ ہی سمجھا جاوے نکہ مالک یا اُسکے برابر مثلاً سبحٰن الذی اسرا بعبدہ۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔ رسولہ بالھدیٰ ودین الحق۔ وانالک اجرا غیر ممنون۔ انا ارسلنٰک۔ ما محمد الا رسول۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّن۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین۔ پس آنحضرت کے لئے طغراے امتیاز وافتخار عبدہ ورسولہ ہے ولعبدہ وارسلنا واجر غیر ممنون سے روشن طور پر معبود وعبد کے درجہ مین امتیاز باقی رہتا ہے اور کسی طرح کے تشابہ والتباس کی گنجایش نہین رہتی پس ان الفاظ اور اس قسم کے الفاظ کا لانا اور ایسا طرز بیان قرآن مین ہونا بالارادہ ہے اتفاقیہ نہین اور قید احترازی ہے۔ مخصوص نشان

عبادت وحقیقت دعا کسطرح اسکو کرنا چاہیے نماز مین مخصوص نشان عبادت رکوع وسجود وقیام ہین قیام ادب سے کرنے کا حکم قرآن مین ہے یعنی قانت ہوکر۔ سجدہ کے لئے قرآن مین حکم ہے کہ شمس وقمر کو نکرو بلکہ جسنے انکو خلق کیا ہے اُسکا کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس سے سجدہ کا مخصوص نشان عبادت ہونا اور سواے خدا کے اور کسی کے لئے نہونا ثابت ہوتا ہے۔ رکوع بھی خاص علامت ہونیکی وجہ سے ہئیت طریق نماز مین داخل ہے اس لئے رکوع وسجود کا کرنیکا حکم ساتھہ ہی قرآن مین عموماً ہے اصل یہ ہے کہ قیام وسجدہ کے سوا جو کچھہ طریق نماز وہئیت نماز مین ہے وہ سب اُنکے خوبی وخوش اسلوبی سے ادا ہونیکے لئے ہے۔ تاکہ سکینہ ووقار وانتظام قایم رہے جو ادنیٰ تامل سے سمجھہ مین آسکتا ہے اور نماز عبد کا اپنے معبود کے حضور مین سامنے ادب سے چند اذکار واعمال مخصوص کے کرنیکا نام ہے جو عبدیت کا اظہار وثبوت ہوکر تقویٰ کا سبب ہوتی ہین اور متعدد فواید کا باعث پس تعظیم ووقار وعبادت سب کچھہ اُسمین

شامل ہے لہذا غیر خدا کے لئے نماز بھی نہین جب بیقراری ہوتی ہے تو دعا اضطراری ہوکر سبب تسکین گریہ وزاری وقرار اضطرار ہوجاتی ہے لیکن وہ واسطے علاج حاجت برآری براہ راست نہین جسطرح دوا علاج بیماری ہے اللہ ہر ایک مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے مگر دعا کے قبول ہونیکا مطلب یہ ہے کہ اگر مسئول عنہ مقدر مین ہے تو ہوجاتا ہے اور اگر اوسکا ہونا مقدر مین نہین ہے تو خدا دعا قبول کرکے دعا مانگنے والے کو ثواب آخرت دیتا ہے مگر کسی کے دعا کو رد نہین کرتا پس دعا عبادت ہے اور اس سے حفاظت ہوتی ہے کہ غیر خدا کے دوسرے کو نہ پکارین ۔ سورہ مومن مین ہے مجھسے دعا کرو قبول کرونگا جو کبر کرتے ہین میری عبادت سے جہنم مین داخل کرونگا ذلیل کرکے ۔ انسان کی فطرت جسپر خدا نے اوسکو مخلوق کیا ہے اوسکا مقتضا ہے کہ وہ اضطرارا عبادت کرے لیکن عبادت و دعا کا مقتضا معنی و مفہوم سمجھ لینا چاہئے ۔

سورہ اعراف مین ہے اور دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑا کر و خفیہ اللہ نہین محبوب کہتا ہے حد سے بڑھنے والونکو اور فساد نکرو زمین مین بعد اُسکے اصلاح کے اور دعا کرو اللہ سے خوف و طمع کے ساتھ اللہ کی رحمت قریب ہے محسنین سے ۔ پس دعا گڑگڑا کر و خفیہ طور پر ہونا بہتر ہے جسکا سبب بھی اس آیت مین بیان ہے کہ حد سے نہ بڑہ جاوین و علو و فساد نکرین پس وہ عبادت و وسایل تقوی مین سے ہوئی نہ کسی امر کے ہوجانیکی علت اور خوف و طمع سے جب اللہ سے دعا ہوگی تو تضرع پیدا ہوگا اور دکہانیکے لئے نہوگی بلکہ خفیہ ہوگی اگر عبادت دعا نہوتی تو خوف سے کیون کیجاتی محض طمع سے کرنیکا حکم ہوتا ۔

ایمان و اسلام کے درمیان بروے استعمال قرآن فرق

قرآن مین ہے کہ تم لوگونکے باپ ابراہیم کی ملت ہے جسنے تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن مین ۔ اور قرآن مین متواتر بار مومنین کہکر پیروان امت محمدی کو مخاطب کیا گیا اور حکم دیا گیا ہے پس باعتبار و بحیثیت نام کے پیروان دین محمدی مومن و مسلم دونون قرآن مین کہے گئے ہین ۔ بروے لغت اسلام کے معنی سپرد کرنا و گردن جھکانا بھی ہے اور ایمان کے معنی اعتماد کرنا و یقین لانا بھی ہے پس دونون باعتبار

معنی کے تقریباً باہم مفہوم مین باریک فرق و امتیاز ہے۔

اسلام کسی رسول پر نہین ہوتا بلکہ خدا ہی پر لاتے ہین - اور ایمان خدا پر بھی لاتے ہین اور رسول پر بھی - سورہ حجرات مین ہے سوا اسکے نہین کہ مومنون وہ ہین جو ایمان لائے اللہ پر اور اُسکے رسول پر پھر شک نکیا اور جہد کرنیوالے ہوئے بذریعہ اپنے اور اپنے نفسونکے فی سبیل اللہ وہی صادقون ہین تو کہیا علم دیتے ہو اللہ کو اپنے دین کا حالانکہ اللہ جانتا ہے جو آسمانون مین اور جو زمین مین ہے اور اللہ ہر شی پر علیم ہے تم لوگو نپر منت رکھتے ہین اسکی کہ وہ اسلام لائے تو کہہ نہ منت رکھو اپنے اسلام لانے پر بلکہ اللہ منت رکھتا ہے تم لوگو نپر اسکی کہ ہدایت کیا تم لوگونکی ایمان کیطرف اگر تم لوگ صادق ہو اللہ جانتا ہے غیب آسمانون اور زمین کا اور اللہ بصیر ہے اوسپر جو تم لوگ عمل کرتے ہو چونکہ رسول پر ایمان لانا اسکا مستلزم ہے کہ اُس رسول کو اگر صحف یا کتاب دی گئی ہو اُسپر بھی ایمان لاوین اور کم سے کم اُس رسول کی اطاعت کرین لہذا رسول پر ایمان نیک عمل یا تقوی یا عمل صالح کا بھی کرنا ہے محض اُسکے رسول ہونے اور جو کچھ اُسکے ساتھ ہے اُسکے یقین کرنے سے اور باوجود یقین عمل نکرنے سے وہ پورا نہین ہوتا لہذا آیات مذکورہ بالا مین اللہ تعالے نے فرمایا کہ اپنا اسلام (بمعنی ایمان باللہ) لانے پر منت نرکھو بلکہ اللہ منت رکھتا ہے کہ تمکو ہدایت کی ایمان کیطرف یعنی ایمان باللہ و بالرسول کیطرف جسمین عمل صالح کا کرنا شامل بلکہ جزو ہے پس وہ زیادہ منت پذیری کے لایق ہے -

نیز آیات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا ایمان و صدق ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان لانے پر اُسپر شک نکرنے کے باوجود جہد کیا جاوے بذریعہ اپنے مالون و جانونکے اللہ کی راہ مین - سورہ حجرات مین ہے تو کہدے نہین ایمان لائے تم لیکن کہو اسلام لائے ہم ابھی تک ایمان تمہارے دل مین نہین داخل ہوا پس ثابت ہوتا ہے کہ اصلی ایمان وہ ہے جو عمل نیک اکساتا اور اُسکے لئے بیچین رکھتا ہو - دو مقام پر قرآن مین مومنین حقا

صرف سورہ انفال کے شروع و آخر مین کہاہے اور کہین ہین کہا اُن دونون جگہہ جسطرح اعتقاد کو کہاہے اسیطرح عمل کو بھی جزو قرار دیا اور شامل کیاہے یعنی باوجود اعتقاد کے ذکر کے عمل کا بہی ذکر کرکے اُن دونو نکے کرنیوالون کو مومنین حقا کہاہے لہذا ثابت ہوتاہے کہ بروے استعمال قرآن حقیقی مومن وہ ہے جو یقین کے کے ساتھ عمل صالح مین سے عمل کو بہی کرتا ہو پس اس امتیاز اسلام و ایمان کے استعمال کو یاد رکہنا چاہیے اسلام نام اُسی یقین کا ہے کہ اللہ واحد ہے اور شرک کا جز عمل کا کرناہے قرآن مین جہان ایمان کا بیان بغیر اضافت و اشارہ ہے وہان اُس سے ایمان باللہ صرف مراد ہے اور جہان اضافت یا دلالت ہے وہ خود ظاہر ہے

مشرک فی العمل کی مغفرت ہنو گی اور مشرک فی الاعتقاد دون العمل کیلئے عذاب ہے

اللہ کے شریک کا صرف اعتقاد جدا بہی انسان کرسکتاہے اور عمل بہی اُسکے مطابق کرسکتاہے

اگرچہ دونون صورتین باطل ہین تعالے عن ذلک یہ اعتقاد باطل کرسکتاہے کہ یک سے زیادہ متعدد خدا ہین پس ذات مین شریک کرنیکا یہ اعتقاد ہوا صفات مخصوصہ جو سوا خدا کے اور کسی مین واقعی نہین ہوسکتین اُنکا یا اُنمین سے کسی کا کسی غیر خدا مین اعتقاد کرنا اللہ کے صفات مین شریک کا اعتقاد کرناہے طریق عبادت جسطرح اللہ کے لئے اختیار کیاہے اگر یہ اعتقاد کرے کہ اُسی طریق سے دوسرے کی عبادت بہی کرنا چاہیے تو طریق عبادت مین شریک کرنیکا اعتقاد ہے۔

استحقاق عبادت مین اگر غیر خدا کا استحقاق اعتقاد کرے تو استحقاق عبادت مین شریک کرنیکا اعتقاد ہے یہ اعتقاد کرنا کہ جو عبادت خدا کے لئے کرین اُسمین دوسیرکی عبادت کو بہی شامل کرسکتے ہین عبادت مین شریک کرنیکا اعتقاد ہے پس باعتبار اعتقاد شرک فی الذات و شرک فی الصفات و شرک فی العبادات و شرک فی طریق العبادۃ و شرک فی استحقاق العبادت یہ پانچ قسمین ہوئین۔

اگر صرف یہ اعتقاد ہی ہو اور اُسکے بنا پر عمل نہ کیا جاوے اور عبادت غیر خدا کی نہ کیجاوے تو خیالی وہمی ہے اگر کسی کو اللہ کی عبادت مین شریک بنایا جاوے یا اُسکے استحقاق عبادت کا سمجھکر ایسے افعال کئے جاوین

جو شرکت مذکور پر دلالت کرین یا طریق عبادت ویسا ہی دوسرے کے لئے اختیار کیا جاوے
جو خدا کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے تو عامل عملاً ہی شرک کریگا اور مشرکون مین شمار ہوگا اور شرک باللہ
و شرک لعبادت اللہ اصل مین انہی تین صور تونکو قرآن مین کہا گیا ہے چنانچہ قرآن مین ہے کہ اگر
اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو سجدہ اُسی کا کرو پس اس قسم کے مشرکونکی مغفرت اللہ نہین
کریگا محض اعتقاد پر عذاب ہے لیکن عدم مغفرت کی وعید اُنہین نہین ہے لہذا اولاد اور بعد درجہ
اگر عملاً شرک نکرین تو مشرک حقیقی نہین جو صرف اعتقاد مشرکانہ رکھتا ہو اور عمل اُسپر نکرتا ہو اُسکو
مشرک کہہ سکتے ہین لیکن وہ ایسا مشرک نہین جسکے لئے اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ اللہ مغفرت
نکریگا اُسکی جسنے اُسکے ساتھ شرک کیا اور مادون اُسکے جسکی چاہیگا مغفرت کریگا اور جسنے شرک کیا
اللہ کے ساتھ تو اُس نے اثم مبین کا افترا کیا پس مغفرت کے لئے شرک کا عمل نکرنا اور لقاے
رب کے لئے عمل صالح کرنا اور اپنے رب کی عبادت مین کسی ایک کو نہ شریک کرنا لازم و مشروط ہے
شرک و کفر کا مفہوم و ایمان و عمل — اعتبار سے باہم کر فرع ہین کفر کے معنی انکار کے
بھی ہین اگر اعتقاد کی وجہ سے انکار رہو اجب بھی کفر ہے اگر اعتقاد و عمل دونون کیوجہ سے انکار
ہو تب بھی کفر ہوگا۔

لہذا مسیح کو اللہ کہنا بھی کفر بمعنی شرک ہوا اور اللہ کو تین مین یک کہنا بھی کفر ہوا شرک ہوا
اور اللہ کو واحد نکہنا اور اوسکے ساتھہ شریک کرنا بھی کفر بمعنی شرک ہوا۔
اسیطرح رسول پر ایمان لانے سے انکار بھی کفر ہوا۔
لہذا شرک اُسی قسم کے انکار (کفر) کو کہینگے جس سے اللہ تعالے کے ساتھہ کسی کی شرکت
ثابت ہوتی ہے پس اعتقاد و عمل دونون ہون جب شرک ہوتا ہے باعتبار اسکے کہ ایمان عمل پر اکساتا ہے عمل کو ایمان کا
فرع کہتے ہیں مراد باعتبار اسکے کہ عمل مقصود ہے ایمان عمل کا فرع ہے ایمان عمل صالح کرانیکے لئے لازم کر دیا گیا ہے کیونکہ

درود کی حقیقت واصلیت کہ رحمت من اللہ یا دعا ہے

سورہ احزاب مین ہے وہی وہ ہے کہ صلوٰۃ بہیجتا ہے تم لوگون پر وہ اور اُسکے ملائکہ تاکہ نکالے تم لوگون کو تاریکیون سے نور کے طرف اور مومنین پر رحیم ہے۔
پس اس آیت سے حقیقت وغرض واصلیت صلوٰۃ کی ظاہر ہوتی ہے کہ ظلمات سے نور کے طرف نکالنے کی غرض صلوٰۃ یعنے درود سے ہے۔

پس مومنین کی صلوٰۃ بہیجنے سے یہی غرض ہونی چاہیئے کہ اللہ سے دعا کرین کہ ظلمات سے نور کے طرف اُسکو نکالے جسپر صلوٰۃ بہیجتے ہین۔
لہذا درود کی اصلیت جو بندون کے طرف سے ہو دعا سے زیادہ نہوگی۔
تصفیہ طلب اب یہ رہگیا کہ زندہ انسان پر صلوٰۃ بہیجنا چاہیے یا مردہ پر بھی جبکہ اعمال منقطع ہوجاتے ہین اور آیا وہ ظلمات سے نور کی طرف بعد مرنیکے نکل سکتا ہے یا نہین۔

مختصر فلسفہ کتب الہامی و قرآن حسب بیان قرآن

سورہ بقر مین ہے کہ آدمی امت واحدہ تھے سو بہیجا اللہ نے نبیونکو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اور اتارا اُنکے ساتھ کتاب حق کے ساتھ تاکہ حکم کرے وہ کتاب آدمیون کے درمیان جسمین وہ اختلاف کرین اور اختلاف نہین کیا اوسمین مگر آپس کے بغی کے طور پر اُن لوگون نے جنکو وہ دی گئی تھی بعد اُسکے کہ آگئین اُنکے پاس بینات سو ہدایت کیا اللہ نے ایمان والون کو اُسمین جسمین اختلاف کر رہے تھے حق کے بابت اپنے حکم سے اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے کتابون کو اختلافون کے مٹانے اور اوسکے بابت حکم کرنے کے لئے قبل اختلاف کے نازل کیا اور باہمی بغی کیوجہ سے لوگون نے بینات آجانے کے بعد اختلاف حق کے بابت کیا لیکن ایمان والون کو اللہ نے ہدایت کیا اُسمین جسمین اختلاف کرتے تھے پس جو ایمان نہین لائے

وہ حق کے بابت اختلاف مین رہے۔

پس حضرت ابراہیم وحضرت موسیٰ پر صحف نازل ہوئے اور حضرت موسیٰ پر جو کتاب نازل ہوئی اُسکا نام توریت ہے اور حضرت داؤد کو زبور دیگئی اور حضرت عیسیٰ پر جو کتاب نازل ہوئی اُسکا نام انجیل اور آنحضرت پر قرآن نازل ہوا ان سب کا نام قرآن مین ہے بقینا کتب و صحف کا نہین ہے۔ اور کتب سابقہ کے بعض مضامین کا بیان ہی ہے۔ قرآن مجید و فرقان حمید مین ایمان نہ لانے والون اور عمل صالح و تقویٰ نہ کرنے والون اور فاسقون سے بار بار برہان و دلایل مانگے گئے ہین اور اُن لوگون کو لا یعقل و لا یفقہ و لا تتفکر و لا یتدبر وغیرہ کہا گیا ہے نیز یہ بھی قرآن مین ہے کہ یہ ذکر ہے جو میرے ساتھ ہین اور میرے قبل کے انبیا کا کہ برہان لاؤ لہذا لازم ہے کہ قرآن مین خود برہان و دلایل ہون اور جو دعویٰ ہو اُسکے لئے دلایل معقول ہون نہ لغو و فضول۔ میرا خیال ہے کہ قرآن مین جو دعویٰ ہے اُسکا برہان اُسمین موجود و مذکور ہے قرآن کا طرز بیان ہی ایسا ہے کہ دعویٰ مع دلیل ایک ہی جگہہ عموماً ملتا ہے جو ادنیٰ تامل سے سمجھہ مین آسکتا ہے کہین دعویٰ مقدم اور کہین دلیل مقدم ہے جب طرز دلایل قرآن اور اُسکی نوعیت کو ذہن نشین کرلیا جاوے تو بہت جلد صاف طور پر سمجھہ مین آجاتا ہے۔ تمام قرآن برہان سے بھرا ہے آیات اللہ سے بھی دلایل قرآن مین مراد ہین اور آیات اللہ کے علم حاصل کرنے و تفکر و تعقل و تدبر و تفقہ وغیرہ کی کرنیکی متعدد آیات ہین اور علم اور علما کی فضیلت بھی بیان ہے اور جہان جہان بیان ہے اُسکے دیکھنے و استقرار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم سے نہ علم قرآن ہی مراد ہے بلکہ ہر قسم کے علوم جو نفع کا سبب ہوتے ہین وہ سب مراد ہین۔

سورہ نسا مین ہے یا ایہا الناس بیشک آیا تم لوگون کے پاس برہان تمہارے رب کے طرف سے اور اوتارا ہم نے تمہارے طرف ایک نور روشن (مبین) سو جو ایمان لایا اللہ پر اور

اعتصام کیا اُسکے ساتھ تو اوسکو داخل کرینگے اپنے رحمت و فضل مین اور ہدایت کرینگے صراط مستقیم
کی پس قرآن کا برہان اور نور روشن ہونا اور بسبب اُسکے اعتصام کے اللہ کے رحمت و فضل
مین داخل ہونا اور ہدایت صراط مستقیم کی پانا ثابت ہوتا ہے بلکہ ان امور کا اس آیت مین وعدہ ہوتا ہے
لہذا مومنین کو اعتصام بالقرآن فرض عین و لازم ہے۔

سورہ کہف مین ہے ساری حمد اللہ کے لئے ہے جس نے اوتارا اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی
اوسمین کوئی کجی قیم ہے (سیدہی درست و صحیح اور قایم رہنے والی) تا آگاہ کرے اللہ کے پاس کی
سخت آفت سے۔

سورہ قمر مین بار بار ہے اور بیشک ہمنے آسان کیا قرآن کو نصیحت کے لئے پس کیا کوئی
ہے سوچنے والا۔ لہذا قرآن افصح الکلام و ابلغ النظام اور کلام ملک العلام اور لایق فہم عام ہے
اوسی کو امام تمام انام کو بنانا اور اُسی پر اعتصام کرنا چاہئے اور اہل القرآن ہر مومن کو بننا
لازم ہے اور اُسکو دشوار سمجھنا خصوصاً فقیہون و مجتہدون کے کلام کو قابل فہم سمجھنا اور کلام
اللہ کو اُنکی بہ نسبت دشوار سمجھنا تحقیر قرآن کی کرنا اور گناہ عظیم کا مرتکب ہونا ہے سہل ممتنع جو کلام
ہوتا ہے اُسکا تجزیہ کرکے الگ الگ اُسکی خوبیون کا گنوانا ناممکن ہے اور زیادہ گنوانے سے
اصل خوبی کا کامل اندازہ کما حقہ ہو نہین سکتا لیکن اُسکے نسبت غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوجاتا ہے
پس چونکہ قرآن بہی سہل ممتنع ہے لہذا خود قرآن مین قرآن کی خوبیان بقدر ضرورت بیان ہوئی ہین
اور یہ مذکور ہے کہ وہ کسکے لئے مخصوصاً مفید اور ہدایت و رحمت ہے اور اُس سے کیا کیا فواید اور
کس قسم کے فواید حاصل ہوسکتے ہین۔ قرآن کے معنی لایق و مستحق قرائت کے بھی ہین خود خدا
تعالی نے قرآن و کتاب سے اُسکو نامزد کیا ہے و قرآن حکیم و مجید و کتاب مبین اور کلام اللہ بھی
اُسکو قرآن مین فرمایا ہے اور ذکر بھی اُسکا نام رکھا ہے یعنے یاد کرنے و نصیحت کرنیکے قابل بہی ہے

اور فرمایا ہے کہ ہمنے ذکر (مجود) کو نازل کیا ہے اور ہم اُسکے حفاظت کرنے والے ہین پس منجملہ قرآن کے دیگر نامون کے یہ مذکورہ نام قرآن کے زیادہ قابل اعتبار ہین۔

سورہ قیامت مین ہے۔ نہ ہلا تو اُسکے ساتھ (لاتحرک بہ) اپنے زبان کو کہ جلدی کرے تو اُسکے ساتھ ہمارے ذمہ ہے اُسکا جمع کرنا اور اُسکا پڑہنا (قرانہ) سو جب وقت ہم پڑہین اُسکو تو اتباع کر اُسکے پڑہنے کی پہر ہمارے ذمہ ہے اُسکو کھول بتانا (بیانہ)۔ پس آن حضرت کو حکم ہوا کہ قرآن جلد لینے کے لئے اپنی زبان کو حرکت ندیوین بلکہ جب پڑہا جاوے تب اُسکی اتباع کرین یعنی خود بھی پڑہین اللہ کے ذمے ہے کہ اُس پڑہے ہوئے کو جمع کرے و پڑہے پہر بیان کرے یعنی آنحضرت کو بعد جمع سمجھا کر یاد کراوے بہولنے ندے۔

سورہ یٰسٓ مین ہے اور نہین سکہلایا ہمنے اوسکو شعر اور نہین ضرورت ہے اوسکے لئے نہین ہے وہ مگر نصیحت (ذکر) اور قرآن صاف صاف (مبین) تاکہ آگاہ کرے اوسکو جو زندہ ہے اور حق ہو جاوے بات کافرون پر

سورہ طٰہٰ مین ہے نہ جلدی کر قرآن کے ساتھ قبل اس سے کہ پوری تیری طرف اُسکی وحی ہو۔

سورہ نحل مین ہے تو کہہ اوتارا قرآن کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ ثابت کرے ایمان والون کو اور ہدایت اور بشارت مسلمین کے لئے۔

سورہ عبس مین ہے۔ ان ہذہ تذکرۃ   ایسا نہین قرآن سمجھنے کے لایق ہے سو جو چاہے

فمن شاء ذکرہ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ   اسکو سمجھے اوراق تعظیم کئے گئے ہین بلند ہے مطہر

بایدی سفرۃ کرام بررۃ   ہے ہاتھون مین لکھنے والونکے جو تعظیم کئے گئے

پس ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لایق ہے اور ہر شخص جو چاہے اُسکو سمجھ سکتا ہے وہ ایسے اوراق مین ہے جو مکرم ہین بلند ہین اس سے کہ اُن مین تصرف ہو سکے مطہر ہین اس سے کہ اس مین تحریف ہو سکے اور خیانت ملجاوین اور وہ ایسے مکرم و معظم لکھنے والون کے ہاتھون مین ہے جو بزرگ نیکوکار

بھی ہین لہذا کاتبان وحی و کاتبان قرآن کا جنکے ہاتھ مین قرآن اُسوقت تھا جسوقت یہ آیت نازل ہوئی
کرام بررہ ہونا ثابت ہوتا ہے پس اُنکے ذریعہ سے جو متواتر قرآن تحریری پہونچا اُسکا پورا پورا بلا کم و بیش ہونا
بھی ان آیات سے ثابت ہوتا ہے نیز اُن جامعان قرآن کا جو کاتبان کی بھی حیثیت رکھتے تھے متدین و معتبر
ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور قرآن کا ہر قسم کے تحریفات سے مبرا و منزہ ہونیکی تصدیق ہوتی ہے۔

منجملہ کاتبان وحی کے کسی یک یا دو کا معتبر ہونا منافی اس آیت کے نہین کثرت کا اور عموم کا لحاظ چاہیے
اور اصل کاتبان کا نہ کہ بالواسطہ غیر مستند اورونکا۔ ہمنے تیری طرف کتاب نازل کی تاکہ تو حکم کرے آدمیونکو درمیان
اونکے جو سمجھائے تجکو اللہ (بما اریک اللہ) (سورہ نسا) اور وحی کی گئی ہے میری طرف اس قرآن کی کہ تم
لوگونکو آگاہ کرون اوس سے اور جسکو پہونچے (ومن بلغ) (سورہ انعام)

اے آدمیو بیشک آئی تمہارے پاس موعظت تم لوگونکے رب کی طرفسے اور شفا اوسکے لئے جو دلونمین ہے
اور ہدایت و رحمت مومنین کے لئے۔ (سورہ یونس) یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر اُسکا جسمین
وہ اختلاف کرتے ہین اور وہ ہدایت و رحمت مومنین کے لئے ہے (سورہ نمل) اور اُتارتے ہین ہم قرآن مین سے
جو شفا و رحمت ہے مومنین کے لئے اور نہین زیادہ کرتا ہے ظالمون کو وہ مگر خسارہ (سورہ بنی اسرائیل) سوا اسکے
نہین کہ آسان کیا ہے ہمنے قرآن کو تیری زبان پر تاکہ بشارت دے تو متقین کو اور آگاہ کرے جھگڑالو قوم کو
(سورہ مریم) اور اسیطرح ہے ہمنے اُتارا قرآن کو عربی زبان کا اور پھیر پھیر سنائین ہمنے وعید اوسمین تاکہ وہ تقوی کرین یا
ڈالے اُنکے دل مین سوچ (سورہ طہٰ) بلکہ وہی حق ہے تیرے رب کی طرفسے تاکہ تو آگاہ کرے اُس قوم کو جسمین کوئی نذیر
نہین آیا تیرے قبل تاکہ ہدایت پاوین (سورہ سجدہ) یہ قرآن تذکرہ ہے سو جو چاہے ٹھہرائے اپنے رب کیطرف راہ
(مزمل) ایسا نہین یہ تذکرہ ہے سو جو چاہے نصیحت قبول کرے (سورہ مدثر) بڑا برکت والا ہے جسنے نازل کیا اپنے عبد پر فرقان کو
تاکہ وہ ہو عالمونکے لئے نذیر (سورہ فرقان) (سورہ بنی اسرائیل میں ہے) یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اوسکا جو بہت درست ہے
(اقوم)۔ اور قرآن کو الگ الگ کیا ہمنے تاکہ تو پڑھے اوسکو آدمیو پر ٹھہر ٹھہر کر اور اُتارا ہمنے اُسکو جیسا حق ہے اُتارنیکا (سورہ بنی اسرائیل)

مشابہت فاتحا وران افعال سے جو شریکون کے لئے کذب کا افترا اللہ پر کرکے احمق و ضال و ظالم کرتے تھے

سورہ انعام مین ہے کہ فلاح نہین دئے جا وینگے ظالم اور ٹھیرایا اُن لوگون نے اللہ کے واسطے اُس چیز مین سے کہ پیدا کیا اُسنے کھیتی اور انعام مین سے ایک حصہ سو کہا اُنہون نے یہ اللہ کے واسطے ہے انکے گمان مین اور یہ ہمارے شریکون کے لئے ہے (شریکان خدا) سو جو کچھہ ہے انکے شریکون کے لئے تو نہین پہونچتا وہ اللہ کے طرف اور جو اللہ کے لئے ہے سو وہ پہونچتا ہے اُنکے شریکون کی طرف بُرا ہے جو وہ لوگ حکم کرتے ہین اور اسیطرح زینت دی ہے بہت سے مشرکین کو اُنکے شریکون نے قتل کرنا اپنے اولاد کا تاکہ ہلاک کرین اُنکو اور تاکہ مختلط کردیوین اُن لوگون پر اُنکے دین کو اور اگر چاہتا اللہ نکرتے ایسا سو چھوڑ دے اُن لوگون کو اور جو کچھہ وہ لوگ افترا کرتے ہین۔

اور کہا اُن لوگون نے کہ یہ انعام ہین اور کھیتی ہے اچھوتے ہین نہ کھاوے اُسکو مگر جسکو ہم چاہین اپنے گمان پر اور انعام ہین حرام کیگئی ہین انکی پیٹھین اور انعام ہین کہ نہین یاد کرتے وہ لوگ اللہ کا نام اُنپر (بوقت ذبح) افترا کرنے کیلئے اللہ پر بدلا دیگا اللہ اُن لوگون کو بسبب اسکے کہ افترا کرتے تھے۔ اور کہا اُن لوگون نے جو ان انعام کے بطون مین ہین ہمارے ذکور کے لئے صرف ہے اور حرام ہے ہمارے بیویون کو اور اگر مردہ ہو تو مرد اور اونکی بیویان اُسمین شریک ہین بدلا دیگا اُسکے بیان کا وہ حکیم علیم ہے بیشک ٹوٹا مین رہے وہ جن لوگون نے قتل کیا اپنے اولاد کو حماقت سے بغیر علم کے اور حرام کیا اُن لوگون نے اُس چیز کو کہ روزی دی تھی اُن لوگون کو اللہ نے افترا کرنے کے لئے اللہ پہ بیشک گمراہ ہوے وہ لوگ اور ہدایت پانے والے نہ ہوے سو کون اظلم ہے اوس سے جسنے افترا کیا اللہ پر جھوٹ تاکہ گمراہ کرے آدمیون کو بغیر علم کے

اللہ ہدایت نہین کرتا قوم ظالم کو۔ پس افعال مذکورہ کو اللہ نے اللہ پر کذب کا افترا کرنا اور ظلم کرنا اور سبب ہلاکت اور باعث اختلاط دین و سبب عدم ہدایت اور باعث ضلالت اور بغیر علم کے اعمال قرار دیا اور اُنکے کرنے والون کے نسبت فرمایا کہ فلاح نہ پاوینگے اور اُنکو احمق و ضال و ظالم بتلایا۔

غور کرو کہ فاتحہ جو ہندوستان کے مسلمانون مین رایج ہے وہ متشابہ افعال مذکورہ کے ہے یا نہین اور کس قدر کس طرح مشابہ ہے اور آیا اصولاً اُسکے کرنیوالے مستحق وعید مذکور ہین یا نہین۔

فاتحہ کرنیوالے کسی چیز کو نذر اللہ کی اور اُن لوگون کی جنپر فاتحہ ہوکرتے ہین اور اُسکا ثواب جنپر فاتحہ کرتے ہین اوسکو بخشتے ہین کوئی بوسیلۂ اللہ اُنکو پہونچانا چاہتا ہے کوئی براہ راست اُنکا حصہ قرار دیتا ہے لیکن اندرونی غرض یہی ہوتی ہے کہ اللہ کو نہ پہونچے بلکہ اُنکو پہونچے جنپر فاتحہ کرتا ہے اور جو گویا اُسکے شرکا ہین یعنی اللہ کے لئے گویا اُسنے اُنکو شریک کرلیا ہے جنکی مدد و وسیلہ سے اللہ کی رحمت چاہتا ہے۔ عورتون کو بعض فاتحہ کی چیزون کو نہین چھونے دیتے اور بعض کو نہین کھانے دیتے حالانکہ مرد اُسکو کھاتے ہین اور بعض جانورون کی بعض چیزون پر فاتحہ جائز نہین سمجھتے۔ پس جو حصہ اُنکے لئے قرار دیتے ہین جنکی فاتحہ کہتے ہین اُسکو سمجھتے ہین کہ اللہ کی طرف نہین پہونچتا اور جو اللہ کی طرف نذر کرتے ہین اُسکا ثواب اُنکو پہونچاتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اونکو پہونچتا ہے۔

نذرون اور قربانیون سے غرض تقویٰ ہونی چاہیئے نہ اور کچھ اور تقویٰ ہی کا ثواب ملتا ہے نہ لہو و گوشت و اجناس و اشیاء کا۔ سورہ حج مین ہے کہ ہرگز نہین پہونچتا اللہ کو گوشت اُسکا اور نہ لہو اُسکا (قربانی کا) ولیکن پہونچتا ہے اُسکو تم لوگون کا تقویٰ اسیطرح مسخر کیا ہمنے تم لوگون کے لئے تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اُس ہدایت پر جو تم لوگون کو کی اور بشارت دی نیکی کرنے والونکو۔ پس جملہ چیزین جو انسان کے اختیار مین دیگئی ہین اور جنکو مسخرات سے اس آیت مین تعبیر کیا ہے اُنکے استعمال سے یہ غرض ہونا چاہیئے کہ اللہ کی بڑائی ہو نہ یہکہ شریکون کی جنکا وسیلہ ہوجانا بزعم خود سمجھتے ہین اور اورادو قرآن خوانی سے غرض تدبر مذکورہ عمل و اعتقاد اُسی

بنیاد پر رکھتا ہے اور اُسکا ثواب بوجہ مذکور ہوتا ہے نکہ صرف لفظون کے ادا کرنے سے پس اُسکا ثواب اول تو ہونا ہی مشکوک ہے دوسرے اوسکو بھی اوسی طرح پہونچانا جسطرح کرتے ہین اور بھی خراب ہے جبکہ فاتحہ مین ایسی مشابہت ثابت ہوتی ہے تو اسکے علاوہ جو افعال کئے جاتے ہین اُنمین بطریق اولی مشابہت زیادہ ہوگی لہذا اُنسے بھی بچنا چاہئیے۔

فلسفہ شفاعت ویوم القیامت شفاعت باذن اللہ کی حقیقت وسوا شہادت بالحق کے شفاعت وجاہت ومحبت ودیگر کوئی شفاعت اُسدن نہوگی

جب کسی معتبر کو حاکم شہادت دینے کا حساب کیوقت حکم دے اور وہ شہادت بالحق دے اور ثواب ہے تو ایسی شہادت خود عامل نیکی کے لئے شفاعت ہے۔ پس چونکہ خدا تعالے حاکم با انصاف وعلیم وحکیم ورحیم ہے لہذا قیامت کے دن بندون کے حساب کیوقت وہ اونکو شہادت کا حکم دیسکتا ہے جو کہین سوا بد وشہادت بالحق دیوین یعنی معتبر ہون لہذا اس شہادت کو شفاعت باذن کہا گیا ہے اور جہان پر قرآن مین ہے کہ شفاعت باذن اللہ ہوگی وہان اسی شہادت سے مراد ہے کیونکہ دوسرے قسم کی شفاعت کا اذن قرآن سے ثابت نہین اور چونکہ استثنا قرآن مین ہے لہذا قرآن ہی سے جنکو اذن ہو ثابت ہونا ضروری ہے اور چونکہ دوسرے قسم کی شفاعت اگر جائز سمجھی جاویگی تو حقیقت مین تنقیص صفات کبریائی ہے لہذا وہ ہو ہی نہین سکتین اور جو تاویلین کی گئین ہین وہ بودی ہین۔

چنانچہ بزرگون نے جو شفاعت باذن کے معنی بتائے ہین اور جو مثال دی ہے اُسمین تقویۃ الایمان مین جو کچھ لکھا ہے نقل کرتا ہون کیونکہ بہترین تاویل جو ہو سکتی تھی اُسکو اُس کتاب کے مصنف سے بہتر شاید ہی کوئی کر سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

تیسری یہ صورت ہے کہ چور پر چوری تو ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہین اور چوری کو کچھ اُسنے اپنا پیشہ نہین ٹھیرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اوسپر شرمندہ ہے اور رات و دن ڈرتا ہے

اور بادشاہ کے آئین کو سر اور آنکھون پر رکھتا ہے اور اپنے تئین تقصیر وار سمجھتا ہے اور لایق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر وزیر کی پناہ نہین ڈھونڈھتا اور اُسکے مقابلے کسی کی حمایت نہین چاہتا اور رات دن اوسکا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق مین کیا حکم فرماوے تو اُسکا یہہ حال دیکھکر بادشاہ کے دل مین اُسپر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کرکے بے سبب درگذر نہین کرتا کہ کہین لوگون کے دلون مین اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے سو کوئی امیر وزیر اُسکی مرضی پاکر اُس تقصیروار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اُس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر مین اُسکی سفارش کا نام کرکے اُس چور کی تقصیر معاف کردیتا ہے سو اُس امیر نے اُس چور کی سفارش اس لئے نہین کی کہ اُسکا قرابتی یا آشنا یا اُسکی حمایت اُسنے اُٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھکر کیونکہ وہ بادشاہ کا امیر ہے نہ چورون کا تھانگی جو چور کا حمایتی بنکر اُسکی سفارش کرتا تو آپ بھی چور ہو جاتا اسکو شفاعت باذن کہتے ہین یعنی یہ سفارش خود مالک کے پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کے جناب مین اس قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے اور جس نبی و ولی کے شفاعت کا قرآن و حدیث مین مذکور ہے سو اسکے معنے یہی ہین ۔

مین تو ایسی شفاعت کو آیات قرآنی کے خلاف سمجھتا ہون اور ارحم الراحمین کی تنقیص سمجھتا ہون کیونکہ اس خیال سے کہ آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے اور ظاہر مین اُس امیر کے سفارش کا نام کرکے باوجود اپنے ترس کے چور کی تقصیر معاف کرائی گئی ہے مین شفاعت باذن کے دوسرے معنی سمجھتا ہون اور ہر مومن کے شفاعت کا جو شہادت بالحق دیوے عقیدہ رکھتا ہون اور قرآن مجید کے رو سے اُسکو ثابت سمجھتا ہون یعنی شہادت بالحق جو قیامت مین باذن اللہ ہوگی اگر کسی کی نیکی کی بابت ہوگی تو سبب رحم ہوگی اور وہی شفاعت باذن ہے اور جس طرح شفاعت وجاہت و محبت نہین ہوسکتی اُسیطرح وہ شفاعت بھی جسکو تقویۃ الایمان مین شفاعت باذن کہا ہے نہین ہوسکتی ۔

سورہ طہٰ مین ہے اُس دن نفع نہ دیگی شفاعت مگر اُسکی جسکو اذن دیا ہے رحمٰن نے اور جسکی بات پر وہ راضی ہوا پس جسکی بات پر اللہ راضی ہوا وہی شفاعت نفع دیگی یعنے کسی کے شہادت پر جو کسی کے نیکی کرنے کی نسبت ہوا اللہ اُسپر راضی ہوا تو وہی شفاعت نفع دیگی نہ کوئی اور شفاعت سورہ نبا مین ہے نہین مالک ہونگے اللہ سے خطاب کرنے کے جس دن قایم ہونگی روح اور ملایکہ صف باندہ کر نہ کلام کرینگے مگر جسکو حکم دے رحمٰن اور کہے صواب۔ پس اُسدن اللہ سے خطاب کرنے اور بات کرنیکا بغیر اذن رحمٰن کے کوئی اختیار نرکھیگا اور صواب ہی کہیگا جسکو اذن بھی ہو یعنے غیر متعلق و دروغ نکہیگا لہذا شہادت بالحق ہی حیثیت شفاعت کی رکھتی ہے اور گویا وہی شفاعت ہوئی اگر نیکی کی بابت ہے۔

سورہ زخرف مین ہے ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شہد بالحق وہم یعلمون۔ اور ملکیت نہین رکھتے ہین جنکو وہ پکارتے ہین اللہ کو چھوڑ کر شفاعت کا مگر جسنے گواہی دی ہو حق کے ساتھ پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے حق کے ساتھ گواہی دی ہو وہ شفاعت قیامت مین کر سکتا ہے و ملکیت شفاعت کے رکھیگا خواہ کافر ہو یا مسلمان کہتا ہے کہا جاتا ہے کہ شہادت بالحق ایمان لانا ہے لہذا مومن شفاعت کرینگے کافر شفاعت نہ کرینگے لیکن اس آیت مین کوئی قید نہین معلوم ہوتی بلکہ چونکہ مشرکون کا ذکر ہے لہذا عام حکم معلوم ہوتا ہے یا یہ کہ استثنا مشرکون کے شفاعت کرنے کے بابت ثابت ہوتا ہے کیونکہ من دون اللہ جنکو پکارتے تھے اونکے عدم ملک کی تائید کرتا ہے بہر حال مفہوم آیت کا عام ہے اور کوئی ہو جب شہادت بالحق و معتبر ہے تو استحقاق شفاعت کا اُسکو پیدا ہوگا لیکن اُسکے شفاعت سے یہ لازم نہین کہ اللہ معاف بھی و مغفرت بھی کرے لہذا اسکے سوا اُس یوم عظیم مین اُس مالک کریم احکم الحاکمین ارحم الراحمین کے حضور مین اور کوئی شفاعت اور کسی قسم کی نہین ہو سکتی لہذا اگر شہادت بالحق کسی کے نیکی کرنیکی شہادت ہو پس

وہ شفاعت ہوئی۔

سورہ جاثیہ مین ہے من عمل صالحًا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا ثم الی ربکم ترجعون۔ ترجمہ جسنے عمل صالح کیا تو اُسنے اپنے لئے کیا اور جسنے برا عمل کیا تو اُسپر اُسکا ذمہ ہے پھر اپنے رب کے طرف تم رجوع ہوگے۔ پس اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا آپ مزا اُٹھاویگا اور اُسیکیطرف رجوع ہونیوالا ہے پھر وہ چاہے رحمت ومغفرت کرے اور معاف کرے اور چاہے ثواب دے اور چاہے عذاب دے اور معاف نکرے آخرت وجزا وسزا کی بنیاد جو جزو ایمان خدا تعالے ہے اس اعتقاد پر ہے کہ آدمی اپنے فعل کا ذمہ دار ہے اور اللہ مالک یوم الدین کا ہے جو خود حساب کیے جزا یا سزا دیگا بہت سی آیتین اسکے بابتہ موجود ہین جنکو بے شمار کہنا چاہئے اور اُن سے انکار نہ ہونا چاہئے بلکہ شفاعت بالوجاہت وبالمحبت کفر وانکار اختیار خداوندی ہے اور دیگر شفاعتونکا کچھہ اثر نہین یہانتک کہ رحم بھی اُن سے نہ آنا چاہئے ہم آنا اُسکے لئے اسکے صفات مین نقص آتا ہے۔ غرض اس کے سوا کسی کی شفاعت قرآن سے ثابت نہین نکسی کے لئے اُسکے سوا اذن شفاعت کا ملنا قرآن سے ثابت ہے۔

اور سورہ آل عمران مین ہے لایکلف اللہ نفسًا الا وسعہا لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ خدا نے تکلیف نہین دیا کسی نفس کو مگر اسکی طاقت تک اُس نفس کے لئے ہے جو اُسنے کسب کیا اور اُسپر ذمہ ہے جو اُس نفس نے کسب کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہمکو اگر بھول گئے ہم یا چوک گئے ہم۔ سورہ بقر مین ہے یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین واتقوا یومًا لاتجزی نفس عن نفس شیئًا ولا تقبل منہا عدل ولا تنفعہا شفاعۃ ولا ہم ینصرون۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو جسکو انعام کیا مین نے تم لوگون پر اور مین نے فضل دیا تم لوگون کو عالمون پر اور تقویٰ کرو اُس دن سے کہ نہ بدلا دیگا کوئی نفس کسی نفس کا کسی شئے مین اور نہ قبول کیا جاویگا اُس نفس سے بدلا اور نہ نفع دیگی اُس نفس کو شفاعت اور نہ وہ مدد دئے جاوینگے۔ پس ان آیات سے

ثابت ہوتا ہے کہ کسی نفس کو قیامت کے دن شفاعت نفع نہ دیگی دراںحالیکہ ہر نفس ذمہ دار ہے اُسکا جو اُس نے کسب کیا ہے۔ سورہ بقر مین ہے۔ یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیاً ولا تقبل منہا شفاعۃ ولا یوخذ منہا عدل ولا ہم ینصرون۔ ان آیات مین بجاے لاتقبل منہا عدل ولا تنفعہا شفاعۃ کے لاتقبل منہا شفاعۃ ویوخذ منہا عدل ہے جس سے اور محکم طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت قبول نہ کیجاویگی اور بدلا نہ لیا جاویگا اور نہ قبول کیا جاویگا اُس دن کسی نفس سے۔ سورہ بقر مین ہے یا ایہا الذین آمنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لابیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ والکفرون ہم الظالمون اے مومنو خرچ کرو اُسمین سے جو روزی دی ہے ہمنے تم لوگون کو قبل اسکے کہ آوے وہ دن کہ نہ بیع ہے اُسمین نہ دلی دوستی اور نہ شفاعت اور کافر وہی ظالم ہین اس آیت مین مومنین مخاطب ہین اور آیات مذکورہ بالا مین بنی اسرائیل سے خطاب تھا مگر مفہوم سب کا عام ہے یعنی جس شفاعت سے انکار ہے کہ اوس دن نہ ہوگی وہ نہین ہونیکی کیونکہ محکم طور پر آیات مذکورہ بالا مین ہے تو کہدے۔

سورہ انفطار مین ہے ثم ما ادراک ما یوم الدین یوم لا تملک نفس لنفس شیا والامر یومئذ للہ پھر تونے کیا جانا کیا ہے دن انصاف کا جسدن مالک نہ ہوگا کوئی نفس کسی نفس کا کسی شے مین اور حکم اُس دن اللہ کے لئے ہوگا۔

سورہ دخان مین ہے یوم لا یغنی مولی عن مولی شیاً ولا ہم ینصرون الا من رحم اللہ انہ ہو العزیز الرحیم۔

جسدن نہ پروا کریگا کوئی مولیٰ کسی مولیٰ سے کچھ اور نہ وہ مدد کئے جاوینگے مگر جسپر رحم کیا اللہ نے وہ عزیز الرحیم ہے۔

سورہ زمر مین ہے ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیاً و

کیا ٹھرایا ہے ان لوگون نے اللہ کو چھوڑ کر شفاعت کرنیوالے تو کہدے اگرچہ ہون وہ مالک کسی شے کے

ولا یعقلون قل للہ الشفاعۃ
جمیعاً لہ ملک السموات
والارض ثم الیہ ترجعون۔

اور نہ وہ عقل رکھتے ہون تو کہدے اللہ ہی کیلئے
شفاعت سب ہے اُسیکے لئے ہے راج آسمانون و زمین کا
پھر اوسکے طرف تم لوگ رجوع ہوگے۔

سورہ انعام مین ہے
وذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت لیس لہا من دون اللہ ولی ولا شفیع وان تعدل کل عدل لا یؤخذ منہا اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا لہم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون۔ اور اُسکے ساتھ نصیحت کر کہ ہلاک ہوگا ہر نفس بسبب اُسکے جو اُس نے کسب کیا ہو اُس نفس کے لئے کوئی نہین اللہ کو چھوڑکر ولی اور نہ شفیع اور اگرچہ وہ بدلا دینا چاہے ہر قسم کا بدلا نہ لیا جاویگا اُس سے وہی ہین جو ہلاک ہوئے بسبب اپنے کسب کے اُنکے لیے کھولتا ہوا پانی ہے پینے کو اور عذاب الیم بسبب اُنکے کفر کے پس ثابت ہوا کہ سوائے اللہ کے کوئی ولی و شفیع نہین اور کسی قسم کا بدلا نہین لیا جاویگا۔ سورہ انعام مین ہے۔ ما نری معکم شفعاءکم الذین زعمتم انہم فیکم شرکاء لقد تقطع بینکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون۔ اور ہم نہین دیکھتے تم لوگون کے ساتھ تم لوگون کی شفاعت کرنے والے جن کو تم لوگ زعم کرتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہین تم لوگون کے درمیان بیشک قطع ہوگئے تم لوگون کے درمیان اور بھاگ گئے تم لوگون سے جنکا تم لوگ زعم کرتے تھے۔

سورہ اعراف مین ہے اور جنکو تم من دون اللہ پکارتے ہو نہین استطاعت رکھتے وہ لوگ تم لوگون کے مدد کی اور نہ اپنے جان کی مدد کرتے ہین اور اگر پکارو تم لوگ اُن لوگون کو ہدایت کی طرف نہ سنینگے وہ لوگ اور دیکھتا ہے تو اے دیکھنے والے کہ دیکھتے ہین تیری طرف حالانکہ وہ لوگ نہین دیکھتے اور سورہ انعام مین ہے تو کہدے کہ کیا اللہ کے غیر چاہون مین رب اور وہ رب ہر شے کا ہے اور نہین کسب کرتا ہر نفس مگر اُسپر اُسکا ذمہ ہے اور نہین اُٹھاتا کوئی اُٹھانے والا بوجھ دوسرے کا پھر میرے طرف تم لوگون کا مرجع ہے سو آگاہ کرونگا تم لوگون کو

جسمین تم لوگ اختلاف کرتے تھے اور سورہ زمر مین ہے اور جنہون نے ٹھرایا سوا دونون
اللہ اولیا نہین پوجتے ہین ہم اُن لوگون کو مگر تاکہ قریب کردین اللہ کے طرف اور بیچارا اور بہ اللہ
حکم کریگا اُن لوگون کے درمیان اُسمین جسمین وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نہین ہدایت کرتا اُسکی کہ جو
جھوٹ بولنے والا کافر ہو لہذا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کی عبادت اپنی قربت کے نزدیک
درجہ کو قریب کردے جائز نہین اور وہ عمل کاذب کفار کا ہے۔ سورہ نجم مین ہے کیا اسکو خبر نہین
دیگئی جو صحف موسیٰ مین ہے اور اُس ابراہیم کے جسنے پورا اُتار دیا یہ کہ نہ اُٹھاویگا کوئی اُٹھانے والا
بوجھ دوسرے کا اور یہ کہ نہین آدمی کیواسطے مگر جسکی اُسنے سعی کی اور یہ کہ اسکی سعی دیکھی جاویگی پھر بدلا دیگا
اُسکو بدلا پورا اور یہ کہ تیرے رب کیطرف منتہی ہے پس کتب سابقہ مین بھی امور مذکورہ کی تصدیق ہے
لہذا اس سے زیادہ اور شفاعت مذکورکے خلاف اور کیا شہادت الہامی ہوسکتی ہے اور سورہ مومن مین
ظالمون کےلئے نہ دوست ہے نہ شفیع جسکی اطاعت کیجاوے۔

عوام ایمان لانے ہی کو یعنی اعتقاد کرلینے ہی کو جو بغیر عمل کے ہو مومن ہونا سمجھتے ہین اور عمل کو
ایمان کے لئے لازم نہین سمجھتے شفاعت کے مسئلے پر اسکا بڑا اثر پڑتا ہے کیونکہ جبکہ اعتقاد ہی کو عوام امت
محمدیہ مین شامل ہوجانے اور محمدی ہوجانے کا اور نجات پاجانے کے لئے کافی سمجھتے ہین تو گویا وہ
سمجھتے ہین کہ بُرے عمل کی سزا اُنکو نہ ملنا چاہئے اور ناراضمندی خداوند تعالےٰ کے لئے جو بوجہ اعمال
بد کرنے و حکم نہ ماننے کے ہو اُسکے معافی کے لئے اُسیکو کافی سمجھتے ہین کہ کوئی مقرب شفارش کردے
اور اسی وجہ سے وہ خیال کرنے لگتے ہین کہ چونکہ وہ اللہ اور آنحضرت پر ایمان رکھتے ہین لہذا آنحضرت
شفارش کرکے اُنکی بداعمالی کی سزا اُٹھوا دینگے حالانکہ دوسری امت کے اُسی قسم کے
بداعمال سزا پاوینگے۔

حالانکہ حق یہ ہے کہ بُرے عمل کے کرنے والے سے نہ اللہ راضی ہے نہ محمد رسول اللہ

اور ایمان اسی لئے ہے کہ برے عمل نہ کریں۔ پس ایسے باعتبار نام و باعتبار اعتقاد کے
امت محمدیہ میں سے ہیں لیکن حقیقتاً مومن نہیں اور اللہ و رسول برے عمل کرنے والے سے بیزار
ہیں پس کیسے شفاعت کرینگے برے عمل کر کے شفاعت کی امید ہی گناہ ہے
برخلاف اسکے اللہ کی رحمت سے امید و ندامت نیکی ہے جو سبب رحمت ہو سکتی ہے یہ نکتہ قابل یاد ہے
سورہ یونس میں ہے اور عبادت من دون اللہ وہ کرتے ہیں انکی جو نہ ان لوگوں کو ضرر
پہونچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں یہ ہمارے شفعا ہیں اللہ کے نزدیک تو کہہ کیا تم لوگ
آگاہ کرتے ہو اللہ کو اسکے ساتھ جو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ زمین میں پاک ہے وہ
و برتر اس سے جس سے وہ لوگ شریک کرتے ہیں پس شفیع ظن و اٹکل وہ بناتے تھے جنکی
بابت یہہ آیات ہیں۔ **فلسفہ قرآن بنسبت جزاے محاربین وساعیین فسا د
فی الارض جو قبل قدرت توبہ نکر چکے ہوں** — سورہ مایدہ میں ہے کہ سوائے اسکے نہیں
کہ جزا ان کی جو حرب رکھتے ہیں اللہ اور اوسکے رسول سے اور فساد کرتے ہیں زمین میں یہ ہے کہ الآیہ۔
دار الحرب میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مددگار و تہانگی رہتے ہیں ایسونکے جو براہ راست مومنین سے
حرب یا جرم نہیں کرتے مگر بواسطہ اصل مجرموں کے وہ مجرمونکے ارتکاب کا سبب ہوتے اور فساد
کرنیکے لئے دوڑتے اور سعی کرتے رہتے ہیں ایسے تہانگیوں پر شہادت کافی دیر میں ملتی ہے لیکن قیاسات
صحیح و متواتر سبب ملجاتے ہیں تو اگر انکے انسداد کے لئے کوئی فوری طریق اختیار نہ کیا جاوے تو فتنہ
و فساد نہیں رکتا اور جلد جلد بڑہتا جاتا ہے اور جرایم مقدار و تعداد میں زیادہ ہو جاتے ہیں لہذا آیت میں
حکم ہے کہ قبل اسکے کہ انپر قدرت پاؤ اگر وہ توبہ کر چکے ہوں تو اللہ غفور الرحیم ہے یعنی سزا نہ دیجاوے پس چونکہ
براہ راست وہ مجرم نہیں ہوتے لہذا انسداد کے لئے سزا دیجاتی ہے اسلئے ایسے لوگوں کے لئے سزا کا حکم
سولی دینے لیکر نفی فی الارض تک ہوا اور یہ رحمت ہے کہ توبہ کر چکے ہوں تو سزا نہ دیجاوے اور حکمت بھی ہے

فلسفہ آخرت وقیامت وجزا وسزا بروے بیان قرآن

صلاح وفلاح کے لئے آخرت مین جزا وسزا ملنے کی ضرورت کیون ہے جس کام کے کرنے
کے لئے انسان کو ذمہ دار قرار دیا جاوے کہ وہ اپنے ذمہ داری پر اوس کام کو انجام دے اور اوسکا
انتظام تا بہ اپنے امکان کرے اگر جس نے اوس انسان کو ذمہ دار قرار دیا ہے اوسکو اوس ذمہ دار
کو جواب دینا اور اوس کا حساب سمجھانا اور اوسپر جزا یا سزا پانا ہے بلحاظ اپنے ذمہ داری کے تو خوف
اور طمع سے جس طرح وہ کام وہ انسان انجام دیگا دوسرا کسی طرح سے اوس طرح اور اوس خوبی
سے پورا نکریگا۔ اس دنیا مین اسی طرح ہوا ہے اور اسی طرح ہوتا ہے اور اسیطرح ہوگا پس یہہ
خصوصیات ومخصوصیات انسانی مین سے ہے اور تمام انسان اوسمین اشراک وحیثیت واحد رکہتے ہین
اگر یہ بہی صحیح ہے کہ انسان اس غرض سے مخلوق ہوا ہے کہ تقویٰ وعمل صالح کرے۔ یا کم سے
کم یہ ہے کہ حسن معاشرت وحصول راحت کی ضرورت سے انسان کو ہر طرح ضرور ولازم ہے کہ تقویٰ
وعمل صالح کرے۔

تو اس ضرورت یا فرض کا مقتضا ہے کہ انسان اوسپر یعنی اپنی اعمال کے سزا وجزا ملنے پر ایمان
لاوے اور نہ ایمان بلکہ نہایت استقامت وانتہائے جوش وخروش کے ساتھ اپنے کو ایسا بناوے
اور بہترین جذبات پیدا کرے کہ مستقلاً ومنفرداً اوسپر کما حقہ عمل ہونے لگے اور یک انسان دوسرے
انسان سے انجام دلانا اپنا فرض عین سمجھکر اوسپر عمل کرے وپابند ہو یعنی خود
بہی عمل کرے اور دوسرونسے بہی انجام دلاوے۔ اور چونکہ اچھے وبرے عملونکے درجے باہم
کم وبیش متفاوت ہین کوئی بہت بڑا اور کوئی اوس سے کم اور کوئی بہت اچھا اور کوئی اوس سے
برا ہے لہذا جزا وسزا کی نوعیت بمقدار عمل یعنی جرم ونیکی کم وبیش ہونا ومتفاوت ہونا لازم وضروری ہے
دوسرے چونکہ اس دنیا مین ہر عمل کی جزا وسزا ٹھیک نہین مل سکتی اور نہ ملتی ہے لہذا یہہ اصلی

ضرورت اس پر پابند کرتی ہے کہ دوسرے دنیا کے لئے یعنی آخرت مین جزا وسزا کا ملنا قرار دیا جاوے تاکہ جس نے ذمہ دار بنایا ہے وہ بحیثیت مالک کامل جزا و سزا دہانی ہوے اور جواب لیوے اور حساب کرے اور انعام دثواب یا عذاب دے لہذا اگر اصلاح و فلاح دنیا کی انسانونکی اس اعتقاد پر کہ جزا و سزا ذمہ دار کو آخرت مین دیجاوے بہ نسبت دیگر اعتقادات تناسخ و فرض انسانی و بہبودی خلایق کے اعتقاد کے زیادہ ہے اور یہ طریق حقیقتاً و عملاً و تجربتاً زیادہ موثر و مفید و راحت رسان ہے تو ہر انسان و نیز خلایق کے بہبودی چاہنے والے کا فرض ہے کہ جزا سزا کے دوسرے دنیا مین ملنے پر اعتقاد لاوے اور اُسکے بڑھانے پر بہترین کوشش کرے اور اپنی قوت و محنت سب چیزونکو اُسپر لگادے کیونکہ اس دنیا کے سزا و جزا سے مطلوب کا حقہ نہین ملتا و تقویٰ و عمل صالح و صلاح و فلاح نہین ہوتی۔ اور کوئی معقول وجہ نہین ہے کہ جزا و سزا مذکورہ کے بہتر ہونیکے نسبت انکار کیا جاوے۔ اور جبکہ انبیا و رسل و کتب الہامی سے متواتر طور پر اُس کی تصدیق ہوتی ہے تو اور بھی گنجایش انکار کی نہین ہے۔

لہذا سب سے بڑی و قوی ضرورت و سب سے بڑا و اہم فرض انسان کا اس غرض سے اللہ مالک دنیا و آخرت و حکیم و خبیر و حلیم پر اور آخرت مین جزا و سزا پر ایمان لانا ہے تاکہ صالح و متقی بنے۔ اور اللہ نے اپنی رحمت سے بذریعہ انبیا و رسل کے اُس سے آگاہ فرمایا اور اُسکی تصدیق کی ہے پس آخرت مین جزا و سزا بحکم مالک یوم الدین ملنا یقینی ہے اور شک جو اُسمین کرتے ہین اُنکو وعید کے موافق سزا کا ملنا بھی یقینی ہے کیونکہ حق یہ ہے کہ ایسے شک کے کرنے والے اور انکار کرنے والے عمل صالح و تقویٰ مین کامیاب نہین ہو سکتے۔

سورہ یونس مین مذکورہ بالا امور نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اس طرح بیان ہوئے ہین۔ اللہ امر کی تدبیر کرتا ہے کوئی شفیع نہین مگر بعد اُسکے اذن کے یہ تمکو تمہارا رب ہے سو

اُس کی تم لوگ عبادت کرو سو کیا تم نصیحت نہیں قبول کرتے اُسی اللہ کی طرف تم لوگون سبکا مرجع ہے اللہ کا وعدہ حق ہے وہ ابتدا پیدا کرتا ہے خلق کو (یبدء الخلق) پہر دوبارہ کریگا اُسکو (ثم یعیدہ) (یعنی اوسکا اعادہ کریگا) تاکہ بدلا دیوے اُن لوگونکو جو ایمان لائے اور عمل صالح جنہون نے کیا قسط کے ساتھ اور جنہون نے کفر کیا اُنکے لئے گرم پانی کا پینا ہے اور عذاب دکھ دینے والا ہے بسبب اُنکے عمل کے۔

پس بداء اور اعادہ اسلئے ہے تاکہ قسط کے ساتھ نیکونکو جزا دیجاوے اور کفر کرنے والونکو بسبب اُنکے عمل کے سزا اللہ مدبر الامر ورب ہے اُسی کیطرف مرجع ہے اُسکا وعدہ بھی حق ہے سو اُسی کی عبادت کرو تاکہ اُسکے وسیلہ سے ایمان و عمل صالح ہو ان آیات و اُن سب مفہومات و بیانات پر خیال رکہنا چاہئے۔

سورہ بنی اسرائیل مین ہے جو آخرت پر ایمان نہین لاتے تیار کیا ہے ہم نے اُنکے لئے عذاب الیم۔ قیامت و آخرت و جزا و سزا وغیرہ پر ایمان اللہ تعالے کا جزو ایمان ہے یعنے عذاب و ثواب کا ملنا اور دوسری جگہہ ہے جو آخرت پر ایمان نہین لاتے وہ بسبب اعمال کے سرگردان ہین وہی وہ ہین جنکے لئے سوء العذاب ہے اور وہ آخرت مین بھی ٹوٹا مین ہین اور جو آخرت پر ایمان نہ لاوین اُنکے لئے دوسری آیت مین وعید سخت کی ہے آخرت پر ایمان لانا جزو ایمان خدا تعالے ہے کیونکہ جو آخرت پر ایمان نہ لاویگا وہ اللہ کو مالک یوم الدین جانیگا

سورہ حدید مین ہے کہ آخرت مین عذاب شدید ہے اور مغفرت اللہ کی طرف سے اور رضا مندی۔ قیامت مین کوئی نفس کسی نفس کا مالک نہ ہوگا اور مال اور لڑکے اور کوئی شے کسی شے مین نفع نہ پہونچا سکین گے سواے خدا تعالے کے کوئی نہین جانتا کہ قیامت کب آوے گی خدا تعالے نے خود فرمایا ہے کہ میں اُسکے تخفی رکہنا چاہتا ہون

اور یکایک آجائیگی سورہ واقعہ کے آیات کا خلاصہ یہ ہے اور وہ مصر ہوتے ہین گناہ عظیم پر
اور کہتے ہین کہ جب کہ ہم مرجاینگے اور مٹی اور ہڈی ہوجاوینگے آیا اُٹھائے جاوینگے
ہم یا ہمارے آبا تو کہدے پہلے او پچھلے البتہ اکٹھا کئے جاوینگے (میقات) روز معین کو اے ضالین
مکذبین ... ہمنے تمکو پیدا کیا تو کیون نہین سچ مانتے کیا دیکھتے ہو تم جو منی کہ ڈالتے ہو کیا تم
پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہین ہم نے ہی مقدر کی تمہارے درمیان موت کو اور ہم نہین ہیٹے
سے رُکے ہوئے اس سے کہ بدل دین تمہارے امثال کو اور اُٹھا دین تمکو اُسمین جسمین
تم نہین جانتے اور بیشک تمنے جان لیا ہے نشاۃ اول کو سو کیون نہین نصیحت حاصل کرتے
پس یوم الدین یعنے قیامت کے دن اولین اور آخرین کا حشر و نشر ہوگا اور وہ جمع کئے جاوینگے
اور جب نفخ فی الصور ہوگا تو جو موجود ہوگا وہ بھی جمع ہوجائیگا اللہ اُسکا وقت ظاہر نہین کریگا (لا یجلیہا) انتہیٰ
سورہ عنکبوت مین ہے کہ جن لوگون نے آیت اللہ کو کے ساتھ اور اُسکے لقا کے
ساتھ کفر کیا وہی مایوس ہوئے میری رحمت سے اور اُنہین کے لئے عذاب الیم ہے
پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ لقا رب کے انکار سے اللہ کی رحمت سے مایوس
ہونا ہے یعنے آخرت کے اعتقاد نہ لانے سے لہذا وہ سبب عذاب الیم کا ہوتا ہے کیونکہ عمل
صالح مایوسی مذکور و انکار لقا رب کی وجہ سے نہین ہوسکتا۔

سورہ مرسلات مین ہے اور کیا جانا تو نے کیا ہے دن فیصلے کا (یوم الدین) سو
وائے ہے اُسدن جھٹلانے والون کے لئے یہ دن فیصلے کے کرنے کا ہے تم لوگون کو
اور پہلون کو ہم جمع کرینگے۔

سورہ نور مین ہے۔ مرد ہین کہ غافل نہین کرتی اُنکو تجارت اور نہ بیع اللہ کی یاد سے
اور قایم کرتے ہین نماز اور دیتے ہین زکوۃ ڈرتے ہین اُسدن سے جسمین پھر جاوینگے

قلوب اور آنکھین تاکہ بدلا دے اللہ اُن لوگون کو اُنکے احسن عمل کا اور زیادہ دے اُن لوگون کو اپنے فضل سے اور اللہ جسکو چاہیگا بغیر حساب کے دیگا پس جزا اگر خدا چاہیگا بغیر حساب کے دیگا لیکن سزا پورے حساب سے دیجاویگی جیسا کہ دوسرے آیات مین ہے

عذاب و ثواب کے نسبت بیان قرآن بطور مثال کے ہے تاکہ نعمتون اور آلام کا تصور انسان کو ہو سکے اور مثال سے خیال ہو سکے پس زیادہ سے زیادہ اُس قسم کی تکالیف و رنج ہونگے اور زیادہ سے زیادہ اُس قسم کی نعمتین و راحتین ہونگی چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے سو نہین جانتا کوئی نفس جو چھپا دیا ہے ہمنے اُنکے لئے آنکھون کے ٹھنڈک مین سے بدلا اُسکا جو وہ کرتے ہین اور فرمایا اُسمین وہ چیز ہے جسکو نفس چاہے اور جو لذت دے آنکھون کو اور سورۂ رعد مین فرمایا کہ مثل اُس جنت کے جو وعدہ کی گئی ہے متقین کے لئے جاری ہین اُسکے نیچے نہرین اُسکا میوہ دایم ہے اور اُسکا سایہ - یہ آخر اُن لوگونکا ہے جو متقی ہین اور آخر کافرین کا نار ہے -

معاد کے متعلق یہ مسئلہ معرکۃ الآرا و پیچیدہ ہے کہ ہڈی بعد مرنے کے جب گل گئین اور کھو کھری ہو گئین اور چور چور ہو کر مٹی مین مل گئین تو قیامت کے دن جبکہ اولین و آخرین جمع ہون گے تو اُنمین کس طرح جان آویگی اور کس طرح وہ درست ہونگی - جس خوبی سے یہ پیچیدہ و مشکل مسئلہ قرآن مین حل کیا گیا اور سلجھایا گیا ہے وہ قابل یادرکھنے و داد دینے کے ہے اور چونکہ اسی پر اسکا فیصلہ بھی ہے کہ معاد روحانی ہوگا یا جسمانی یا جسم و روح دونون کے ساتھ اور عذاب و ثواب کس پر ہوگا اس لئے اس مسئلہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے قرآن مین یہ بحث کہ عذاب و ثواب کس پر ہوگا نہین اُٹھائی گئی ہے اور قصداً مذہبی بحث کے تحت مین اوسکو نہین لایا گیا ہے کیونکہ اوسکے بحث کے وقت روح و جسم کی حقیقت و اصلیت پر بھی بحث آپڑتی اور جو تعلق بدن کے

ساتھ جسم کو ہے اوسکا بھی فیصلہ کرتا ہوتا جسکا سمجھنا فطرت انسانی سے مافوق ہے اور مذہبی
حیثیت سے اُن پر بحث مفید نہین صرف اپنی ذات کا یقین کافی ہے اور خود اپنے ذات سے
زیادہ بدیہی اور کوئی شے نہین اور ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُوسکے جسم پر ایک دوسری چیز
بھی حکومت کرتی ہے جسکو وہ اپنی ذات کہتا ہے اگرچہ وہ اپنے جسم اور ذات کی حقیقت
و اصلیت نہین جان سکتا تاہم اپنے مین ان دونون چیزون کے ہونیکا یقین کرتا ہے
یا اُنمین باہمی تعلق سمجھتا ہے —

سورہ یٰسٓ ۳ مین ہے کیا دیکھا نہین آدمی کو کہ ہم نے اوسکو پیدا کیا ایک نطفہ سے سو اب
وہ ہو گیا جھگڑنے والا اور ہم پر مثل کہتا ہے اور بھول گیا اپنے خلق کو کہنے لگا کون زندہ کریگا
ہڈیون کو حالانکہ وہ گل گئی ہونگی تو کہہ زندہ کریگا اوسکو وہ جسنے بنایا اونکو اول بار حالانکہ وہ
ہر قسم کا بنانا جانتا ہے جسنے ٹھرایا تمہارے لئے سبز درخت سے آگ سو اب تم اُس سے
سلگاتے ہو کیا نہین ہے وہ قادر اُسپر جس نے پیدا کیا آسمانون اور زمین کو کہ پیدا کرے مثل
اوسکے ہان حال یہ ہے کہ وہ پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے سوا اسکے نہین کہ اوسکا امر جب
ارادہ کرے کسی شے کا (چاہی ہوئی چیز کا) یہ ہے کہ کہدے ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے سو پاک ہے
وہ جس کے ہاتھ مین حکومت ہر شے کی ہے اور اُسیکے طرف تم لوگ پھر جاؤگے۔ پس ان آیات مین
پہلے نطفہ پیدا ہونے کا ذکر کیا تاکہ اشارہ ہو کہ روح مادی نہین ہے لیکن نطفہ کے ذریعہ سے
جو بدن ہوتا ہے اوسمین وہ شامل ہوتی ہے اور نطفہ کے ذریعہ سے انسان جیسے مخلوق کا وجود عجیب
ہے اس سے کہ ہڈی جو چور ہو گئی ہون جمع ہو جاوین۔ پھر فرمایا کہ جس نے اول بار بنایا وہ
زندہ کریگا وہ ہر قسم کے خلق پر علیم ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ پہلے بار خلق کیسے اور کس طرح
ہوا بلکہ ہر قسم کے خلق کرنے کو وہ جانتا ہے پس یہ جواب دیا کہ بحیثیت قدرت اعتراض نہین ہو سکتا

پہر فرمایا کہ سبز درخت سے آگ اوس نے بنایا یعنی سبز درخت سے آگ نکلنا اس سے زیادہ عجیب ہے
کہ ہڈیون کا چورہ جمع ہو جاوے اور پہر ترقی کر کے فرمایا کہ اوس سے بہی عجیب بحیثیت مجموعی
آسمانون و زمین کا خلق ہے تو کیا ایسا خالق ایسی قدرت نہین رکہتا ان ابلغ دلایل کے
بعد اور صاف کر دیا کہ۔ اللہ جب کسی چیز کو چاہتا ہے یعنی اُسکا ہونا چاہتا ہے تو سوا اسکے
نہین کہ اوسکا امر یہی ہے کہ کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے یعنی کسی شے کے وجود کے لئے اللہ
تعالے کا اوسکے ہو جانے کا حکم دینا اوسکے ہو جانے کے لئے کافی ہے بعد اوسکے حکم کے کوئی
حالت منتظرہ باقی نہین رہتی اور کسی دوسرے چیز کی اوسکے وجود مین آنے کی غرض کے لئے ضرورت
نہین ہوتی اللہ محتاج اسکا نہین کہ اوسکے حکم کے لئے جو کسی شے کے وجود مین آنے کے لئے
ہو مادی اشیاء کا وجود ہو تب وہ شے وجود پذیر ہو اُسکے مخلوق اشیاء مین علت مادی کی ضرورت
ہی نہین مگر اوسمین جسمین اُسنے خود علت مادی کو علت قرار دی ہو۔ پس پوری گتھی کہلگئی کہ جو ردد
گلی ہوئی اور کہوکہری اور مٹی مین ملی ہوئی ہڈیون کے جمع ہونیمین قیامت کے دن صرف اللہ کے
امر کی ضرورت ہوگی اور کسی دوسرے علت جمع کرنے والیکی ضرورت نہین ہے اور جبکہ جسطرح پہلے اللہ نے
پیدا کیا تہا اوسکے مثل وہ پیدا کر سکتا ہے تو اعتراض صحیح نہین ہوتا کیونکہ پہلے بہی اوسکے حکم کر
اشیاء پیدا ہوئین اور اب بہی کُن سے جمع یا پیدا ہو جاوینگی۔ پہر فرمایا کہ پاک ہے وہ جسکے ہاتہہ مین
حکومت ہر شے کی ہے اور جسکے طرف تملوگ پہر جاوگے اس سے یہ بہی ظاہر کر دیا کہ جبکہ حکومت اللہ ہی کے
ہاتہہ مین ہے تو وہ اسکی بہی رعایت رکہتا ہوگا کہ ہڈیان جمع ہو جاوین بشرطیکہ سلسلہ علت و معلول کا
تابع اوسنے اُنکو کیا ہو انسان کو کیا معلوم ہے کہ جسکے ہاتہہ مین حکومت ہر شے کی ہے اُسنے یہ حکمت
بہی رکہی ہین یا نہین کہ قیامت کے دن ہڈیان اپنی اصلی حالت پر آجاوین اور اکٹہا ہو جاوین یہ باتین
سمجہانے و مطمئن کرنے اور بحث کو کم کر دینے کے لئے اللہ تعالی نے بیان کی ورنہ سیدہا جواب تو یہ ہے

کہ کن سے ہر شئے ہوجاتی ہے کسی چیز کی ضرورت نہین رہتی پہر کن سے وہ جمع ہوجاوینگی شک کرنا غلط جہگڑا کرنا ہے۔

اعادہ کے تسلیم کے ساتھہ ہی یہ بہی مسلم ہوجاتا ہے کہ جیسے مرے اگر ویسے ہی زندہ ہوئے تو جس حالت مین زندگی ہوگی اوسی پر عذاب یا ثواب ہوگا اور اگر صرف روح جمع ہوئین تو انبین کو دوبارہ گلی ہوئی ہڈیون مین جان پہنچنے کے امکان کا ثبوت ہے اور چونکہ خداے تعالی کی ذات و صفات کی اصلیت و حقیقت لامعلوم ہے اور اوسکی صفات زائد علی الذات نہین ہوسکتین لہذا کسی مادہ کی ضرورت اللہ تعالے کو کسی شئے کے وجود مین لانے کے لیے نہین ہے صفت علم ہے ہر شئے کے ظہور و وجود مین لانے کا سبب ہوسکتی ہے اور کن کہدینا اوسکے لئے کافی ہے

سورہ انبیا مین ہے کہ آسمان اور ارض لپیٹے ہوئے تہے سو کہولدیا ہم نے اُن دونون کو اور بنایا ہم نے پانی سے ہر زندہ شئے کو۔ جسدم ہم لپیٹ لیوینگے سمار کو جیسے لپیٹتے ہین طومار لکہے ہوئے کو جیسا سرے سے بنایا تہا ہمنے اول خلق کو ویسا ہی لوٹا وینگے ہم اُسکو وعدہ ہمارے اوپر (لازم) ہے ہمکو کرنا ہے۔ پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہا ہوا اور لپٹا ہوا طومار جسطرح کہولدیا جاتا ہے اور کہلتا چلا جاتا ہے اُسیطرح سے آفرینش کی ابتدا ہوئی اور ہوتی گئی اور جسطرح طومار مذکور لپیٹ لیا جاتا ہے اور جو کچہہ اُسکے اندر ہوتا ہے وہ سب لپیٹنے والے کے پاس جمع ہوجاتا ہے اُسیطرح قیامت کے دن سمار مثل سابق کے لپیٹ لیا جاویگا اور یہ اعادہ ہوگا پس سب جمع ہوجاوینگے اور جس حالت اور جس کسوبہ کیفیت کو لئے ہوئے روح انسانی بدن سے مفارقت کیا ہے یعنی مع نسمہ کے وہ اعادہ کے وقت ویسا ہی موجود ہوگی اور حشر کے لئے حاضر ہوجاویگی اور اور اللہ اسپر بہی قادر ہے کہ اشکال انسانی بدل دے لہذا زیادہ تفصیل نہ ہونا مصلحت و حکمت ہے

فلسفہ نبوت و رسالت بروے قرآن و فرق منذر و ہاد و فضیلت آنحضرتؐ

رب العالمین نے انبیا و مرسلین کو انسان کی ہدایت کے لئے اپنی رحمت سے جب جیسی ضرورت تھی مبعوث فرمایا کل انبیاء و رسل کے دین کے اصول متحد ہین اور روح ایک ہے انمین اختلاف نہین بلکہ انبیاء و رسل نے اپنے بعد کے انبیاء و رسل کی مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے خصوصاً آنحضرت کے نسبت چنانچہ حضرت عیسٰی نے بھی بشارت دی ہے یاتی من بعدی اسمہ احمد سورہ رعد مین ہے اور کافر کہتے ہین کہ تو مرسل نہین تو کہدے میرے اور تم لوگون کے درمیان اللہ کافی ہے گواہ اور وہ جسکے پاس کتاب کا علم ہے لہذا علم کتاب سے آنحضرت کا مرسل ہونا بہی ثابت ہوتا ہے۔ سورہ نساء مین ہے جو کفر کرتے ہین اللہ اور اُسکے رسولون کے ساتھ اور چاہتے ہین کہ فرق نکالین اللہ اور اُسکے رسولون کے درمیان اور کہتے ہین ایمان لاتے ہین ہم بعض پر اور کفر کرتے ہین ہم بعض کے ساتھ اور چاہتے ہین کہ ٹہیراوین اُسکے درمیان راہ وہی اصلی کافر ہین اور تیار کر رکھا ہے ہمنے کافرون کے لئے عذاب رسوا کرنیوالا سورہ انبیا مین ہے کوئی رسول ہمنے تیرے قبل نہین بہیجا مگر اُسکے طرف وحی کی گئی کہ لا الٰہ الا انا سو میری عبادت کرو۔ آنحضرت کی اور متعدد انبیا و رسل کے بعض صفات مخصوصہ کا قرآن مین بیان ہے سب کا اور اُنکے سب صفات کا بیان جنکی ضرورت نہین نہین کیا گیا ہے اور اتباع ملت ابرہیمی کا مومنین کو حکم ہے۔ اور سورہ نور مین ہے کہ رسول پر نہین مگر بلاغ مبین۔ بروے قرآن آنحضرت کافۃ الناس اور تمام انسانون کے لئے رسول کر کے بہیجے گئے تھے اور آپ شاہد و مبشر و داعی الی اللہ باذن اللہ و سراج منیر و نذیر و منذر ہین اور خاتم النبیین و رحمۃ للعالمین اور سلسلہ رسل مین سبسے آخر رسول ہین ایک سراج سے دوسرے سراج روشن ہوتے ہین اور آنحضرت سراج منیر یعنی سراج نوری تھے سورہ جمعہ مین ہے وہی اللہ وہ ہے جس نے مبعوث کیا ان پڑہون مین ایک رسول انہین مین کا

جو تلاوت کرتا ہے اُن لوگون پر اُسکی آیات کو اور مزکی کرتا ہے اُن لوگون کو اور سکہاتا ہے اُن لوگونکا
کتاب و حکمت (یعنی مزکی کرتا ہے مثال بنکر اپنی فیض صحبت و نصیحت سے یا بذریعہ تلاوت آیات اللہ
و تعلیم کتاب و حکمت) انپڑہون مین انہی مین کا یعنی انپڑہ پس یہ بلاغت و اشارہ قابل یاد ہے
کہ اللہ ایسا ہے کہ بے پڑہے شخص کے ذریعہ سے تلاوت آیات کراتا و کتاب و حکمت سکہلاتا و مزکی
انپڑہے لوگون کو کراتا ہے ۔ اور اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم مین آنحضرت کے نسبت فرمایا ہے کہ تو
خلق عظیم پر ہے اور قرآن کریم مین ہے کہ بیشک ہمنے بہیجا ہر امت مین رسول کہ عبادت کرو اللہ کی
اور اجتناب کرو طاغوت سے ۔ جو کسی کی طرف اللہ کے طرف سے رسالت کے طور پر بہیجے گئے
اُنکو رسول کہتے ہین اور جو بطور بشیر و نذیر کے مبعوث ہوئے وہ نبی کہے جاتے ہین پس بعض
رسول رسول اور نبی دونون تھے بعض صرف نبی تھے اور بعض صرف رسول اور بعض پر کتاب
یا صحف اللہ کے طرف سے نازل ہوئے بعض پر نہین نازل ہوئے صرف وحی ہوئے چنانچہ
قرآن مجید مین بعض کو رسول انبیا کہا ہے اور بعض کو صرف نبی اور بعض کو بطور رسول کے بہیجنا کہا ہے
سورہ مریم اور سورہ صافات اور سورہ اعراف اسکے لئے پڑہنا چاہئے ۔ سورہ بقر مین ہے اور اسیطرح
ٹہرایا ہم نے تم لوگون کو وسط امت تاکہ تم لوگ ہو آدمیون پر شہدا اور (یہ) رسول تملوگون پر شہید ہو
سورہ نسار مین ہے اور بہیجا ہم نے تجکو آدمیون کے لئے رسول کرکے اور کافی ہے اللہ کی
شہادت (وکفٰی باللہ شہیدا) سورہ رعد مین ہے اور کہتے ہین کافر کیون نہ اُتری اوسپر آیت اُسکے
رب کی طرف سے سوا اسکے نہین کہ تو منذر ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے ۔ جواب قابل خیال ہے
کہ تو منذر ہے پس منذر کا یہ کام نہین کہ ہر شخص کو آیت دکہلاتا پہرے یہ ہاد کا کام ہے جو ہر قوم
مین ہوتا ہے کہ اطمینان کردے کہ یہ آیت رب کی ہے منذر مرسل ہوتا ہے پس جسپر وہ بلاغ کرتا ہے
اوسکو ذمہ دار کردیتا ہے صرف بلاغ مبین منذر کا فرض ہے پس یہ نکتہ ہاد و منذر کے اعتبار کا قابل یاد ہے

سورہ ابراہیم مین ہے کہ نہین بہیجا ہم نے رسول مین سے مگر اُسکے قوم کے زبان مین تاکہ صاف ظاہر ہوجاوے اُن لوگون کو۔

سورہ یوسف و سورہ نحل و سورہ انبیا مین ہے اور نہین بہیجا ہم نے تیرے پہلے مگر مرد وحی کی ہم نے اون مردون کی طرف - پس عورتونپر وحی بطور رسول کے نہین ہوئی یعنی وہ رسول نہین ہوئین مرد ہی رسول ہوئے سورہ نسار مین ہے - رسلا مبشرین و منذرین تاکہ نہرہے آدمیون کے لئے حجت بعد رسولون کے اور اللہ عزیز حکیم ہے -

پس رسولون کا بہیجنا انسانونپر اتمام حجت کے لئے ہی ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کے ذمہ دار بوجہ آگاہ کردینے و یاد کرادینے کے ہوجاوین -

سورہ شوری کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دین مین حضرت نوحؑ کے وقت سے حضرت عیسیٰؑ کے وقت تک جن باتون کو اللہ نے مقرر کیا تھا اوسی کی وحی آنحضرت پر کی اور اُسکے بابت بعد مین اس آیت کے یہ ہے فلذالک فادع واستقم سو تو اوسی طرف بلا اور قایم رہ -

سورہ بقر مین ہے ایمان لایا (یہ) رسول اُسپر جو نازل ہوا اُسکی طرف اُسکے رب کی طرف سے اور مومنین ہر یک ایمان لائے اللہ پر اور اُسکے ملایکہ پر اور اُسکی کتابونپر اور اُسکے رسولونپر نہین جدائی ڈالتے ہین ہم درمیان کسی یک کے اُسکے رسولون مین سے - ہم نے وحی کی تیری طرف جیسا کہ وحی کی ہمنے نوح اور اُسکے بعد کے نبیون کی طرف اور وحی کی ہمنے ابراہیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و اُنکے اولاد و عیسیٰ و ایوب و یونس و ہرون کی طرف آلایہ -

سورہ بقر مین ہے اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیون کا کہ جو کچہ مین نے دیا تم لوگون کو کتاب اور حکمت سے پہر آوے تم لوگون کو کوئی یک رسول تصدیق کرنیوالا اُسکا جو تم لوگون کے ساتھ ہے تو البتہ ایمان لاؤ اُسپر اور البتہ مدد کرو اُسکی کہا اللہ نے کیا اقرار کیا تم لوگون نے اور ٹہرایا تم لوگون نے اُسپر

ہماری عہد پر اکیا اون لوگون نے اقرار کیا ہم لوگون نے کہا اللہ نے تو گواہ رہو اور مین تم لوگون کے ساتھ گواہون مین سے ہون سو جو پھر جاوے بعد اُسکے تو وہی فاسق ہین . . تو کہہ ایمان لائے ہم لوگ اللہ پر اور اُسپر جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُسکے اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیون کو اُنکے رب کی طرف سے ہنین جدائی ڈالتے ہین ہم درمیان مین کسی ایک کے اُنہین سے اور ہم اللہ کے لئے اسلام لانے والے ہین پس ان ایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جبکہ اسکی کہ اللہ نے انبیا کو کتاب و حکمت دی اُنسے یہ اقرار لیا اور اُنہون نے اللہ کے بہاری عہد کے ساتھ اقرار کیا اور اللہ بھی اُسکے ساتھ اُسپر شاہدون مین سے ہوا کہ کوئی ایک رسول آوے اور اون لوگونکے ساتھ جو کچھ ہے اُسکی تصدیق کرے تو وہ لوگ اُسپر ایمان لاوینگے اور اُسکی مدد کرینگے۔

دوسرے اللہ نے آنحضرت کو کہنے کا حکم دیا کہ جو نبیون پر اونکے رب کی طرف سے نازل ہوا اُسپر ہم لوگ ایمان لائے۔ پس ان آیات سے و نیز دیگر آیات قرآنی سے آنحضرت کا کل نبیونکے ساتھ جو کچھ ہے اُسکا مصدق ہونا ثابت ہے لہذا کل نبیونکو آنحضرت پر ایمان لانے اور آپکی مدد کا حکم ہوا اور اُن حضرات نے اقرار واثق کیا کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ کوئی ایک رسول ہر زمانے کے ہر نبی کے پاس آکر تصدیق اُنکے ساتھ جو ہے اُسکی کرے اور مدد دے بلکہ اس طرز بیان سے یہہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مقتضائے کتاب و حکمت جو نبیون کو دی گئی تہین یہ تھا کہ ایک آخر رسول پر کل تفاصیل کو وہ منحصر کرین جو اپنے ہدایات کے ذریعہ مصدق اُنکے بیانات کا ہو اور اسطرح اُسکے رسول ہوکر آنے پر ایمان لاکر اُسکی مدد کرین کہ اُسکے آنے کی پیشین گوئی اپنی امت سے کرتے رہین پس چونکہ اللہ نے اونپر یہ فرض کر دیا تھا لہذا یہ اُنکا اقرار واثق ہوا اور اللہ بوجہ حکم شاہد ہوا لہذا ایمان رسول ہونے پر ہوا نہ اُسکے ہدایات مابعد پر او غرض پیشین گوئی گزینکی ہوئی نہ مدد موجود ہوکر تصدیق موجود ہوکر کرینگی۔

سورہ صفت مین ہے اور بیشک ہوچکا ہمارا حکم (سبقت کلمتنا) واسطے ہمارے مرسلین بندونکے کہ وہ وہی مدد دئے گئے ہین (انھم لھم المنصورون) اور ہمارے جند وہی غالب ہین۔

ذیل کے امور آیات محکمات قرآن سے ثابت ہین

۱۔ جنکو کتاب دیگئی تھی اُنکو امر اللہ کا تھا کہ اللہ کی عبادت مخلصین لہ الدین حنفا ہو کر کرین اور اقامت صلوٰۃ اور اداے زکوٰۃ کرین یہ دین قیمہ ہے یعنی اُسمین ترقی واصلاح ووسعت تفقہ فی الدین اور جبتک مومن ہین طاقت واستطاعت ووسعت مکلف ہونے کی ہین تبتک ہر حالت مین جس طرح اور جس طریق سے ممکن ہو عبادت مذکورہ اداے زکوٰۃ واقامت صلوٰۃ چلتے ہوئے اور سواری پر اگر مقررہ طور پر نہ کر سکتے ہون کرین۔

۲۔ ہر رسول نے یہ کہا کہ مین اللہ کی طرف سے رسول ہون میری اطاعت کرو مین بلاغ مبین کرتا ہون اللہ واحد ہی کی عبادت و طاغوت سے اجتناب کرو ورنہ وہ عذاب دیگا۔

۳۔ ہر رسول اپنے نہ پیروی کرنے والون سے برہان اُنکا مانگتا تھا۔

۴۔ ہر رسول نے یہ کہا کہ میرے بعد یک رسول آویگا یہانتک کہ آخر رسول کے بعد رسالت ختم ہوجاویگی لیکن آنحضرت نے دعوی فرمایا کہ سب سے آخر رسول آپ ہی ہین۔

۵۔ کل رسولون اور نبیون کو اللہ نے وحی کی تھی کہ دین کو قایم کرو اور اُسمین متفرق نہو۔

۶۔ اکثر رسولون نے یہ تاکید کی کہ توبہ واستغفار کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

۷۔ تمام رسولون کو اللہ کا حکم تھا کہ طیبات کھا وین وعمل صالح کرین (مومنین)

حالات انبیا کی بابت الغایت ۱۲۱ صفحات سے چھپ چکے تھے وہ بھی یہان شامل کئے جاتے ہین

ابوالارتقاو ابن الارتقا یعنی رسول و نبی کے ورلیفارمر کے مابین امتیاز

انبیا و رسل ارتقاکے طریق بتانے والے اور ریفارمر اُسپر چلنے والے اور اُسکو ترقی دینے والے اور اُس سے مستفید ہونے والے ہوتے ہین پس اس اعتبار سے انبیا و رسل کو ابو الارتقا و ریفارمر و نکو ابن الارتقا کہنا زیبا ہے۔ تھیوری آف الویوشن یعنی مسئلہ ارتقا کے عاشق انبیا و رسل کو بہی اوسی قسم کا مصلح سمجھتے ہین جنکو دنیا کی وقتی ضرورتین ممتاز بناکر عمل کراتی ہین حالانکہ حق یہ ہے کہ دیگر انسانون تک خدائے تعالیٰ کی ہدایت و پیغام پہونچانے کا انبیا و رسل ذریعہ ہوتے ہین اور وحی سے مستفیض ہونے کی خاص قوت انبیا و رسل مین ہوتی ہے جو دیگر انسانو مین نہین ہوتی پس انبیا و رسل کی اصلاح و ہدایات بذریعہ وحی الٰہی ہوتی ہین نہ بذریعہ ارتقا و تابع ارتقا۔ انبیا و رسل کے کامیابی کے دیگر ذرایع ویسا ہی تابع ارتقا و تحت سلسلہ علت و معلول ہوتے ہین جس طرح دیگر انسانون کے پس عام اسباب کے سلسلے مین خلل نہین آتا۔ انبیا و رسل کے پیروان کے افعال بہی اُسیطرح تابع ارتقا و تجربات و سلسلہ علت و معلول و ہدایات و بیانات انبیا و رسل ہوتے ہین جسطرح دیگر انسانون کے لہذا پیروان مذکور بہی فرزندان ارتقا ہوتے ہین پس جو امتیاز ما بین انبیا و رسل کے و دیگر انسانون کے ہے اُس سے عاشقان الویوشن کو چشم پوشی زیبا نہین۔ ذرہ ذرہ اُسپر شاہد ہے کہ کس طرح یک چھوٹا بیج بہت بڑا درخت ہوجاتا ہے اور کس طرح یک قطرہ انسان کی شکل اختیار کرلیتا ہے اسمین شک نہین کہ ارتقا کے تحت مین عموماً کام ہورہا ہے اور یک نسل اور یک شخص کے تجربات دوسرے نسل و دوسرے اشخاص کو وراثتاً پہونچتے ہین اور وہ اوسپر اضافہ کرتے جاتے ہین اسی پر قیاس کیا جاتا ہے کہ انبیا و رسل بہی کسی انسان و تجربہ جات و بیانات سے مستفید ہوکر اُسپر مناسب ایزاد کردیتے ہین اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہین ارتقا کے لئے جدا وحی نہین ہوتی لیکن واقعات اسکے موید نہین و خلاف شہادت دیتے ہین۔ اور اگر اس قاعدہ کلیہ مین کسی وجود سے استثنا ہے تو انبیا و رسل کے وجود سے ہے کیونکہ وہ ارتقا کے فرزند نہین

بلکہ اُسلے آبا و اجداد مین سے ہین وہ پرانی صداقتون سے اُسی کو زندہ کرتے ہین جو مردہ ہو
ہوچکی ہوتی ہین وہ جسقدر ارتقا سے صداقتین ملتی ہین اُسکے علاوہ ضروری جدید صداقتونکو ظاہر کرتے اور
اور جسقدر ازدیاد کی ضرورت ہو اوسی قدر زیادہ کرتے ہین پس وہ تابع ارتقا کے نہین ہین البتہ اونکے متبعین
البتہ ارتقا سے متناسب ہوتے ہین مسئلہ ارتقا یعنی تھیوری آف الویوشن کے دلدادون کے لئے یہ امر واقعی قابل غور ہے
کہ انبیاء و رسل سے کس طرح غیر معمولی کام انجام پاکر عظیم انقلاب ہوجاتا ہے خصوصاً چھٹی ساتوین صدی
عیسوی کا تاریک زمانہ جس نے تمام فطرت انسانی کو پستی کے تہ مین پہونچا دیا تھا عرب جیسے تاریک
ترین سرزمین مین کس طرح کمال انسانی کے معراج پیدا کرنے کا زمانہ ہوگیا اور کس کی شخصیت نے
ایسا کایا پلٹ دیا اور آیا وہ شخصیت مثل دیگر انسانون کے ارتقا کے ذریعہ سے عمل کرتی اور دوسرے سے لیتی تھی
یا مبدا فیاض سے براہ راست بذریعہ وحی جو ملتا تھا وہ بیان کرتے تھے شدید ترین انبیاء و رسل سے
جو مخالفتین ہوتی ہین اُنکے مقابلے قابلیت و جرأت ہی کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ مافوق العادت
استقامت و عمل قوت کی لہذا اگر قابلیت و جرأت ہی کی بات ہوتی تو مسئلہ ارتقا کے ماتحت اُنکے
عمل سمجھے جاتے وتائید غیبی و فیض بخشی کا سبب نہ سمجھا جاتا لیکن شہادتین و واقعات اُسکے خلاف
ہین پس یہ کہنا کہ بیج مین آبیاری ہونے سے یہ مضبوطی آجاتی ہے چندان قرین قیاس نہین جو انقلابی
تحریک ارتقائی طور پر کامیاب ہوئی ہو اُسکو یاد رکھنا چاہیے کہ حمل مین زیادہ مدت درکار ہوتی ہے اور
یہ ارتقا کے کارنامونکا تمیزی نشان ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ خود ترقی کرتی ہے اور اُسکا مخالف سمت
و مخالف فریق رفتہ رفتہ کمزور ہوتا رہتا ہے جب وہ سرسبز ہوتی ہے آنحضرت کے بعثت سے ماقبل کوئی
خاص تحریک عرب یا دنیا مین بت پرستی کے خلاف پیدا ہوکر مضبوط نہین ہوگئی تھی نہ توحید کے حمایت
مین کوئی خاص خیالات بتدریج ترقی کرتے گئے تھے پس اُسکو ارتقا کا ماتحت کرنا ایک خاص قسم کا مغالطہ ہے
نہ شرک بالمقابل کمزور ہوا نہ توحید مضبوط ہوئی بلکہ جیون جیون آنحضرت کا زمانہ قریب ہوتا گیا توحید کا نقش

دہندلا اور شرک کا اور مبین ہوتا جاتا تھا۔ اگر آفتاب اسلام کے طلوع سے کچھ پہلے عرب مین توحید کی روشنی نے چمک دکھلائی تو وہ اُس روشنی کی طرح تھی جو شب دیجور کے خاتمہ پر صبح کاذب کے رنگ مین مطلع عالم پر پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسطرح صبح کاذب اصلی نہین اُسیطرح حال اُن معدودے چند موحدین کا تھا جو آنحضرت سے ایک نسل پہلے عرب مین ہوے۔ لہذا اسلامی توحید ارتقار کا نتیجہ نہین ہو سکتی ہے جسوقت ہم موجودہ آرام وآسایش کے زمانہ کا مقابلہ اُس خطرناک زمانہ سے کرتے ہین جو عربون جیسے خونخوار مطلق العنان اور خلیع اللجام قوم نے ملک عرب مین پیدا کر رکھا تھا تو ہمکو آسانی سے سمجھ مین آجاتا ہے کہ وہ عظیم الشان انسان کیسا جوہر استقامت اپنے اندر رکھتا تھا جسنے عرب جیسے ملک کو اپنے حیات ہی مین بالکل بت پرستی سے پاک کر دیا یہ شخصیت مستثنیٰ شخصیت تھی۔ نہایت خوبی سے قرآن حکیم مین اس دقیق نکتے کا بیان ہے سورہ کہف مین ہے تو کہدے کہ مین ایک بشر ہون تمہارے مانند سوا اسکے نہین کہ مجھپر وحی ہوئی ہے کہ تملوگونکا معبود واحد ہے سو جو رجا رکھتا ہو اپنے رب کے لقا کی تو چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت مین کسی ایک کو شریک نکرے پس نہایت خوبصورتی سے خلاصہ ہدایت اسلام جو ارتقائی نہین ہے بیان ہوا ہے کہ بذریعہ وحی کے یہ ہدایت ہے ورنہ اسکے سوا مین ایک آدمی تمہارے مثل ہون دوسرونکے تجربہ سے فایدہ اُٹھاتا ہون۔ سورہ ہود مین ہے اور سب بیان کرتے ہین ہم تجھپر رسولون کے احوال سے تا کہ ثابت کر دین اُسکے سبب سے تیرے دل کو اور آیا ہے تیرے پاس اس سورہ مین حق اور موعظ و یاد دہانی مومنین کے لیے پس اس آیت مین صاف بیان ہے کہ رسولون کے احوال اور اس سورہ مین امور مذکورہ خداکیطرف سے آنحضرت پر نازل ہوئے تاکہ آپکے دل کو ثابت رکھین خود دلکو یہ آنحضرت کے تعین تھے لہذا یہ دعویٰ ہے کہ کسی تجربہ وکسی دوسرے سے نہین لیا گیا۔ بلکہ بذریعہ وحی یہ ارتقائی قرآن سے یہ ثابت ہے کہ اختلاف ہونیکے قبل انبیا و رسل کے ذریعے سے صحف و کتب الہامی بھیجے گئے جس سے انبیا و رسل کا ارتقا کے ذریعے سے ہدایت نکرنا معلوم ہوتا ہے نیز قرآن مین یہ بھی ہے کہ یہ اخبار غیب جو تیری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجے گئے ہین تو اور تیری قوم اُس سے

ناواقف تھے۔ اور بعض امور کی نسبت ہے کہ تصدیق و تفصیل کتب سابقہ قرآن میں ہیں اور بعض امور کی نسبت ہے کہ تو اونکو پہلے نہیں جانتا تھا غیب کے امور تجہیر وحی کی گئیں لہذا بروے قرآن کے ملاحظہ ثابت ہے کہ آنحضرت ابوالارتقا تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ موجودہ حالت تھی اُسپر جو حیرت انگیز ترقی بذریعہ آنحضرت کے ہدایات کے ہوئی اُسی ترقی کو بذریعہ وحی کے سمجھنا چاہیے لیکن حق وہی ہے جو قرآن میں ہے کیونکہ واقعات اسکے موافق و موید ہیں۔ نبی و رسول کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ منجانب اللہ ہے لہذا اگر اپنے دعویٰ میں وہ کامیاب ہوا اور اُسکی ہدایات عام فہم و مفید و راحت رسان ہوئیں یا مصلحون اور حکیموں کے طرز بیان و بیان سے بہتر و فائق یعنی ملہمانہ طور کی ہوئیں تو اوسکے رسول منجانب اللہ ہوتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ شک کیا جاوے ورنہ کوئی معقول وجہ بھی نہیں کہ اوسکو سچا نہ سمجھا جاوے۔ پس کسی نبی یا رسول کے پہچاننے کی حیثیت تاریخی واقعہ ہونے کی حیثیت رکھتی ہے اور جس طرح کوئی مصلح کوئی مشہور بادشاہ کوئی خوش نصیب آدمی جانا جاتا ہے اُسی طرح اُسکی شناخت بھی ہو سکتی ہے۔ پس عملی مثال ہونے و کامیابی و ترقی دینے و میدان ترقی کے وسیع کرنے و راحت پہونچنے و اصلاح ہو جانے کو اگر معیار قرار دیکر دیکھیں تو آنحضرت کی شخصیت تمام دوسرے اشخاص سے بلند و روشن و نمایاں ہے اور آپکے رسول منجانب اللہ ہونیکو وہ ثابت کرتا ہے۔

پس انبیا و رسل میں حسب ذیل خصوصیات بھی ہونا چاہیئے۔

۱۔ زیست کے گانہ کے بہتر بنانے و راحت پہونچانے کے قوانین بتلاتا ہو۔

۲۔ عملی نمونہ پیش کرتا ہو اور خود بھی نمونہ و مثال ہو۔

۳۔ ایسے قوانین بتلاتا ہو جو میدان عمل وسیع کرنیوالے ہوں نہ تنگ کرنے والے۔

۴۔ فطرت انسانی کے مطابق صحیح نصب العین پیش کرتا ہو جو قانون فطرت کے مطابق و حوصلہ افزا ہو آئین فطرت و قوانین قدرت کے مخالف نہو۔ آنحضرت کے فضل کے لئے اسی اصلاح پر غور کرو کہ

بزمانہ بعثت آنحضرتؐ عرب جاہلیت میں ہر قبیلے کے جدا جدا سردار تھے اور وہ اس لئے مخصوصًا ہوتے تھے کہ دوسرے قبیلوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے سرداری میں اپنے قبیلے کو لیجاویں۔ ملک میں کل نظم و نسق نام کو بھی نہ تھا گویا گورنمنٹ اپنے حقیقی مفہوم میں مفقود تھی جو تلوار طاقت و راستبادی سے چلا سکتا تھا وہ حکومت بھی کرتا تھا مگر ہر قبیلہ ہر یک خاندان ہر فرد اپنے اپنے خود مختاری اور آزادی و غرض برآری کے لئے کوشان تھا اور جہانتک ہوسکتا تھا حکومت کو نہ مانتے تھے اوس وقت کے حالات کسی پولیٹیکل اتحاد و اتفاق کے سخت منافی تھے پس عرب بیشمار جماعتوں میں متفرق تھے اگرچہ اُنکی زبان اونکے رسوم و عادات اُنکی عزت اور اخلاق کا معیار یک ہی تھا مگر ہر یک جماعت یکدوسرے سے خود مختار و جدا تھی۔ اور اکثر ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے لڑتا رہتا تھا اور خون کے رشتے اور دیگر مصلحتوں کے وجہ سے اتحاد اور تعلقات یک نہایت ہی معمولی وجہ سے نفاق اور سخت دشمنی و خونریزی میں بھی بدل جاتی

اسلام کی برکت سے یہ حالت کا کایا پلٹ گیا اور پولیٹیکل اتحاد و اتفاق ہی نہیں بلکہ قومی اتحاد و اتفاق مومنین میں ہوگیا اور اون مختلف قبیلوں میں بھی جنکے آبا و اجداد اور خود انمیں ہمیشہ لڑائی چلی آتی تھی اور یکدوسرے کے جانی دشمن تھے اور اب یکدوسرے پر جان نثار کرنے کو بمقابلہ غیر قوم کے تیار ہوگئے چنانچہ سورہ آل عمران کی ان آیات سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اعتصام کرو اے مومنو اللہ کے رسی کے ساتھ سب کے سب اور متفرق نہو اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو جب تم یکدوسرے کے دشمن تھے سو اللہ نے تملوگوں کے دلوں میں الفت ڈالدی تو تم بسبب اُسکے نعمت کے بھائی ہوگئے اور تم تھے کنارہ پر نار کے گڑھے کے سو خلاص کیا تملوگونکو اُس سے اسیطرح بیان کرتا ہے اللہ تملوگوں کے لئے اپنی آیات کو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اور چاہیئے کہ تم میں یک گروہ ہو کہ دعوت الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے اور وہی فلاح پانے والے ہیں اور نہو اونکے مثل جو مختلف و متفرق ہوگئے بعد بینات کے پانے کے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی کس دین کے لئے ہے اور کس دین کے لئے اوسنے اپنی مرضی ظاہر کی ہے کہ انسان اسپر ایمان لاکر عمل کرے۔

سورہ مایدہ مین ہے آج مین نے کامل کردیا تم لوگون کے لئے تم لوگون کے دین کو اور تمام کردیا مین نے تم لوگون پر اپنی نعمت کو اور راضی ہوا مین تم لوگون کے لئے اسلام کے دین ہونے کو سو جو مضطر ہو مخمصہ مین نہ جھکنے والا ہو اثم کے طرف تو اللہ غفور الرحیم ہے۔ پس ان آیات سے دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مومنین کے لئے کامل دین ہونا اور اللہ کا اپنی نعمت کو پورا کردینا اور اللہ کا دین اسلام رکھنے کے لئے مومنین کے واسطے راضی ہونا ثابت ہوتا ہے اور جبکہ دین کامل اور نعمت پوری ہوگئی تو سب سے آخر دین امت محمدیہ کا دین ہوا اور جبکہ اللہ اوسپر رضامند ہوگیا اور مرضی ظاہر کردیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللہ کی مرضی دین مذکور کے لئے ہے کہ مومنین اوسکو اختیار کرین۔ اور سورہ زمر مین ہے اور اگر تم لوگ کفر کرو تو اللہ غنی ہے تم لوگون سے اور نہین راضی اپنے بندے کے لئے کفر کا اور اگر شکر تم لوگ کرو وہ راضی ہے تم لوگون کے واسطے اور نہ اوٹھاویگا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا تم لوگون کے رب کے طرف تمھارا مرجع ہوگا تو آگاہ کریگا وہ تم لوگون کو تمھارے عمل سے وہ علیم ہے جیبون مین جو ہے اوسکا۔ پس ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ اپنے بندون کے کفر سے ناراض اور شکر سے راضی ہے اور کوئی کسی کے کام نہ آویگا قیامت کے دن اللہ عمل سے آگاہ کریگا وہ دلون کا حال جانتا ہے۔ سورہ فتح مین ہے وہی وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ غالب ہوجاوے وہ کل دین پر اور کافی ہے اللہ شہادت دینے کو۔ پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اللہ نے اس لئے بھیجا کہ تمام ادیان پر دین محمدی غالب ہوجاوے لہذا مرضی خدائے تعالیٰ کی اس دین کے اختیار کرنیکی ثابت ہوتی ہے تاکہ غالب ہوجاوین

قرآن مجید مین یہ دعویٰ ہے کہ اس دنیا کو اللہ تعالےٰ نے اپنے علم و حکمت و قدرت سے خلق کیا اور ہر شئے کے لئے ایک قدر معین کردیا۔ لہٰذا جس معلول کے عوامل علل ہو کر اور عمل کر کے وجود یا ظہور کا سبب ہون وہ بعلم و حکمت خداوندی ہے پس اگر کوئی اہم و قابل امتیاز و افتخار واقعہ ہوا اور اُسکے اسباب وجود یا ظہور نفس و خصوصیات خاص اہم رکھتے ہون تو اُسکی نسبت اور اُنکے اسباب و علل کی نسبت یہ سمجھنا لازم ہے کہ حکمت و حکم خداوندی سے موزونیت و تناسب اُنمین ہوا ہے اتفاقیہ نہین ہوا بلکہ اُن اسباب و علل کا انتخاب و اجتماع قدرت نے بالقصد کیا تاکہ اُنکو اور اُنکے معلول کو فضل و امتیاز بخشے اسی معیار سے دین محمدی علے صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے اسباب کامیابی و عالمگیر ہوجانے مین جو خصوصیات ہین اُنمین سے بعض کو مختصراً ہم دکھلاتے ہین۔

۱۔ خصوصیت زمانی۔ ایسے زمانے مین آنحضرت مبعوث ہوئے کہ دنیا کے رہنے والونکی آمد و رفت کے سلسلے مین نہ شدید ترین دشواری تھی اور نہ بہت ہی آسانی ہر قسم کے خیالات مذہبی و عقلی و فلسفی کا شیوع ہوچکا اور مکمل ہدایت کے قبول کرنے کی استعداد کا زمانہ آگیا تھا اور اُسکی قابلیت لوگون مین آچکی اور دنیا اوسط درجہ پر تمدن اور عقل سے بارآور ہوچکے تھے اور انسانی تمدن حصول ترقی کے لئے مستعد تھا اور بہترین القرون کے مثال و مطمح نظر قرار پانے کا زمانہ آگیا تھا تاکہ آپکے اسوہ حسنہ کی پیروی کی جاوے اور عمدہ و اکمل و افضل ترین نصب العین کو مد نظر بنایا جاوے اور اعلیٰ سے اعلیٰ تہذیب و تمدن کا دور شروع ہو تاکہ رفتہ رفتہ اور اعلیٰ ہوجاوے پس باعتبار اسکے کہ جس ترقی و تہذیب و تمدن کے آنے کی آیندہ توقع ہے اگرچہ وہ زمانہ کمتر تھا لیکن اس اعتبار سے کہ بہترین تخم زمانہ آیندہ کے لئے ڈالے جائین بہت ہی موزون وقت تھا پس وسط کا زمانہ جیسا اسکو زیبا ہے ایسے اکمل رسول کی ضرورت تھی جو اللہ تعالےٰ کے پیام کو جو تمام انسانونکے فہم کے لایق ہو بذریعہ وحی کے حاصل کرکے بلاغ مبین کرے اور خود اسکا عملی نمونہ ہو کر

دکھلادیوے۔

۴۔ خصوصیت سکانی۔ دنیا کے حالات اس درجہ پر آگئے تھے کہ انسانی سوسایٹی کے مختلف اجزا جو کہ قدرتی اور مصنوعی حدود کے وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تھے باہم قریب ہونے اور ایک مجموعی شکل اختیار کرنے لگین یعنی مختلف اقوام اور مختلف حیثیتون و مراتب کے لوگ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور قریب ہونے لگے تھے لہذا اس موقع پر مختلف اقوام کو مختلف قسم کی مذہبی تعلیم دینا اختلاف نزاع کا دروازہ کھولتا تھا اس لئے حکمت بالغہ کا مقتضا مقتضائی زمانہ کا لحاظ رکھکر یہ ہوا کہ نبی آخرالزمان کو ایسے ملک مین مبعوث فرمایا جو تمام معلومہ دنیا کے مرکز مین تھا عرب مین آمدورفت دوسرے ملک والون کی ہوگئی تھی اور عربون کی آمدورفت بھی دور دراز ملکون مین شروع ہوگئی تھی تمام دنیا کے رہنے والے عرب مین آسکتے تھے۔ عام طور سے مقام کا غیر ذی زرع ہونا بہتر تھا تاکہ دیگر اقوام کے دست برد و غلامی سے وہان کی رہنے والی قوم محفوظ رہے اور دوسری قوم اسپر دندان آز دراز نکرے عرب ہی کی قوم بحیثیت قوم وہی قوم ہے جو تمام دنیا مین دوسری قوم کے حلقہ غلامی و مفتوح ہونے سے محفوظ رہی تھی اور بدویانہ حالت مین زندگی بسر کررہی تھی جس کا اثر سادگی اور انتقال مکان اور کسی خاص رہنے کی جگہ سے مخصوصًا محبت اور الفت نہین رکھتا تھا پس جہان مین جہان عربون کے لئے سامان مہیا ہوتا وہین انکا مکان تھا کچھ حصہ ملک کا سبز و شاداب اس لئے تھا کہ تمدنی حیثیت و ترقی سے بھی بالکل وہان کے باشندے محروم نہ رہین خصوصیت مکہ کی بھی تھی جو سب سے پہلا مکان خدا تعالے کے عبادت ہی کے لئے بنایا گیا تھا اور جسکی بنا حضرت ابراہیم نے رکھا تھا اور حج کے انتظام اور قربانی کے مقام کے لئے بلحاظ امور مذکورہ دوسرے وجوہ کے اس سے بہتر مقام نہین ہوسکتا تھا۔ عرب کے تین طرف

مین سمندر کا ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ وہان سے لوگ دوسرے ملکون مین بآسانی سفر کرسکتے تھے۔ اور دوسرے ملک کے لوگ بآسانی حج کرسکتے اور انکے کاروبار تجارت مین شرکت کرسکتے تھے۔

سو۔ خصوصیت اخلاقی۔ عرب کی ساد گی انکی سپاہیانہ وشجاعانہ طبیعت وعادت و زندگی اُنکی دیانت وامانت اور خاص قسم کی رحمت و ہمدردی و استقامت و ثبات و صبر و نفس پر قابو رکھنا اور مہمان نوازی و تیراندازی و استعمال اسلحہ ایسی خصوصیات تھین جن مین بہ نسبت تمام دنیا کے عرب امتیاز رکھتے تھے۔ محکومی و غلامی سے آزاد ہونے کی خواہش کی خصوصیت جو ایک طرح عربون کی طبعی خصوصیت ہے اور جسکو حقیقت مین اصلی قوت کہنا چاہیئے جسکی وجہ سے ہی اُنکے گلے مین جوا نہین پڑا تھا و داغ غلامی سے آزاد ہی بھی موجود تھی جو تمام دنیا کے کسی قوم مین نہین تھی خاص برائیون مثل جنگ جوئی قتل و غارت و شراب خواری و قماربازی و فحش و مفروریہ تھے سب سے زیادہ بدتر حالت مین تھے پس ضروری تھا اور ضرورت تھی کہ جبیسے جلد تکمیل کے لئے آفتاب ہدایت کا طلوع ہو اور بذریعہ اصلاح کے اسکے برائیون کا رخ عمل صالح و تقوی و صلوٰۃ کے ساتھ پھیر دیا جاوے تاکہ خصایل مذکور فضایل کے لئے بہترین قوت بنجاوین اور بجاے اسکے کہ ہر قبیلہ باہم لڑتا رہے سب مین پولٹیکل اتحاد و موالنست قایم ہوجاوے اور یہ اعجاز دکھلا دیا جاوے۔

۴۔ خصوصیت لسانی۔ چونکہ قرآن مجید و فرقان حمید کا نازل ہونا لازمی تھا جو ہر زمانہ کے لئے رحمت وہدایت کا ذریعہ اور اشاعت اسلام کا وسیلہ ہو اور کل کلام اللہ کا وحی متلو کے طور پر نازل ہونا نہایت ضروری تھا اور چونکہ اوس وقت تک ایسی کوئی الہامی کتاب موجود نہ تھی لہذا قرآن کا ایسے قوم کے زبان مین نازل ہونا لازمی تھا جسکی زبان خاص طور سے وسیع اور مکمل

د قابل استدلال ہوا ور اُس زبان مین ایسے مادے ہون کہ اُنکے اشتقاق سے ہر قسم کے مطالب محکم و متشابہ ادا ہو سکین اور دنیا مین عرب ہی ایسا ملک تھا کہ جسکی زبان اسکی مستحق تھی وہان زبان سب سے زیادہ مہتم بالشان و موثر چیز تھی اور فصاحت و بلاغت سے زیادہ کوئی وہان ہتھیار کارگر نہ تھا اور باشندگان عرب کو اپنی زبان سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور مفتخر نہ تھی اور چونکہ عربی زبان مادہ سے مشتق ہوتی ہے لہذا اگر مادہ کا لحاظ رہے تو زبان مذکور مین تغیر نہین ہو سکتا خصوصاً ایسا تغیر کہ مادے کے برخلاف لفظ کے معنی ہو جاوین نہین ہو سکتا اور بوجہ مادہ کے اشتقاق کے معنی پر اُسکے الفاظ خود ہی دلالت کرتے ہین اور ادنیٰ تامل سے اُس مادہ سے اُنکا مشتق ہونا اور یہ کہ باعتبار معنون کے کس قدر وسعت اونکے معنون مین ہو سکتی ہے معلوم ہو جاتا ہے پس وسیع معنون مین اُنکو استعمال کر سکتے ہین لہذا قرآن کا عربی زبان مین نازل ہونا اور معجز ہونا مقتضاے حکمت بالغہ و قدرت کاملہ کا لازم ہو گیا تھا کیونکہ ایسی شان کی زبان جہان مین کوئی دوسری نہین تھی۔

۵۔ خصوصیت قومی و عشرتی۔ عرب جس بات پر جسکے ہاتھ بیعت کر لیتے یا کسی کو اپنے حفاظت مین لے لیتے تھے تو خواہ جان و مال و اولاد و آبرو و عزیز ترین چیزون کا نقصان ہو اُسکا ساتھ نہین چھوڑتے تھے اور اُسکی مدد تا بہ امکان کرتے تھے اور حفاظت سے دست بردار نہوتے تھے اپنے شیخ کے حکم اور فرمانبرداری سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرتے اور وعدہ کے بعد دغا نہین کرتے تھے اور جنگ جوئی اور زبان آوری اُنکی مخصوص ترین خصوصیات و عادات مین سے تھی اور دوسرے قبیلہ کا جسکے کسی قبیلے کے لوگ حریف ہوتے تھے اگر نقصان یا خون یک شخص کا ہو تو اوسکے نقصان کرنے والے یا خون کرنے والے قبیلہ سے جنگ بھی چھڑ جاتی تھی اور اُسکی وجہ سے قبیلون مین لڑائی ٹھن جاتی تھی لیکن وہ اُن رسوم مین جو لڑائی اور اُسکے متعلقات

اور اُسکے جاری رہنے یا رکھنے کے لئے اُسمین تھین اُسکے عرب سخت ترین پابندی کرتے تھے مثلاً کسی کو مار ڈالنا چاہتے تھے تو اوسکے گھر کے اندر گھس کر نہین مارتے تھے اور اسی قسم کے بہت سے رسوم اُنمین تھے اس قسم کی رسوم اشاعت اسلام و آنحضرت کے حفاظت و کامیابی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئین اس اعتبار سے بھی اسلام کی اشاعت مین نسبتاً آسانی تھی مثلاً جس رات کو آنحضرت نے ہجرت فرمائی قریش آپکے مکان کا محاصرہ اس غرض سے کئے ہوئے تھے کہ آپکو قتل کرین مگر چونکہ گھر مین گھسکر مار ڈالنا اُنکے رسم کے خلاف تھا لہذا گھر مین نہین گھسے تھے اسی طرح حضرت ابوبکر اور آنحضرت کے ازواج و گھر والونکو بعد ہجرت نبوی و حضرت ابوبکر کے اُنہون نے قید و قتل نہین کیا کیونکہ اُنکے رسوم کے خلاف تھا اور اُس سے قبایل مین باہم لڑائی ہوجاتی بغیر کل قبایل کے مشورہ و شرکت کے باعتبار اپنے رسوم کے ایسا نہین کرسکتے تھے حضرت علی کو جو شب ہجرت آنحضرت کے بستر پر تھے باوجود گرفتار کر لینے کے بعد آنحضرت کے ہجرت کے اُنہون نے قتل نہین کیا اور نہ گھر بار مہاجرین کا لوٹا پس یہ سب امور آنحضرت کے ہجرت کے لئے مفید ثابت ہوئے اور جب تک آنحضرت غار مین ہجرت کرنے کے زمانے مین پوشیدہ رہے حضرت ابوبکر کے گھر سے کھانا پہونچتا رہا اور حضرت ابوبکر کی بکریون کا دودھ ملتا رہا اور عبداللہ ابن ابوبکر خبر پہونچاتے رہے اگر دوسری قومون مین اس حالت تک معاملہ پہونچتا تو وہ گھر بار کو غارت کر دیتے اور جملہ متوسلان کو قید کر کے وسایل مذکور کو برباد کر دیتے کسی کو محفوظ نہ رکھتے کہ وہ آنحضرت سے مل سکتا اور مدد پہونچا سکتا اور جس سے اندیشہ و احتمال ہوتا سب کو مقید کر لیتے۔

اہم خصوصیات کو ہم نے بیان کر دیا اُنکے تابع دیگر خصوصیات آجاتی ہین اور جو نہین آئین ان خصوصیات سے اُنپر قیاس کر سکتے ہین۔

خصوصیات مذکورکا اجتماع اگر محض حسن اتفاق سے ہوتا تو سبب کا اس حسن و انتظام سے اجتماع ہوتا - اور مذہب اسلام کی اہمیت و شرافت بھی اجتماع مذکور کے اسباب ہونے اور بذریعہ وحی الٰہی کے ارتقاء فضل و عزت ہو کے ہونیکے اہل مین ثابت ہوتے ہین - سورہ بقر مین یہ امر نہایت خوبی سے بیان ہے اور اسی طرح ہم نے ٹھرایا تم لوگون کو وسط کی امت تاکہ تم لوگ ہوجاؤ گواہ لوگون پر (علی الناس) اور ہوجاوے رسول تم لوگون پر گواہ -

پس تصدیق کی گئی ہے کہ امت محمدیہ بلحاظ اپنے خصوصیات کے وسط کی امت قرار دی گئی ہے تاکہ کافۃ الناس کے لئے سبب شہادت یعنی ہدایت و رحمت ہو -

بیان صحابہ کبار بنسبت خلق محمدی رفتار و کردار و گفتار مجلس و غیر مجلس مین

خلق محمدی ایسا لفظ ہے کہ بہترین بزرگون کے عادات و اخلاق و اطوار و شمایل کے اظہار کے لئے مشبہ بہ بن گیا ہے - آنحضرت نے مظلومی بیچارگی اور قوت و سطوت و تنگی و فراخی و رنج و راحت سب حالتون مین سادگی و قسط و عدل کے ساتھ تناسب احسن اعمال کئے لہذا آپکی زندگانی ہر طبقہ انسانی فردی و جماعتی کے لئے اسوہ حسنہ و بہترین عملی مثال و نمونہ نظیر ہو سکتی ہے شوہر - باپ - پڑوسی - دوست حاکم اور امام کی حیثیت سے اپنے زمانے اور آنے والے زمانے کے لئے بہتر سے بہتر نصب العین بنانے کے واسطے آنحضرت کے احوال و افعال زندگانی دیگر انسانونکے نسبت احسن و بحیثیت فرد کامل ہونے بجہت وسعت و تفصیل کے سب سے زیادہ روشن ہے اللہ نے بھی آپکے خلق کو سورہ نون و القلم مین عظیم فرماکر اجر غیر ممنون کے دینے کا آپکو وعدہ فرمایا ہے - سورہ آل عمران مین ہے کہ اگر تو درشت خو غلیظ القلب ہوتا تو تیرے گرد سے بھاگ جاتے بسبب اللہ کے رحمت کے آپکے لئے تو نرم ہوا - احادیث و سیرت نبوی کا لکھنا اس کتاب کے موضوع مین داخل نہین خصوصاً جبکہ حضرت عایشہ کے اس قول سے مجھکو پورا اتفاق ہے کہ خلق آنحضرت کا قرآن تھا لیکن وضاحت

لکانی کو ترک کردینا ہے اگر کچھہ نہ لکھا جاوے کہ صحابہ نے خُلق محمدی کی کیا تصویر کھینچی ہے اور قرآن کے
اخلاق کی پابندی آنحضرت کی ثابت کی ہے کہ آپکا قرآن کے مطابق عمل تھا۔ ہر واقعات کا لکھنا
اور بھی طوالت ہے۔ لہذا حضرت علی نے حضرت حسین کے دریافت پر فرمایا ہے شمایل ترمذی اور صحیح
بخاری کے ایک روایت کو مین نے اسکے لئے یہان لکھدینا مناسب سمجھا جس سے باز نہین رہ سکتا
تھا پس نہایت بخل و سختی کو دیگر روایتون کے نہ لکھنے مین دخل دیا ہے ان روایات مین صحابہ
کبار کے مشاہدات سے آنحضرت کے رفتار گفتار کردار مجلس و غیر مجلس سب کا بیان ہو چکی
و کلی ہے لہذا یہ بیانات حدیث فعلی مین شمار ہو سکتے ہین حسین ابن علیؓ نے اپنے والد سے پوچھا
کہ آنحضرت گھر کے باہر مجلس مین کس طرح عمل کرتے تھے جواب پایا کہ رسول اللہ روک رکھتے تھے
اپنی زبان مگر اُسمین اوسکو جو مفید ہو اور صحابہ کو الفت دلاتے نہ نفرت اور عزت دیتے قوم کے معزز کو
اور اُسی کو اُس قوم پر سردار کردیتے اور آپس مین تقوی کے لئے فرماتے اور اپنے تئین بچاتے
لوگون سے بغیر اسکے کہ پھیر لیوین کسی سے اپنا منہ یا اپنی خلق اور اپنے اصحاب کے حال کو تلاش
کرتے اور لوگونکا حال پوچھتے جس حال مین لوگ ہوتے۔ اور اچھا سمجھتے اچھے امر کو اور قوت
دیتے اوسکو اور بری جانتے برائی کو اور اوسکو کمزور کردیتے اندازہ کے ساتھہ۔ آپکا کام تھا کہ
اختلاف نکرتے اور غفلت نکرتے اس ڈر سے کہ غفلت کرین گے اور عاجز ہو جاوینگے لوگ
سب حال کے لئے آنحضرت کے اندازے مقرر تھے۔ حق سے کوتاہی نکرتے اور نہ حق مین
فرق کرتے۔ آدمیون مین سے افضل آنحضرت کے نزدیک تر رہتے اور افضل آنحضرت
کے نزدیک وہ ہوتا جسکی خیر خواہی عام ہوتی۔ اور حضرت کے نزدیک مرتبہ مین بزرگ
زیادہ لوگون مین وہ تھا جو بہت نیک تھا لوگون مین سے سلوک و مدد کرنے مین۔ فرمایا حسینؓ
نے پھر پوچھا مین نے آنحضرت کے بیٹھنے کا حال تو فرمایا کہ رسول اللہ نہ کھڑے ہوتے اور نہ بیٹھتے

مگر اللہ کے ذکر کو کرکے اور جب کسی قوم کے پاس پہونچتے بیٹھہ جاتے بیٹھے ہوؤن کے اخیر مین جہان تمام ہوتے مجلس اور اسی طرح بیٹھنے کا حکم کرتے - اپنی مہر بیٹھنے والونکو بخشتے تھے اور مہمانون کو - آنحضرت کے پاس بیٹھنے والا نہ خیال کرتا کہ کوئی آنحضرت کے نزدیک زیادہ مقرب ہے اُس سے - جو آنحضرت سے گفتگو کرتا کسی حاجت مین یا پاس بیٹھتا صبر کرتے یہانتک کہ وہ پھر جاتا - اور جو سوال کرتا آنحضرت سے نہ پھیرتے اوسکو مگر آسان بات کے ساتھہ بیشک آپ کے کشادہ روئی اور خُلق نے آدمیون کو گھیر لیا تھا پھر ہوگئے آنحضرت کے نزدیک سب بروے حق برابر - آنحضرت کی مجلس علم اور حیا اور صبر اور امانت کی تھی بلند نہ کیجاتین اُسمین آوازا اور نہ اُس مجلس مین فحش بکا جاتا - نہ شہرت دیجاتی اُس مجلس کے بھول چوک کی - اُس مجلس کے لوگ آپس مین عدل کرنے والے تھے اکرام کرتے تقویٰ سے بزرگی رکھتے اُس مجلس مین بڑی عمر والے کی اور رحم کرتے اُس مجلس مین کم عمر رکھنے والے کی اور دوسرو پر اختیار کرتے تھے حاجت والے کو اور حفاظت کرتے تھے مسافر کی (شمایل ترمذی)

اور حسن ابن علیؓ نے اپنے والد سے پوچھا آنحضرت کے خصایل و چلن کو جواب دیا کہ رسول اللہ ہمیشہ خندہ جبین نرم چلن زود مہربان تھے بدخُلق و سخت گو اور فحاش اور چلانے والے اور عیب کرنے والے و بخیل نہ تھے اُس سے غفلت کرتے تھے جسکی خواہش نرکھتے تھے - اور نا امید نکرتے اپنے ذات سے کسی کو اور محروم نکرتے اپنے کرم سے کسی کو - بیشک باز رکھا تھا آنحضرت نے اپنے ذات پاک سے تین چیز ناحق جھگڑنے اور تکبر کرنے اور اُس چیز سے جو فایدہ ندے - اور چھوڑا آدمیون کو آنحضرت نے تین چیز سے نہ مذمت کرتے اور نہ عیب گیری کرتے اور نہ عیب کی تلاش کرتے - اور آنحضرت بات نہ کرتے مگر اُس چیز مین کہ امید رکھتے اُس کے ثواب کی - اور جب آنحضرت کچھہ فرماتے آپ کے ہم نشین سر جھکا لیتے گویا کہ اُنکے سر پر چڑیا بیٹھی ہین

پھر جب آنحضرت خاموش ہوجاتے تو آپ کے ہم نشین بات کرنے لگتے اور آپس میں جھگڑتے بات میں آنحضرت کے پاس۔ اور آنحضرت کے بات کرنے کے لئے جو بولتا اُسکو چپکا کر دیتے یہانتک کہ آنحضرت بات کرنے سے فارغ ہوجاتے۔ اور آنحضرت مسکراتے اُس بات سے جس سے سب مسکراتے اور تعجب کرتے جس چیز سے اور لوگ تعجب کرتے اور مسافر کی سختی اُسکے بات میں سوال میں آنحضرت برداشت کرجاتے یہانتک حال تھا کہ اصحاب لے آتے مسافروں کو اور آنحضرت فرماتے تھے کہ جب دیکھو تم کسی حاجت والے کو کہ طلب کرتا ہے حاجت تو مدد کرو اوسکی اور تعریف کو آنحضرت قبول نہیں کرتے تھے مگر سچ تعریف کرنے والے سے اور کسی کی بات نہ کاٹ دیتے جب تک وہ حد سے نہ بڑھ جاتا اور جو حد سے بڑھ جاتا تو اُسکی بات کاٹ دیتے منع کرکے یا کھڑے ہوجاتے (شمایل ترمذی)

آنحضرت مطیع کو بشارت دیتے عاصی کو آگاہ فرماتے بے خبروں کو پناہ وخدا کے بندے ورسول تھے جملہ کاروبار میں اللہ پر توکل کرتے تھے زشت خو وسخت گو نہ تھے چیخ کر نہیں بولتے تھے بدی کا بدلا ویسا ہی نہیں لیتے تھے معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے تقصیروار کو بخش دیتے آپکا کام دین ہی کجیوں کو درست کردینا تھا آپکی تعلیم اندھوں کو آنکھیں بہرے کو سماعت دیتی غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے آنحضرت ہر خوبی سے آراستہ جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف تھے سکینہ آپکا لباس نکوئی آپکا شعار تقوی آپکا ضمیر حکمت آپکا کلام عدل آپکی سیرت تھی آپکی شریعت سراپا راستی آپکا ملت اسلام وہدایت آپکی راہ نجات تھی۔ آپ ضلالت کو مٹا دیتے گمناموں کو شہرت بخشتے غیر ناموروں کو نامور کرتے قلیل کو کثیر سے اور تنگدستی کو غنا سے بدل دیتے (صحیح بخاری)

ضمیمہ نمبر ۱ مین بابت مذہب و آخرت و صفات باری و توحید مزید تفصیل ہے جو شامل کیا جاتا ہے
صفحہ ۳۲ لغایت ۱۶ سے تعلق رکھتا ہے ضمیمہ نمبر ۲ مین مباحث وغیرہ قرآن کے متعلق مزید تفاصیل
ہین صفحہ ۶۲ لغایت ۶۶ سے تعلق رکھتا ہے ضمیمہ نمبر ۳ وہ ہے جسکا حوالہ صفحہ ۸۹ مین ہے ضمیمہ نمبر ۴
خلاصۃ الخلاصہ کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔

قبل پڑھنے کے صحت ہذا کے مطابق درست کر لینے سے مفہوم غلط سمجھنے کا احتمال ہے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	اُسکے	اُنکے	۱۲	۱۳	صیح	صلح
۱	۱۸	کا اصل اصول یہ ہے	کے کئی اصل اصول یہ ہین	۲۴	۱	ہین	ہین ہجرت
۲	۵	اور وہ	سو مومن	۲۳	۱	اور	لیکن ناتوان
۶	۱۹	بدلا	بدلا بھلائی کے مثل ہے	۲۴	۲	بہیہ	استثنائی
۹	۱	اپنے	اپنے کو	۲۴	۱۰	جاو	جاؤ
۹	۲	نرمی	ترقی	۲۴	۱۶	[illegible]	[illegible]
۹	۱۱	اخوۃ	اخوت	۲۵	۱۶	سکے	کے
۱۲	۳	کہ	+	۲۶	۵	ستے	سے
۱۲	۴	پر اللہ	منزل من اللہ	۳۳	۱۷	انسانی	انسان
۱۲	۱۳	رہون گا	رہون گا	۳۷	۱۸	رغبت	تربیت
۱۳	۱۷	دصی	وقتی	۴۲	۱۰	چھپاتا جاتا ہے	چھپایا جاتا ہے
۱۴	۸	کرتا	کرنا	۴۳	۲	زرہ	ذرہ
۱۴	۱۹	تحریکات	تحریکات نے	۴۷	۷	موجود	موثر
۱۴	۱۹	اُنہون نے	+	۴۹	۱۸	سکیے	سکے
۱۵	۳	سیح	وسیع	۵۶	۱۹	عبادت تعظیم وقار و نماز	وحید و عبودیت کبر کا امتیاز
۱۵	۱۲	مجمل	مجمل	۵۸	۱۶	سینے	اسینے
۱۵	۱۸	عفو سے بچاتا	بجا لاتا	۵۹	۱۱	باوجود	باوجود
۱۵	۱۹	پہو	پہو	۶۰	۱۳	چاہیے	چاہیئے
۱۶	۱۵	تبلیغ پر ایک	و تبلیغ و +	۶۱	۱۹	تدبر	تدبر و عبادت
۱۶	۴	اہ	اور	۶۹	کل سطر ا	بنیاد پر قائم کرنا	[illegible]
۱۶	۸	رد	عدد			یایا جاتا ہے کہ حرف لفظ [illegible]	[illegible]
۱۶	۱۲	النسو	الیسون			اول تو۔	
۱۶	۱۲	دخلاقت	پر خلافت	۱۹	۲	[illegible]	طریقہ پیشاور
۲۲	۱۰	تقوی	تقوی	۷۱	۱۳	[illegible]	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۱	۱۸	کرلمم	کریم
۷۳	۳	ان	عن
۷۳	۸	ہوسے	ہوئے
۷۹	۷	اب	رب
۷۸	۱۳	سنزا	سنزا ملنے
۸۳	۷	عنرص	+
۸۴	۶	و	وصفات
۸۰	۱۳	بے	سے
؍؍	۱۵	تفاصیل	تفاصیل لابد
۸۸	۱۸	او	اور
۸۸	۱۸	کر	کراور
۸۹	۱۷	پہلے	پہلے
۹۰	۹	عامم	عالم
۹۱	۱	پرائی	پرائی
۹۱	۱۱	سرعمل	عملی
۹۲	۸	سرکر	کر
۹۳	۲	لہ	کر
۹۳	۴	ہدایات	ہدایات
۹۳	۷	دقایق	دقایق
۹۳	۱۴	بیس	پس
۹۳	۱۷	تبلا	تبلاتا
۹۴	۳	ور	اور
۹۴	۹	سحت	سخت
۹۴	۱۰	اتفاہی	اتفاقی ہی
۹۴	۱۱	ایہیں	اونہیں
۹۴	۱۲	تہے	تہے لیتے
۹۴	۱۸	یگ	یک
۹۷	۱۴	ئ	[illegible]
۹۸	۱۳	اسکے	اوسکے
۱۰۰	۶	وسمین	و نہین
۱۰۰	۱	اوسکے عزب	+
۱۰۰	۱۱	بعدد	بعد
۱	۱۲	سیجانی	سیجانی شہ
۳	۷	صلبات	مثلا نوبی
۴	۱۰	غایلفت	غایلفت
۴	۱	پرسیزگار	پرہیزگار
۴	۱۵	اسے	اوسکے
۵	۵	میرسے	ہمارسے
۶	۱۰	[illegible]	+

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۲	یہہ	+
۹	۴	ضرورت	ضرورت کا
۱۰	۸	لشکرقنان	لشکرواقنان
۱۰	۱۵	اورجبکہ	+
۱۲	۱۴	دیتا	دنیا
۱۲	۱۵	نگلا	نکلا
۱۲	۱۷	زوہ	مادہ
۱۳	۱۹	گگا	کا
۱۸	۵	مکان	مکان و
۱۷	۱۴	پکار	پکارو
۱۸	۱۶	کو	کواللہ کا عین
۱۸	۱۶	بہی	بہی اوسکا عین و
۱۹	۷	جدید	جدید
۱۹	۹	برتا	کرتا
۱۹	۱۱	ایسے عذرا	خندا
۱۹	۱۶	اوریک شے اسمین نہو	+
۱۹	۱۹	مگرد	مگردہ
۱۹	۱۸	جاننے	جاننے والا
۲۰	۹	ہمین رہا	ہمین رہتا
۲۰	۱۳	مثل	مثل کے مثل
۲۰	۱۷	کے ملتا	کے سکتا
۳	۱۹	محت	صحت
۹	۱۰	تبیہی	تنبیہی
۱۱	۱۴	ترقی	ترقی
۱۲	۲	بطو	بطور
۱۲	۴	تر	ترقی
۱۲	۱۳	سہ	کر
۱۳	۶	سہا	تہا
۱۳	۱۰	اور	امور
۱۳	۱۰	طبیعات	طبیعیات
۱۳	۱۶	او	اور
۱۶	۱	سے خلاف	سکے برخلاف
۱۸	۱۹	سے	سے

فہرست مضامین لطیف

فہرست ضمیمہ ۲

فہرست ضمیمہ ۳

فہرست ضمیمہ ۴

احسن قول و ضرورت مذہب و سچا مذہب و سچی شریعت و سچی عبادت وہی ہے جو قدرت و قانون قدرت کے مطابق وا وسنے ماخوذ ہوا ور مخالف نہوا ور قوانین فطرت کے اقسام

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند | نکتہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین (حم سجدہ ۵)

اور اوس سے بہتر کسکی بات ہے جس نے بلایا اللہ کیطرف اور عمل صالح کیا اور کہا کہ مین تو مسلمان مین سے ہون۔

پس جسنے دعوت الی اللہ کی ہو اور اس کے ساتھ اُس نے عمل صالح بھی کیا ہو اُس سے بہتر کسی کا قول نہین ہو سکتا۔ اُس نے اپنے قول کے نتایج کو عمل سے ثابت کر کے جو اصلی و واقعی غرض قول مذکور سے بھی اونکو پورا ثابت کر دیا ہے۔

مذہب اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ ارادی افعال اُسی اصول مذہبی کے بنیاد پر کئے جاوین پس سچا مذہب وہی ہے جس کی سچائی عتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی اور واقعات اصلی پر مبنی ہوا ور واقعہ اور واقعات کے نتایج اور ان پر جو اصول ہون اُسکو سچا ثابت کرین۔ اس لئے ضرورت اصلی اور واقعی ہے کہ مختلف مذہبون مین سے سچے مذہب کو سیکھا اور پہچانا جاوے اور پرکھ لیا جاوے کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہین یا نہین۔

قدرت و قانون قدرت مین تبدیلی نہین وہ سب کے ساتھ و عالمگیر ہے اور

سب کے ساتھ یکسان ہے اُس کے سوا کوئی شے ایسی نہین جو صفات مذکور رکہتی ہو
قدرت یا قانون قدرت کیا ہے وہ وہی ہے جسکے بموجب اُن تمام اشیا کا جو ہمارے
ارد گرد ہین جسطرح جسکا ہونا قرار دیا گیا ہے مقررہ سلسلہ انتظام سے وجود ہے
اور کبھی اُن سے جدا نہین ہوتا پس وہی سچ ہے اور جو اصول اُس کے مطابق
اور اُس سے لئے گئے ہین وہی سچے اصول ہین۔ قدرت ہمکو صرف اپنے ہی وجود
اور اپنے ہی سلسلہ انتظام اور اپنے ہی تعلقات کی جو مخلوق مین پائی جاتی ہے سچائی
ثابت نہین کرتی بلکہ اُس سے ایسے اصول بہی معلوم ہوتے ہین جن سے
ہم اپنے افعال ارادی جسمانی و روحانی کی بھلائی بُرائی بہی جان سکتے اور معاشرت
کو ہموار بنا سکتے ہین اور چونکہ قدرت سچی و کامل ہے اس لئے ضروری ہے کہ
جو اصول اُس سے معلوم و مطابق و موافق ہون وہ بہی سچے و کامل ہون اور یہی
سچا و کامل اصول یا یون کہو کہ یہی مذہب سچا ہونے کا مستحق ہے اور یہی حقیقی
و سچا معیار ہے جو خالق نے پرکہنے کے لئے انسان ضعیف البنیان کو عطا فرمایا ہے
خصوصاً جبکہ وہ غیر مادی چیزون سے متعلق ہو تو اُسکی وقعت اور بھی بڑہجاتی ہے۔
قوی اس لئے انسان کے اختیار مین نہین کہ وہ اُنکو بیکار رہنے دے
سچی عبادت اُن کو سچے طور پر کام مین لانا اور کام مین لگانا ہے سچی شریعت وہی ہے
جو قوی کے کام مین لانیکے ایسے طریق بتلادے جس سے اعتدال پر آوین اور
ترقی پذیر ہون اور ایک کے غلبہ سے دوسرا پژمردہ و بیکار نہ ہوجاوے تا ساقی
کو وہ بڑہا دے نہ دشواری کو۔

قدرت خود ہوشیار آقا اور قابل اوستاد ہے جو لذت و آلام و کلفت و آرام

وخوشی وطمانیت ورنج وبیقراری وذلت وشکست کے صورت مین اشارت کردیتی ہے ہماری ضروریات وہمارے تعلقات ہی ہمکو سبق دیتے ہین کہ ہم سمجھین کہ کیا کرنا چاہیے اور موافقت مفید وغفلت ومخالفت مضر ہین بیکن کا کہنا سچ ہے کہ تھوڑا وناکامل فلسفہ ملحد بنا دیتا ہے مگر جب وہ گہرا وعظیم الشان ہوتا ہے تو پھر انسان مذہب کے طرف عود کرتا ہے۔ قانون قدرت مین تین طرح کے قواعد ہین اول فزیکل لاز یعنے قواعد طبعی دوم ارکانک لاز یعنے قواعد اجسام سیوم مارل لاز یعنے قواعد اخلاق قواعد طبعی مین ہم دیکھتے ہین کہ ایک فعل اپنی شرایط کے بموجب ہر جگہ اُسی شرط کے موافق متحد اور یکسان اور باقاعدہ پایا جاتا ہے اور کسی طرح کے اُس مین اعلیٰ وادنیٰ وبچے وبوڑہے واچھے وبُرے کی تمیز نہین پائی جاتی مثلاً پتھر اوپر پھیکو اور اگر نہ روکو تو زمین ہی پر گرتا ہے اور جو اُسکو روک سکتا ہے وہ کوئی ہو روک لیگا اصلح باقی رہتا اور غیر اصلح رفتہ رفتہ فنا ہو جاتا ہے غرض کل اشیاء ایک قانون وقاعدہ معین کے روسے وجود مین آتی اور فنا کے راہ مین جاتی ہین۔

قواعد اجسام مین ہم دیکھتے ہین کہ ایک خاص حد تک کی گرمی یا سردی جسم کے انتظام کو بگاڑ دیتی ہے آگ جسم کو جلا دیتی ہے۔ قواعد اخلاق مین ہم پاتے ہین کہ جس قدر سچی اخلاقی باتین ہین انکی پیروی سے ہماری آسائش اور فائدہ اور راحت ہے اور رذائل کی تابعداری سے ہم کو رنج وتکلیف واذیت پہونچتے ہین پس قانون قدرت کے پیروی قواعد کی موافقت سے سوا اُخروی فائدون کے دنیا مین بھی ثمرے حاصل ہوتے ہین اور مخالفت خلاف ورزی سے علاوہ اُخروی عذاب کے دنیا مین بھی ناکامی ونقصان ہوتا ہے لہٰذا قانون قدرت کے قواعد سے

تجاوز کرنا نقصان اُٹھاتا ہے اور گنہگار رہتا ہے اور حد کے اندر رہنا پرہیزگار رہنا لہٰذا حدود کے اندر ہی رہنا بہتر ہے مثلاً قواعد اخلاق کے خلاف ورزی کرکے کوئی جھوٹ بولتا ہو تو اُسے جھوٹ بولنے کی سزا اسکو دنیا مین یون ملتی ہے کہ اُسکا اعتبار و اعتماد نہین رہتا اور بے اعتباری کی شرم خود اُسکو تکلیف دیتی ہے اور جو جھوٹ نہ بولتا ہو تو اُسکا اعتماد بڑھتا ہے جس سے اُس کو آرام و خوشی و کامیابی حاصل ہوتی ہے پس قانون قدرت باقاعدہ و قایم و دایم ہے اور کبھی زمانہ مین نہ بدلا نہ بدلتا ہے نہ قیامت تک بدلیگا لہٰذا ایسے مذہب کو جو اس بزرگ قانون کی پابندی و موافقت کی ہدایت کرتا ہے مبعوث من اللہ سمجھنا اور خدا کا مذہب کہنا چاہیے اور جو مذہب قانون قدرت کے خلاف ورزی سکھاتا یا اُسکا سبب ہو وہ ہرگز خدا کا مذہب نہین کہا جا سکتا جب تعامل جبری ہو تو بجائے استیثار کے ایثار موافق قانون قدرت سب سے لازم ہے پس ذاتی فوائد و مال و جان کو قربان کرکے قومی فوائد کو محفوظ رکھنا فرض عین ہے لہٰذا جو مذہب ایسے وقت مین ایثار کی مخالفت کرے وہ سچا مذہب نہین کیونکہ اسکا نتیجہ اہم زیادہ نقصان افراد کے جان و مال کا ہوگا جو بہ ظاہر نہین معلوم ہوتا۔ موت کے مقابل تمام فوجی عظمت سارا شاہانہ اقتدار انسان کی مجموعی و متحدہ کوششین بے اثر ثابت ہوئی ہین بہترین دماغون کی پیش بینی و خوش تدبیری بھی حد سے آگے نہین بڑھ سکین انسانی عقل دماغ سائنٹفک ترقیان طبی تحقیقات حیاتی انکشافات اور زر کے متحدہ طاقت سے بڑھکر یہ طاقت کا خیال موت دلاتی ہے۔ انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ ہر واقعہ سے کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالتا رہتا ہے اور کوئی اہم و صحیح نتیجہ نکالتا ہے اور کوئی کم رتبہ

وغلط نتیجہ لیکن نفس نتیجہ کا نکالنا سب انسانون مین مشترک ہے انسان
نے دیکھا کہ اُس کی بڑی سے بڑی زبردست و متحدہ و متفقہ قوتین و کوششین
مغلوب ہین وہ چاہتا ہے کہ زندہ رہے مگر نہین رہ سکتا وہ مسرور و باحیات
رہنا چاہتا ہے لیکن اُسکا بس نہین چلتا پس اوس کی بے کسی و بیچارگی اُس کو اس
نتیجے کے نکالنے پر مجبور کرتی ہے کہ میری محدود قوتون سے پرے کسی اور
قوت یا قوتون کا وجود ہے۔ متخیلہ کو کچھ دیر کے لئے تجربہ و مشاہدہ کے قیود
سے آزاد کر دو پھر بھی نتیجہ مین اختلاف نہین انسان قادر مطلق نہین ہو سکتا سردی
گرمی بھوک پیاس نیند بیماری کاہلی سستی کیا ان سب حوادث و عوامل کے
مقابلہ سے انسان سبکدوش ہو سکتا ہے وہ تو عموماً انسان کو ہر وقت عارض
ہوتی رہتی ہین۔ کیا قوانین فطرت انسان پر اپنا عمل چھوڑ دینگی کیا قانون کی گرفت
باقی نرہیگی۔ غرض نتایج خواہ حدود کے اندر رہ کر نکالے جائین خواہ قیود
سے باہر ہو کر تخیل کے وسیع پرواز سے کام لیا جائے انسان جبتک انسان
ہے بشریت کی بے بسی و بے کسی اس کے لئے لازمی ہے اسکا احساس ہونا
گویا اعتراف ہے کہ موجودات فانی سے ماورا اور مافوق کسی اور قوی قوت کا
وجود ضروری ہے جبتک کہ انسان انسانی تمناؤن کے برلانیکے ناقابل ہے
تب تک یہان کی کامیابیون سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قایم رہیگا اور اُس
اشتیاق کی صحیح تسکین مذہب سے حاصل ہوگی جبتک دنیاوی زندگی اذیت
تکالیف سے معمور ہے تسکین و تسلی و اطمینان کی ضرورت رہیگی جو پارساؤن کو
خدا کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہین۔ ذاتی اغراض ارادی افعال انسان کی سبب

زیادہ قوی محرک ہین لیکن موجودہ حالت کے اعتبار سے مذہب سب سے بڑھکر محرک وسب سے زیادہ اسلم واقوی کرنے والا ہے مذہب انسانون مین تعامل وتصاحب ومعاشرت کے ہموار وآسان ہونے کے طریق واُصول وراحت بڑھانے واذیت گھٹانے کے راہونکو بتلاتا واختلاف وتنازع ومتفرق ہونے سے بچاتا اور صالحیت کو وجود مین لاتا اور غیر صالح کو مغلوب بناتا اور حیات اجتماعی کو حیات ذاتی کے مقابلے مین تقویت پہونچاتا اور افراد کے خودغرضی کو دباتا اور اُس کو ایثار سے بدل دیتا ہے۔ اخلاقی تعلیم کی تعمیم کی عملی دشواریون سے قطع نظر کرکے عام افراد جس سطح پر ہوتے ہین اُس کے لحاظ سے یہ صلاحیت ہی اُن مین نہین ہوتی کہ وہ کسی فعل کو حُسن وقبح عقلی کے بناپر اختیار یا ترک کرین ایسے دلائل ان کے لئے اس قدر موثر ومحرک نہین ہوتے جتنا کہ قادر مطلق کا خوف اور اس سے طمع۔ جب کسی قانون کو فوراً نافذ کرنا چاہین تو اُسے عبادت کا جزو قرار دیکر اسکی نافذی نوعیت کو الہامی قرار دینا انتہائی ادب کے ساتھ سر تسلیم کے خم کرلانے کا سبب ہوتا ہے لہذا مذہب کی ضرورت اُس کے لئے بھی ہے۔

مذہب اسلام مین مذکورہ بالا خوبیان سب موجود ہین وہ تبلیغی واخوت دینی جیسی خصوصیات رکھنے والا مذہب ہے اُس کا دعویٰ ہے کہ عمل صالح کا کرنا زندگانی انسانی کی دولت ہے اور فرائض کا ادا کرنا اُس دولت کو کمانا اور پانا ہے اسلام نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کا کرنا لازم قرار دیا ہے لہذا یہ شرف وفضل اسلام کو تمام ادیان سے ممتاز کرتا ہے۔ سچا مذہب ہر ایک ایسی آزمائش وامتحان کے بعد پورا اُترتا ہے جس مین کہ اوس کے پیرو کو گذرنا ہوتا ہے وہ تکلیف

آزمایش اور خطرہ کے وقت قوت دیتا ہے۔ لیکن مذہب کا زوال اوس وقت شروع ہوتا ہے جب پیغمبر سے پادری سبقت لے جائے اوس وقت وہ مذہب مذہب نہین رہتا بلکہ علم الہیات کے ایک دستور العمل کی صورت اختیار کر لیتا ہے اسکی روحانی طاقت مرجھا جاتی ہے اور انسان کے زندگی اور چلن پر اوس کا اثر جاتا رہتا اور اُس مین فلسفیانہ یا خیالی علوم کا رنگ آجاتا ہے اور تحریک کی غرض سے آیندہ کا وعدہ بھی دیا جاتا ہے۔ اسلام صاف و سادہ مذہب ہے اوس مین کوئی لارڈ یا پادری یا سردار نہین اور نہ کوئی مذہبی عہدہ دار ہین وہ قوم کے روزانہ زندگی مین قوت پیدا کرتا ہے ایک عملی نظام اور روزانہ زندگی کا دستور العمل ہے اوس کا اثر ہمارے رگ و ریشہ مین ہونا چاہیے تاکہ وہ ہمین راست بازی اور انصاف سے کام کرنے نیک خیالات رکھنے و فیاضانہ عمل کرنے کی و ترقی کرنے کی رغبت دلائے اور تحریک کرے یہ سب اوسی صورت مین ہوسکتا ہے کہ ہم سمجھ لین کہ سچے مذہب کی روح اور اصول کیا ہین

نشاء آخر یعنے آخرت پر ایمان کا جزو ایمان رب عالیان ہونا اور اونپر ایمان لانیوالونکا اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہوتا اور انہی کا مفلح ہونا

سورہ آل عمران اس طرح شروع ہوئی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے الم یہ آیات کتاب حکیم کے ہدایت و رحمت اُن محسنین کے لیئے ہین جو قائم رکھتے ہین نماز اور دیتے ہین زکوۃ او آخرت پر وہی یقین رکھتے ہین یہی ہدایت پر ہین اپنے رب کی طرف سے اور وہی فلاح پانے والے ہین

پس آیات کتاب حکیم کی ہدایت ورحمت اُن محسنین کے لیے ہے جو بالخصوص اقامت صلوۃ و ادائے زکوۃ کرتے اور آخرت پرایمان رکھتے ہین اور وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہین اور فلاح پانے والے ہین لہذا تینون مذکورہ بالا اعمال کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے اور سورہ بقرہ کے شروع کے آیات کے ساتھ ان آیات کے پڑھنے سے اور فوائد عمدہ حاصل ہوتے ہین کہ سورہ بقرہ مین ذالک الکتاب لاریب فیہ ہے اور ان آیات مین تلک آیات الکتاب الحکیم ہے اور سورہ بقرہ مین ہدی للمتقین ہے اور ان آیات مین ہدی ورحمۃ للمحسنین ہے ان آیات مین یؤتون الزکوۃ ہے اور سورہ بقرہ مین مما رزقنٰھم ینفقون ہے۔

غرض ان آیات کے نقل سے یہان پر یہ ہے کہ آخرت پر ایمان اور اوس پر یقین پیروے قرآن لازم ہے اور بغیر اُس کے ہدایت و فلاح نہین اسی لئے شروع قرآن ہی مین آخرت و اُسکے متعلقات کا بیان بھی کیا گیا ہے اور دیگر اہم و مقدم امور کے ساتھ آخرت پر ایمان نہ لانے والون پر وعید شدید مین خصوصاً وعید سعیر کی ہے اور یہ کہ آخرت و قیامت پر ایمان جزو ایمان خدائے مالک یوم الدین ہے جس دن کوئی نفس کسی نفس کا مالک کسی شے مین مطلقاً نہو گا اور اوس دن امر کرنا اللہ ہی کے لئے ہے اور اوس دن مین یا عذاب شدید ہے یا مغفرت و رضامندی اللہ تعالیٰ کی جو فوز عظیم ہے ہم آیات محکمات قرآن کریم و حکیم سے مذکورہ بالا امور بیان کر چکے ہین۔

انسان کے لئے طرح طرح کے تقاضے اور طرح طرح کی ضروریات ہین اختیاری و اضطراری ہین کیا ہم رات دن اپنی خواہشات و ضروریات کے پورا کرنے مین مشغول نہین ہیجے انسان کی - تو ساری زندگی ان ذرائع کو بہم پہونچانے مین صرف ہو جاتی ہے۔

اور جنسے ضروریات و تقاضے پورے ہون اور جسکا نام ہمنے تہذیب و تمدن رکہا ہے
وہ بھی ہمارے ان تقاضون کے خواہشونکو پورا کرنے کا یہہ نتیجہ ہے اور جسکا نام
ہمنے خوشی رکہا ہے وہ بھی تو ان خواہشون کے پورا کرنے کا نام ہے مصیبت
و تکلیف کیا ہے کسی ضرورت کا پورا نہونا الغرض ضرورت و رفع ضرورت تمام راحت
و رنج کے فلسفہ کو ختم کردیتی ہین ایک طرف ہم مین ضرورت ہے دوسری طرف
صحیفۂ قدرت مین اُس ضرورت کے رفع و دفع کرنے کے اسباب ہین ہم مین محبت
اور رحم اور فیاضی کے جذبات بھی ہوتے ہین اُن جذبات کے تقاضون کے پورا
کرنے کے لئے ہم محل و موقع نکال لیتے ہین کیا اُسی طرح ہم مین کسی چیز کے
تعریف کرنے کسی چیز سے خوش ہو جانے اور کسی کی شکر گذاری کرنے کی قوتین نہین
کیا ہم جب ان جذبات کو اپنے سینون مین مشتعل و متقاضی پاتے ہین تو انکو ظاہر نہین
کرتے۔ مقام غور ہے کہ کون سے اسباب ہین جن سے یہ جذبات یعنی جذبہ
شکر گذاری اور جذبہ تعریف و ثنا ہمارے اندر جوش زن ہوتے ہین صحیح یہ ہے
کہ حُسن و احسان ہی مدح و شکر گذاری کے محرک ہوتے ہین۔ سنگدل و بیرحم بھی
خواہ بظاہر کچھہ نہ کہے لیکن حُسن و احسان کو دیکھکر شکر گذاری و مدح و ثنا کی لہر
اُس کے دل مین بھی موجزن ہوتی ہے۔ اگر ہم ہر قسم کی ضروریات پر تبصرہ کرین
تو ہمین معلوم ہوگا کہ ہماری تمام احتیاجات اور خواہشات کے دفع کرنے کا سرچشمہ
حُسن و احسان ہی ہین یعنی ہمارے ضروریات کا دفع یا تو کسی ایسے وجود سے
ہوتا ہے جس مین کوئی خوبی ہے اور اُس خوبی و حُسن کے کسی شعبہ سے ہم متمتع
ہونا چاہتے ہین یا ہماری ضروریات کا رفع کسی کے احسان سے وابستہ ہے لہذا

ہم آٹھون پہر حُسن و احسان کے تلاش مین مصروف ہین جب ہمین یہ مل جاتے ہین
توہم اُن کے عوض مین شکرگذاری و مدح سرائی کرتے ہین حسُن کے عوض مدح و ثنا
اور احسان کے عوض شکرگذاری لیکن بعض وقت حُسن و احسان ہمکو بے جان
چیزون مین بھی غیرانسان کے نظر آتے ہین توپھر کیا اُس حُسن و احسان کی شکرگذاری
یا تعریف کے لئے اُس بے جان چیز کو مخاطب کرنا چاہئے یہ نادانی کا فعل ہوگا مثلاً کسی
تصویر کی خوبصورتی ہمین مسرت دیتی اور خوش کرتی ہے توکیا ہم اُس تصویر کو مخاطب
کرکے اسکی تعریف و مدح کرین یا اُسکے شکرگذار ہون **دہریون کے لئے دلچسپ**
مطالعہ عقلاً و فطرتاً حسن و احسان کا شکر منان و خالق عالمیان و کون و مکان کے
لئے ہونا چاہئے نہ اشیائے بیجان کے لئے کیونکہ حُسن و احسان اُسی کے
کُن کہنے کے اثر سے ہین سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے چارون
طرف فطرتی مناظر ہمارے لئے موجب عبرت نہین ادنیٰ
سے ادنیٰ چیز اُٹھالو پھر کیا وہ اپنے اندر حُسن و احسان نہین رکھتے کیا صحیفۂ قدرت
کی دلچسپیان آٹھون پہر ہمارے اندر مدح کو تعریف کو جوش زن نہین کردیتین پھران
دلچسپیون سے متاثر ہوکر ہمارا دل شکرگذاری کے لئے موجزن ہو توکیا یہ غیرطبیعی
امر ہوگا اور جبکہ ہم شکر و تعریف کے لئے بیجان چیزون کو مخاطب نہین کرتے اور اُسی
کے ممنون ہوتے اور مخاطب کرتے ہین جو ذی روح ذیعقل ہو اور جسنے جانکر عمل کیا ہو
توہم اس صورت مین کہ ہر روز کے سامان خوشی کو جو نیچر ہمارے چارون
طرف مہیا کررہی اور حُسن و احسان سے ہمین مرہون منت کررہی ہے اس کے
بنا پر ہم اُس بیجان کی تعریف کرین اور شکرگذار ہون یا اُسکے جو مصور اصلی

ومحسن حقیقی ہے اگر شکر و امتنان ایک طبیعی فعل ہے اور فطرت انسانی اسکی متقاضی ہوتی ہے
تو پھر اُس وجود کا تلاش کرنا بھی ایک طبیعی فعل یا تقاضائے فطرت میں سے ہے جسکے
لئے یہ شکر و امتنان ہم محسوس کرین کیا ہم اوس بیجان کی تعریف کرین اور اوسکے
شکر گذار ہوا کرین تاہم ایسے محسن کی تعریف و شکر کرنا چاہتے ہین جو اوس کو سکے
جس نے احسان ادا کیا ہو۔

اسی لئے ہم تمامی عالم کے رب اشیاء رب العالمین کے لئے کہتے ہین
الحمد للہ رب العالمین اور کہتے ہین کہ ساری تعریفون اور شکر گذاریون کا مستحق وہ اللہ
ہے جو تمام جہان کے کائنات کو جس کے ساتھ ہماری احتیاجین وہماری امتین
وابستہ ہین پیدا کرتا ہے اونہین قائم رکھتا ہے اُن کی پرورش کرتا ہے اور اونکو
حد کمال تک پہونچاتا ہے۔

اُس کے بن دیکھے ایک معمولی نگاہ کا انسان بھی نہین رہ سکتا کہ ہر چیز جو اس
عالم مین ہے اور جو ارتقا کی طرف جا رہی ہے اس کے ترقی کے حاصل کرنے کے
لئے ایک قاعدہ مقررہ ہے گویا ہر ایک چیز کی ترقی ایک نہ ایک قانون سے وابستہ ہے
کوئی چیز ایسی نہین جو دوسری اشیائے دنیا کے لئے ایک نہ ایک رنگ مین
مفید نہ ہو لیکن اوس کا یہ مفاد بھی اُسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ کسی طریقہ پر
چلے پس کسی چیز کا افادہ بھی کسی قانون کے اطاعت مین ہی ہوتا ہے اور اُس
قانون کے خلاف کرنا موجب نقصان وتباہی وتنزل ہو جاتا ہے۔

سائنس تو صرف اون قوانین کو دریافت کرتا ہے جن پر قوائے فطرت چل رہے
ہین اگرچہ یہ قانون ناقابل تبدیل نہ ہوسکے گذرا تہ عالم ان قوانین کی کامل پیروی کرتے

تو پھر نہ کوئی قانون ہوتا اور نہ اسکے دریافت کے لئے سائنس کی کوئی شاخ ہوتی۔ کیا اس تمام نظام سے ایک تدبیر ثابت ہوتی ہے یا مادہ کے مختلف اجزا نے اپنے آپکو ایک دوسرے کے مناسب حال اتفاقیہ کر رکھا ہے اس بحث میں شاید پڑنے کی ضرورت نہین کیونکہ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام صحیفہ قدرت کسی مقررہ راستے پر قائم ہے یا نہین اور مادہ پر کوئی قانون حکمران ہے یا نہین۔

جیون جیون سائنس تحقیقات کرتا ہے وہ مادہ کے نشو ونما کو ہر رنگ مین ایک نظام ایک ترتیب ایک قاعدہ کے ماتحت پاتا ہے جو اٹل لاتبدیل ہین ولا تبدیل لخلق اللہ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولا تحویلا کو ثابت کرتے ہین اگر مادہ کی ارتقا بے ترتیب اچانک طریق پر ہوتی تو شاید یہ سمجھا جاتا کہ مادہ نے بے ترتیبی مین مختلف پہلو اختیار کرکے اپنے مختلف حصص کو ایک دوسرے کے مناسب حال کر لیا ہے اور کسی مناسبت سے انسان نے اسکو ایک قانون سمجھ لیا ہے لیکن معاملہ اور واقعہ اس کے برعکس ہے اور دراصل سائنس بھی قاعدہ ترتیب اور نظام کے دریافت کرنے کا نام ہے یہی تحقیقات کی جڑ ہے۔ اور یہ ترتیب مادہ اپنی ترکیب سے مرتب دیتا ہے قانون ہی مادہ پر مقدم ہے یعنے مادہ سے پہلے اسکا وجود معلوم ہوتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ قانون کسی ایسے سرچشمہ سے نکلا ہو جو صاحب تدبیر و ارادہ ہو قانون کا وجود علم و ادراک کے وجود کو چاہتا ہے اور اسکا مستلزم یہ نہین ہو سکتا کہ مادہ کے مختلف اجزا کی باہمی مناسبت سے قانون پیدا ہوا ہوا۔ یا اسی کو قانون کہتے ہون

دہریون کے لئے دلچسپ مطالعہ۔ قانون مقدم ہے اس لئے

ذی عقل و ذی ارادہ و ذی علم متقن کا مستلزم لہذا عزیز الحکیم بکل شے علیم فعال لما یرید
پر ایمان لازم ہے اگر مادہ کے ہر ذرہ پر قانون حکمران ہے اور مادہ اُسکا مطیع
تو ماننا پڑیگا کہ ارتقا کے لئے اُسکے حرکت کرنے سے پہلے قانون موجود تھا اور اگر
قانون ہے تو پھر قانون بنانے والا کوئی ذی عقل ذی ارادہ ذی علم ہونا چاہیے
مادہ مین بذات خود نہ ارادہ ہے نہ عقل اس لئے ضرور ہے کہ مادہ سے خارج
کوئی وجود ہو جو قانون بناوے اور اُس کے ذریعہ سے ترتیب مین لاوے
سورہ روم مین ہے فاقم وجہک للدین حنیفاً فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا
لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم سو سیدھا کر اپنے منہ کو دین پر حنیف ہوکر
اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر پیدا کیا آدمی کو نہین تبدیل ہے اللہ کے خلق کے
لئے یہ دین سیدھا ہے۔

پس انسان کی ایک فطرت ہے جس پر وہ مجبول ہے یعنی اُس کی فطرت کا
ایک قانون ہے جو حکمران اور لا تبدیل ہے اور جسکو اللہ تعالے نے بنایا ہے
لہذا انسان کو یہہ سمجھنا ضرور ہے کہ اوسکے لئے یک فطرت معین ہے اور انسان
جس مادہ سے بنا ہے اُس مادہ کے پہلے قانون مذکور موجود تھا اور وہ مادہ پر
حکمران ہے اور مادہ اوسکا مطیع قبل حرکت کے تھا اس لئے یہہ کہنا بالکل مطابق
واقع ہے افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض۔ وہو العزیز الحکیم۔ و بکل شے
علیم۔ فعال لما یرید خلق فسوی ثم قدر فہدی۔

اور جبکہ انسان کی یک فطرت خاص اللہ نے بنائی ہے اور اسی فطرت کے
قانون کا وہ مطیع ہے تو بطریق اولے ہر دیگر ذرات پر قانون حکمران و مقدم ہے۔

ضرورت مذہب و ماورائے مادہ ارفع و مقدس ہستی و معبود حقیقی کی جس سے بیم و امید ہو جزا دے سکے

خدا سے ڈرو پھر کسی سے نہ ڈرنا پڑیگا اُس سے امید رکھو اور مدد چاہو پھر کسی سے امید نہ رکھنا اور مدد نہ چاہنا پڑیگا۔ معبود حقیقی کا عبد نہ بننا معبود مجازی کے غلامی کا سبب ہوتا ہے خدا کو چھوڑ کر مجبور کر سکتے ہو لیکن ترغیب نہیں دے سکتے ظالم و فسادی بن سکتے ہو لیکن معلم و ہادی نہیں بن سکتے دنیا بغیر خدا کے دنیا بغیر امید کی ہے دنیا بغیر خدا کے دنیا بغیر بنیاد کے ہے اگر خدا نہ بھی ہو تو معلمان اصلاح اخلاق کو خدا کے وجود سراپا جود کی ضرورت ہے جسکو بنیاد اعتقاد انکو بنا دینا چاہیے۔

حیات ذاتی کے بقا یعنی انکو تحفظ ذاتی کے لئے ابتدا نشو و نما ہوتا ہے لیکن بالآخر وہ سے قانون ابتلا ہے وہ عموماً محرکات خودغرضانہ زندگانی انسانی کے ہو جاتے ہیں پس بغرض فلاح ایسے جذبات کے توڑنے اور اصلاح کرنے کی اسکے سوا صورت نہیں کہ مخالف جذبات اُن سے قوی تر پیدا کئے جاویں اور دنیا میں یہ مقصد محض ایک الہامی قوت ایک ماورائے مادہ ہستی اور ایک تنقید و اعتراض سے ارفع و مقدس ذات پر اعتقاد لانیکے بغیر جس سے سوال و پوچھ نہ ہو سکے اور وہ جواب لینے اور سوال کرنے جزا و سزا دے حساب لے پورا نہیں ہو سکتا اپنی ذات کی مرجوح اور اپنے فوائد کے ایثار اور راحت عاجل کو قربان کرنیکا خیال جب ہی انسان کر سکتا ہے کہ مقابلہ میں تخیل تو تنا اور منسوط تجربہ بہ تبعیت عقل اپنا عمل کر سکے۔

جو بالغیب ایمان نہیں لاتا وہ عمل صالح نہیں کرتا دوسرے لفظوں میں وہ جو انکا یا مادہ پرست ہے نجات بدرستے قرآن مجید نہیں پاتا اور جو بالغیب ایمان لاتا ہے

وہی ہدایت و فلاح پاتا ہے پس جو اپنے رب کی لقا کی رجا رکھنا چاہتا ہے تو اسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ بناوے۔

مختصر و مجمل فلسفہ اسلام و قرآن نسبت ذات و صفات رب عالمیان و خالق کون و مکان

اہم صفات و اسماء لکھنے جو قرآن میں مخصوصاً خدا کے لئے آئے ہیں کوئی ایسی صفت جس سے واجب الوجود کی ذات محدود ہونیکا قرار دینا وجود کی حقیقت جاننے پر منحصر ہو اس لئے واجب الوجود کے طرف منسوب نہیں ہو سکتی کہ وجود کی ایسی حقیقت کا جاننا مافوق فطرت انسانی ہے۔ لیکن جبکہ واجب الوجود یا علت العلل سے تمام معلولات کا ظہور ہوا ہے تو اُس کو بھی ایسے صفات متعددہ سے متصف کر سکتے ہیں جو زاید علی الذات ہو کیونکہ وہ ازلی و ابدی ہے اور معلول کسی علت کا نہیں پس ایسی صفت کا جو زاید علی الذات مثل انسانی صفات کے ہو نہیں ہونا محال ہے۔ انسان کو ایسی نظیر نہیں ملی ہے کہ زائد علی الذات بھی نہ ہو اور عین بھی نہو۔ واجب الوجود کا موجود ہونا چونکہ ہم یقین کرتے ہیں لہذا اس کے نقیض سے جو معدوم ہونا معلوم ہوتا ہے ہم اسکو بری کرتے ہیں کیونکہ وہ امر سلبی ہیں اور کوئی امر سلبی ذات واجب الوجود میں موجود نہیں ہو سکتا۔ تمام صفات مفہوم ہوتی ہیں اور ہم اُنکو ممکنات مادی سے اخذ و انتزاع کرتے ہیں پس تمام صفات جنکو ہم خیال کر سکتے ہیں وہ سب مفہومات انتزاعی ہیں اور چونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ واجب الوجود اور علت العلل کے لئے ان صفات کا ہونا لازم ہے اسی لئے اُن صفات کو اسکے لوازم ذاتی ہونے پر یقین کرتے ہیں اور جو صفات منافی اسکے وجود کے

یا منافی کسی اُسکی صفت مسلمہ کے سمجھتے ہین اُن سے اُسکو بری کرتے ہین اور جن صفات کے ہونے یا نہونے کا واجب الوجود مین یقین کرتے ہین انکو نہ اسوجہ سے یقین کرتے ہین کہ وہ اُنکا محمل ہے بلکہ اسوجہ سے کہ ہم کو اُنکے من حیثیت الاطلاق لوازم ذاتی علت العلل ہونے پر یقین کلی ہے باانیہمہ ہم جس طرح اسکی ذات کی حقیقت کو نہین جان سکتے اُسی طرح اُسکی صفات کی حقیقت کو بھی نہین جان سکتے پس چونکہ خدا کی طرف من حیثت الاطلاق منسوب کرتے ہین بلکہ اطلاق کی قید سے بھی مطلق رکھتے ہین تاکہ صرف مفہوم ہی مفہوم باقی رہ جاوے اسی لئے جب خدا کی کسی صفت کو کہتے ہین کہ ہے تو اوسکے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہین کہ ہماری سی نہین پس وہ مقدس و پاک ہستی جو ہمیشہ سے ہے ہمارے تصورات جہانتک پہونچ سکتے ہین اور اُسکی ذہنی تحدید کرتے ہین اُنسے وہ اول ہے وہ آپ ہی آپ ہے اُسکا کوئی خالق نہین اُسکا ہونا اوسکی ذات ہے اُس نے اپنے کو ایسا ہی بتایا ہے کہ مین ہون اسکا ہونا ہی اُسکی بڑائی ہے اپنے ہونے ہی سے وہ پہچانا جاتا ہے اور اپنی بڑائی سے وہ پکارا جاتا ہے اُسکا کوئی ہمسر نہین ہونے مین کیونکہ ہونا اسکی ذات ہے صفت مین کیونکہ اُسکی سب صفتین اسکی ذات ہین وہ اپنی صفات کی طرف مثل انسانی ذات کے محتاج نہین ہو سکتا وہ زندہ ہے نہ جان سے بلکہ آپ ہی آپ سے وہ جانتا ہے نہ کسی جہت سے بلکہ اپنے ذات سے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کسی غرض سے بلکہ اپنے کمال ذات سے وہ جو کرتا ہے نہ کسی کرنے والی چیز سے بلکہ اپنی ذات سے لیکن جو کچھ ہوا ہے وہ بغیر اُسکے نہین ہوا پھر ایسی ذات کی نسبت بجز اسکے کہ ہے اور کوئی کچھ نہین جان سکتا لیکن یہ اسکا مستلزم نہین کہ اُسکے وجود سے انکار کیا جاوے اور ایمان بالغیب نہ لایا جاوے بلکہ یہ ایسا مفہوم ہے کہ انسان کا اسکا سمجھ لینا مافوق فطرت نہین۔

اُسکے تعبیر ذات کے لئے جو نام چاہو اُسکا رکھو لیکن وہ اُسکے ذات یا صفات کی حقیقت
نہ ہوگی بلکہ ایک نام ہوگا جس سے تم نے اُسکو نامزد کرلیا ہے اور لوازم ذاتی سمجھکر
اُس سے اُسکو موسوم کرلیا ہے یہہ خیال کرکے کہ اُس سے اُس قسم کے صفات
کا ظہور ہوا ہے اُسکو جس صفت سے چاہو متصف کرو لیکن وہ حقیقت اُسکے صفات
کی نہوگی بلکہ اُس سے اُسی قدر معلوم ہوگا کہ جس خیال سے تم نے اُس مفہوم سے
اُسکو متصف کیا ہے اُسکی وہ مظہر ہے نہ کہ اصل صفات کی۔ کسی نام کے رکھنے یا
کسی صفات سے متصف کرنے سے یہہ مقصود ہوتا ہے کہ جس کا نام رکھا گیا ہے
مشخص ہو جاوے اور دیگر چیزون سے متمیز و مشار الیہ ہو جاوے اور صفات سے
متصف کرنے سے اُس کی صفات مذکور کی نسبت معلوم ہو جاوے اور وہ متمیز
و مشار الیہ ہو جاوے لیکن یہہ ضرور نہین ہے کہ اوس نام یا اوس صفات کا
حقیقتاً وہ محل بھی ہوا اور اوس کے ذات مین وہ ضرور موجود ہو اسی بیچون
و بیچگون کے نام رکھنے اور صفات کو اُس کے طرف منسوب کرنے سے یہہ کام نکلتا ہے
کہ ذہن منتقل ہو جاتا اور یاد تازہ ہو جاتی ہے اس لئے قرآن مین ہے کہ اللہ کیلئے
اسماء الحسنٰی ہین سو پکار اُسکو اُس کے ساتھ نتیجہ یہہ ہے کہ خود اسکو کسی نے نہین
جانا لہذا کہتے ہین کہ وہ خود بخود آیا ہے۔ جب ہم کامون سے جو ظہور مین آتے ہین یہ
سمجھتے ہین کہ سلسلہ علت و معلول منتظم و مرتب و قانون کے ماتحت و تابع ہے
تو ہم واجب الوجود کو عزیز الحکیم و مرید و فعال لمایرید کہتے ہین لیکن اسکے ارادہ کو
ایسی کیفیت نہین سمجھتے جو انسانونکے ذات کیطرح زاید علی الذات عارض ہوگئی
ہے بلکہ یہہ کہتے ہین کہ اُسکا ارادہ اور اُسکا چاہنا مثل ہمارے نہین بلکہ وہ

ایسا ہے جو اسکے مقتضاے شان ہے اور جب کسی شے کے ہونے کا وہ ارادہ کرتا ہے
تو صرف کن کہدینا اس شئے کے ہو جانے کے لئے کافی ہے پس وہ ہو جاتی ہے الحق
کان اللہ ولم یکن معہ شیأ ہمارے علم کے لئے قبل از علم موجودات خارجی یا ذہنی کا موجود
ہونا ضرور ہے یعنے ہمارا علم اُنکے موجود ہونے کا فی الخارج یا فی الذہن محتاج اور زاید
علی الذات ہے اور ہم زمانہ کسے بھی اسکو متعلق سمجھتے ہین جسکو ماضی اور حال و استقبال
سے تعبیر کرتے ہین مگر باین ہمہ ہم اپنے علم سے کسی خاص شئے کے موجب کے علم کو
بہ نسبت اس شئے کے زیادہ وسیع پاتے ہین جو قبل وجود اس شئے کے اسکے کل و
جزکا اپنے ذہن مین علم رکھتا ہے اور اُس کے وجود مین آنے پر اور اسکے خاص حالات
کے ہونے پر جو آیندہ اُسکے ہونگے زیادتی اسکے علم مین نہین ہوتی اور اس شئے
خاص کی نسبت اسکے علم مین زمانہ کا اعتبار بھی نہین ہوتا بلکہ ماضی و حال و استقبال
اُسکے علم سے نسبت مساوی رکھتے ہین اسی طرح جب ہم یقین کرتے ہین کہ علت العلل
یا واجب الوجود سے جو کچھ ظہور مین آتا ہے اسکے ارادہ اور حکمت سے آتا ہے
تو فطرت انسانی اسپر شہادت دیتی ہے کہ صفت علم بھی اسکو لازمی ہے جو نہ
مقید بوجود معلولات ہوا اور نہ اُس مین زمانہ کا اعتبار ہو اس لئے اسکو عالم الغیب
و شہادہ بکل خلق علیم کہتے ہین اور خداے تعالیٰ کے علم کو بالکلیہ حالیہ سمجھتے ہین
مین جس طرح وجود الٰہی کو سمجھتا ہون اوسی طرح علم الٰہی کو بھی ذاتی سمجھتا ہون کمال
قدرت یہہ ہے کہ جو کمال کا مقتضا ہو اور جو چاہے وہی واقع ہو نہ کہ اوس کے
خلاف اور چونکہ اللہ تعالےٰ کسی کا یہانتک کہ اپنے صفات کا بھی محتاج نہین بلکہ غنی
ہے اور آپ ہی آپ ہے لہذا اوس کو علی کل شئے قدیر ہم کہتے ہین جو منافی اسکے

نہین کہ ویسے افعال وصفات اوس سے صادر نہو سکین - جو صفات ایسی ہین کہ
مشترک صفات انسانی والہٰی مین یعنی ایسی صفات جن سے انسان کو بھی متصف
کرسکتے ہین اور خدا تعالے کو بھی اُن کو چھوڑکر قرآن مین جو اہم صفات ایسی بیان
ہوئی ہین جو سواے خدا تعالےٰ کے اور کسی کی نہین ہوسکتین انکو اب لکھتا ہون -
اللہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین (سورہ فاتحہ) جس طرح
رب العالمین سواے خدا کے کوئی نہین ہوسکتا اسی طرح رحمٰن الرحیم بھی نہین
ہوسکتا اگرچہ انسان کو بھی کہتے ہین لیکن الرحمٰن الرحیم انسان نہین ہوسکتا سورہ حدید
مین ہے پاکی بیان کرتا ہے اللہ کے واسطے جو کچھ آسمانون اور زمین مین ہے اور وہی
عزیز الحکیم ہے اسکے واسطے راج آسمانون و زمین کا ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر
قدیر ہے وہی اول ہے اور آخر اور ظاہر اور باطن اور ہر شے پر علیم پس حکیم
انسانون کو بھی کہہ سکتے ہین لیکن عزیز الحکیم ایسے خدا کے سوا اور کوئی نہین ہوسکتا
شے وہ ہے جسکا ہونا خداے تعالےٰ نے چاہا ہے پس ہر شے پر علیم وقدیر
سواے اسکے اور کوئی نہین ہوسکتا تصورات انسانی جہانتک ابتدا یا انتہا
ازل یا ابد تک پہونچ سکتا ہے اور خیال انسانی جس حد تک اپنے ذہن مین
زمانہ کو محدود کرسکتا ہے اُس سے اول و آخر سواے خدا تعالےٰ کے اور کوئی
نہین ہوسکتا - ظاہر اور باطن دونون مین جو مساوی نسبت رکھتا ہو اور حقیقتاً
اُس کے لئے ظاہر اور باطن دونون مساوی ہون اور ایک شے اسمین کا نہو
وہ خدا ہی ہے - سورہ حشر مین ہے اللہ وہ ہے کہ نہین معبود مگر وہ جاننے والا
غیب وشہادت کا وہی ہے رحمٰن الرحیم وہی اللہ ہے کہ نہین معبود مگر وہ

ملک القدوس السلام المومن المیمن العزیز الجبار المتکبر پاک ہے اللہ اس چیز
سے کہ شریک لاتے ہین بادشاہ بہت پاک عیب سے سلامت امن دینے والا
نگہبان غالب دباو والا بڑائی والا جدا جدا ان صفتون سے انسان متصف ہوسکتا ہے
لیکن ان صفات سے مجموعی طور سے خدا ہی کو متصف کرسکتے ہین اسکے بعد ہے
اللہ وہ ہے خالق نکال کھڑا کرتا صورت کھینچتا اسکے لئے ہین انیک نام ہین پاکی
بیان کرتے ہین اس کے لئے جو کچھ آسمانون و زمین مین ہین اور وہی عزیز الحکیم ہے
پس خالق الباری المصور سوائے اللہ کے اور کوئی نہین ہوسکتا اور الٰہ دوسرے
کو بھی بنا سکتے ہین لیکن الالٰہ کوئی نہین ہوسکتا لہذا کہا گیا ہے کہ لا الہ الا اللہ یعنے
کوئی حق معبود ہونے کا نہین رکھتا مگر وہ جانا ہوا معبود یعنے خدا عالم الغیب
والشہادہ ہے سب چیزون کا جو ہوچکی یا ہوگی یا ہو رہی ہین سورہ اخلاص
مین ہے اللہ ایک ہے اللہ بے احتیاج ہے نہین جنا اور نہ جنا گیا اسکا کوئی ہمسر
نہین سورہ ملک مین ہے بڑا برکت والا ہے کہ جس کے ہاتھ مین ملک ہے۔ اور
سورہ شوری مین ہے اُس کے مثل کوئی شے نہین ہے اور سورہ فاطر مین ہے
اللہ غنی ہے اور ہم فقرا ہو سورہ نمل مین ہے اللہ مجیب المضطر کاشف السوء ہے
حی القیوم ہے (بقر) اللہ نور السموات والارض ہے مثال اسکے نور کی بیان کی ہے
(سورہ نور) فعال لما یرید ہے (بروج) اسکے ارادونکو کوئی روک نہین سکتا وہ سب سے حساب
لے سکتا ہے اور اُس سے کوئی نہین پوچھ سکتا (انبیا) جب کسی چیز کے ہونیکا وہ ارادہ و حکم
کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کن اور وہ ہو جاتی ہے (بقر) آنکھین اوس کو درک نہین کرسکتین
اور وہ اون کو درک کرتا ہے (سورہ قصص مین ہے) اور نہ پکار اللہ کے ساتھ دوسرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصاحت اور بلاغت کے حدود۔ بہت سے لوگ فصاحت اور بلاغت کو ہم معنی خیال کرتے ہین اور بہت سے لوگون کا یہ بھی خیال ہے کہ بلاغت کا استعمال معنے پر اور فصاحت کا الفاظ پر ہوتا ہے یعنے چستی الفاظ کو فصاحت اور معنی کی خوبی کو بلاغت کہتے ہین۔ امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہین کہ فصاحت اُس بیان کو کہتے ہین کہ کنجلک اُس مین نہ ہو۔ فصاحت کی مثال اُس صاف دودھ کی سی ہے جس سے جھاگ اُتار لی گئی ہو۔ ثعالبی نے کہا ہے کہ بلیغ اُس شخص کو کہین گے جس کے الفاظ زور آور ہون اور نئے نئے معنی اُس سے پیدا ہوتے ہون۔ مگر ثعالبی کے اس قول سے بلاغت کے ایک صنعت کی تعریف ہوتی ہے۔ بحتری نے لکھا ہے کہ عمدہ کلام وہ ہے جو مختصر ہو روشن ہو اور اُس کے سمجھنے مین دشواری نہ ہو۔ پس اس تعریف سے بھی ثعالبی نے جس صنعت کی تعریف کی ہے وہ نہین نکلتی۔ ابو عبداللہ خلیفہ مہدی کے وزیر نے کہا کہ بلاغت یہ ہے کہ خاص لوگ اُس کے بیان کو تسلیم کرلین اور وہ مطلب سمجھا سکے۔ حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ بلیغ وہ ہے جو تھوڑے اور عام فہم لفظون مین خوبی کے ساتھ مافی الضمیر ظاہر کرسکے۔ پس ان سب تعریفات مذکورہ سے اگر جدا جدا غور کیا جاوے تو بلاغت کی تعریف کماحقہ نہین ثابت ہوتی لیکن اگر ان سبھون کو اکٹھا کرلیا جاوے تو تعریف اور بلاغت کی حد ثابت ہوجاتی ہے۔ وہ جو تھوڑے اور عام فہم لفظون مین خوبی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ظاہر کرسکے کہ خاص لوگ بے کنجلک ہونے کے اُس کے بیان کو تسلیم کرلین اور عام طور پر مطلب سمجھا سکے اور ایسا مختصر و روشن و مدلل کہے جس کے سمجھنے مین دشواری نہ ہو کہ اُس کے

الفاظ زور آور ہون اور نئے نئے معنے اُس سے پیدا ہوتے ہون نہ اختصار ایسا کرے جس سے اُس کا بیان معما ہو جاوے اور نہ ایسی طوالت کرے کہ گھبرا دیوے اور لطف اختصار کو ضایع کر دیوے اُسکا وہ کلام بلیغ ہے اور فصیح وہ بیان ہے جو کان پر گران نہو اور زبان پر سہل الادا ہو۔ سورہ قصص مین ہے۔

وأخي هرون هو أفصح مني	کہا موسیٰ نے اے میرے خدا اور میرا بھائی ہارون وہ
لساناً فأرسله معي ردءاً يصدقني	زیادہ فصیح ہے مجھسے زبان مین تو بھیج اُسکو میرے ساتھ مدد کرنیوالا
إني أخاف أن يكذبون ۝	کہ میری تصدیق کرے مین ڈرتا ہون کہ مجھکو جھٹلا دینگے۔

پس اس آیت مین افصح کا لفظ ہے۔ اور دوسری آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ طلیق اللسان نہ تھے یعنے اُن کی زبان جلد جلد نہ چلتی تھی۔ لہذا زبان سے صاف لفظ نہ نکلتا غیر فصیح اسانا ہوتا ہے چنانچہ سورہ طٰہٰ مین ہے۔

قال رب اشرح لي صدري	کہا موسیٰ نے اے خدا میرے سینہ کو کشادہ کر اور
ويسر لي أمري واحلل عقدة	آسان کر میرے لئے میرے کام کو اور کھول گرہ میری
من لساني يفقهوا قولي ۝	زبان سے تا سمجھ سکین میرے قول کو۔
اور سورہ شعرا مین ہے۔ قال رب	کہا موسیٰ نے اے اللہ مین ڈرتا ہون
إني أخاف أن يكذبون ويضيق	کہ مجھکو جھوٹا سمجھین اور تنگی کرتا ہے میرا سینہ
صدري ولا ينطلق لساني ۝	اور نہین چلتی ہے میری زبان۔

لہذا اٹک اٹک کر بولنا جو ضیق صدر کے وجہ سے ہو جس قدر زیادہ ہوگا اُسیقدر کم فصیح اسانا ہوگا بلاغت کا نتیجہ و غرض یہ ہے کہ ابلاغ کافی ہو۔ پس اُس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلاغت لفظ و معنی دونون پر شامل ہوتی ہے اور فصاحت صرف لفظ سے تعلق رکھتی ہے

بلاغت کہتے ہین اور اُسی کا کلام حقیقہ واقع ہونا اور صاف طور پر ظاہر ہونا اعلیٰ بلاغت ہے۔

خطابت کے فواید و حدود۔ چونکہ فن خطابت تاثر و انفعال وجدان سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس لیے اُس کی پوری تعریف مختصر عبارت مین دشوار ہے مختلف طریقون سے اُس کا ایسا نقشہ کھینچا جاسکتا ہے جس سے اُس کی تصویر سامنے آجاوے۔ رسمی طریقہ پر مختصر تعریف یون کی جاتی ہے کہ خطابت اُس قوت محرکہ کو کہتے ہین جو الفاظ کے ذریعہ سے سامعین پر خاص اثر ڈال سکے۔ انسانی جذبات پر اثر ڈالنے اور اُن کو اُبھارنے مین خطابت کے ساتھ شاعری و موسیقی کا وہ حصہ جو لب و لہجہ سے متعلق ہے اور افسانہ بھی بعض خصوصیات مین مشترک ہین۔ ان سے ہر ایک کے نمایان اوصاف و خصوصیات سمجھنے سے باہمی صحیح فرق معلوم ہوسکتا ہے اور خطابت کی صحیح تصویر ذہن مین آجاتی ہے۔ انسان کو خود اپنے نفس کے مطالعہ کی ضرورت ہے جو مثالون کے ذریعہ سے قوت متاثرہ کی کیفیت سمجھ سکتا ہے۔ خطابت کی خصوصیت اور اُس کا کمال یہ ہے کہ جن باتون کو لوگ نہین یقین کرتے اگر وہی باتین خطابت کے اصول پر بیان کی جاوین تو مان لیوین اور عامی بھی باآسانی سمجھ لے اسی لیے کہا گیا ہے کہ خطابت معقولات سے زیادہ موثر و زود اثر ہے بجز مخصوص اشخاص کے خطابت سب پر اثر کرتی ہے۔ خطابت مین ایک قسم کی حکومت و زور بیان ہوتا ہے تاکہ کچھ رعب بھی ہو۔ بخلاف برہان کے کہ اُس کے مقدمات کے تحت و بیان مین زور ہوتا ہے اور بیان سادہ و صاف و بغیر حکومت کے کیا جاتا ہے تاکہ بغیر رعب کے سمجھنے مین بخوبی تمام آوے اور زیادہ آسان ہو۔

خطابت و شاعری۔ شاعری مین خیالات کی ایسی تصویر کھینچی جاتی ہے

جو لفظاً سادگی و معناً اثر و حقیقت پہ مبنی ہو یعنے اصلی حقیقت استعارات وغیرہ سے چھپ نہ جاوے۔ خطابت کلام موزون و مقفیٰ کے طور پہ بھی ہوتی ہے اور بغیر وزن و قافیہ کے بھی لیکن جو لوگ وزن و قافیہ کو شعر مین لازمی سمجھتے ہین وہ اُس خطابت کو جو بغیر وزن و قافیہ کے ہو شعر نہین کہینگے اور جو خطابت موزون و مقفیٰ ہو اُس کو شعر کہینگے۔ شاعر جب کسی اثر سے متاثر ہوتا ہے تو اُس کی زبان سے موزون و مقفیٰ عبارت بے ساختہ نکلتی ہے اگرچہ اُس کی غرض بھی نہین ہوتی کہ دوسرا کوئی سنا کر اُس سے متاثر کیا جاوے برخلاف اس کے خطیب سنانے اور متاثر کرنیکی غرض سے ساختہ یا بیساختہ عمل کرتا ہے اور حرکات بدنی اُس سے صادر ہوتی ہین۔ خطیب حاضرین یا مخاطبین کے عام مذاق کا تجسس و تفحص کرتا ہے اور خیال رکھتا ہے کہ سامعین کے جذبات و محسوسات کے خلاف نہ کہہ جاوے جس سے غرض خطابت حاصل نہو بلکہ کوشش کرتا ہے کہ جو کہے وہ سننے والون کے دل مین اُتر جاوے مگر جو شعر خطابت کی غرض سے نہ ہو اُس مین شاعر آزاد ہوتا ہے کہ جو کچھ خود اُس کے جذبات و احساس ہون وہ ادا ہون اور وہمیات اور دلفریب باتون سے کام لے جیسے صوفیانہ و ترک دنیا وغیرہ کے مضامین سے۔ پس شاعر بخلاف خطیب کے بیساختہ کہتا و آزاد ہوتا ہے کہ جو خود اُس کے جذبات و احساسات ہون اُن سے کام لے۔

خطابت و موسیقی۔ موسیقی کے تاثیر مین دو چیزون کو بہت دخل ہے۔ ایک معانی و مطالب کی خوبی۔ دوسرے فن موسیقی کے اصول و قواعد کی پابندی۔ اس لئے شعر کی جو تاثیر ہے وہ موسیقی مین جمع ہے اور شاعری و خطابت مین فرق سمجھ لینے کے بعد موسیقی و خطابت کا فرق سمجھ لینا آسان ہے۔ موسیقی مین اگر قواعد و اصول کی

پابندی نہ کی جاوے تو اگرچہ بہتر سے بہتر شعر اُس کے ذریعہ سے ادا کئے جاوین لیکن وہ اثر نہ ہوگا جو پابندی سے ہوگا۔ موسیقی کے موثر ہونے کا راز بہت زیادہ اُس کے اصول و قواعد کے ملحوظ رکھنے مین پنہان ہے۔ لہذا انہی اصول و قواعد کے ساتھہ لب و لہجہ خطیب کا بھی اگر بہتر ہو تو وہ اور زیادہ کامیاب ہوتا ہے لیکن جو خطابت دوسرون کے پڑھنے کے لئے ہو نہ سُننے کے لئے تو اُس مین لب لہجہ کی ضرورت نہین البتہ اس کا لحاظ چاہیئے کہ دوسرے پڑھنے والے بہترین لب و لہجہ کے ساتہہ اُس کو پڑہ سکین جو قواعد فصاحت و بلاغت سے تعلق رکھتا ہے۔

خطابت و افسانہ۔ افسانہ دراصل خارجی حالات زندگی اور اُس کے گرد و پیش کے اسباب و وقایع کے استقصا و استحصار کا نتیجہ ہے۔ افسانہ گو جب کسی خاص حالت یا کسی خاص چیز کا نقشہ کھینچے گا تو اُس کے لئے اُن چیزون کا ذکر کرے گا جو انسان کے گرد و پیش ہون۔ اگرچہ وہ خاص حالت یا وہ خاص چیز اپنے وجود کے لحاظ سے کتنی ہی ناممکن کیون نہ ہو۔ مثلاً دیو کی تصویر وہ یون بیان کرتا ہے کہ آدمی کے طرح تہا مگر اُس کا جسم فربہی مین ہاتھی سے زیادہ اُسکی سینگ بڑی اور دانت نوکیلے تھے۔ غرضکہ وہ ایسی اشیا کا ذکر کرتا ہے جس سے سُننے والے کبھی کانپتے اور کبھی ہنستے ہنستے لوٹ جاتے اور کبھی خوش ہوتے ہین۔ لیکن اگر خطیب اُن محال یا اُن کا اور اسی قسم کا ذکر کرے تو اثر قبول کرنے کے بجاے مجمع یا مخاطب اُسی پر ہنس پڑے اور اُس کی نادانی و جہالت سمجھے۔ اور موثر نہ ہو۔ پس خطیب اپنے گرد و پیش کے اسباب و وقایع کے استقصا و استحصار مین افسانہ گو کا گویا شریک ہے لیکن خطیب اگر واقعیت سے قدم آگے بڑہاے تو وہ افسانہ گو

خطیب نہین۔ اور اگر لب و لہجہ درست نہ رکھے اور الفاظ ایسے اپنی حکایت مین رکھے جس سے بہتر طور پر موافق اصول و قواعد کے نہ ادا ہوسکین تو وہ ایسا خطیب ہے جو اصول و قواعد سے ناآشنا و غیر پابندی کرنے والا اور ناقص خطیب سمجھا جاویگا۔ اور اگر اپنے ہی جذبات و محسوسات کے مطابق کہتا ہے اور سامعین یا مخاطبین کے جذبات و محسوسات کا لحاظ نہین رکھتا تو وہ شاعر ہے خطیب نہین اور سامعین مخاطبین کے عام مذاق کا تجسس و تفحص اُس نے نہین کیا نہ اُس کا اندازہ مناسب کیا ہے اور نہ اُس نے ان کا خیال کیا ہے کہ جذبات و محسوسات سامعین یا مخاطبین کے خلاف نہ کہے۔ غرضکہ خطابت کیلئے فصاحت و بلاغت لازم و ضروری ہین۔

تمدن و علم کا ترقی دینا مذہب کے حقیقت مین داخل نہین لیکن

لازمۂ ہدایت ہے وطریق ہدایت انبیاء۔ تصحیح عقاید و تربیت اخلاق اور تزکیہ نفس کامل اصلاح کے بعد لازمی طور پر علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنجاتے ہین اس بنا پر مذہب علم و تمدن کو ترقی دیتا ہے لیکن یہ ترقی مذہب کے حقیقت مین داخل نہین۔ پس اگر کوئی مذہب علمی اور تمدنی ترقی مین حصہ نہین لیتا تو اُس پر یہ اعتراض نہین کہ اُس نے علم و تمدن کو نشو و نما نہین دیا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اُس نے کامل طور پر عقاید اور اخلاق کی ایسی اصلاح نہین کی جو علم و تمدن کی ترقی کا ذریعہ ہو۔ مذہب زندہ اور نوخیز قوم کو تیار کرتا رہتا ہے۔ پس اگر عقلیات ہی کو اُس کی تعلیمات و تلقینات کا جزو و ذریعہ قرار دیا جاوے تو اُس کا نظام و مشن بدل جاویگا اور مذہب اپنی اصلی طاقت کھو دے گا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین جو لکھتے ہین اُس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور انبیاء کی سیرت یہ ہے کہ وہ لوگ اُن چیزون مین مصروف

متعین ہوسکے جن کا تعلق تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے متعین ہے۔ مثلاً
وہ لوگ حوادث فضائیہ جیسے بارش، گہن، ہالہ، نباتات و حیوانات کے عجایب چاند
اور سورج کے رفتار کی مقدار اور روزانہ واقعات کے اسباب، پیغمبروں
بادشاہوں اور شہروں کے قصے اور مثل اس کے متعین بیان کرتے۔ البتہ اس
قسم کے جن سے قوم کے کان آشنا ہوچکے ہیں ان کا کسی قدر اجمالی ذکر اضافتاً
استعارات و کنایات کے ساتھ خدا کی نعمتوں اور خدا کے گذشتہ واقعات کے سلسلہ
میں کردیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے آنحضرت صلعم سے چاند کے گھٹنے اور
بڑھنے کی وجہ پوچھی تو خدا نے اس سے اعراض کرکے صرف مہینوں کے فوائد بتا دیے
کہ لوگ اگر تم سے اہلہ کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہدو کہ اس کے ذریعہ سے
آدمیوں کا اور حج کا وقت معلوم کیا جاتا ہے لیکن ہم کو بہت سے لوگ نظر آتے ہیں
جو ان فنون کی شیفتگی یا دوسرے اسباب سے پیغمبروں کے کلام کا محل اس
موقع پر کرتے ہیں جو اس کا اصلی محل نہیں۔ (صفحہ ۸۰ مطبوعہ ہند)

شاہ صاحب نے پیغمبروں کی تعلیم اور تربیت کا ایک اور اصول بھی بتایا ہے کہ
اور پیغمبروں کی تعلیم و تلقین کی ایک سیرت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی فطری عقل
اور ان کے فطری علوم کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان
کہیں بھی موجود ہو لیکن فطرتاً اس کے علم و ادراک کا ایک حد ہے جو تمام حیوانات سے
بلند ہوتا ہے مگر جب مادہ بالکل ناقابل ہو جاتا ہے تو اس کی یہ ضرورت فنا ہو جاتی
و اس فطری علم کے علاوہ اس کے علم کا ایک درجہ اور بھی ہے جو یا تو بطور خرق
عادت کے حاصل ہوتا ہے اور یہ درجہ انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے

سخت ریاضت اور فلسفہ کلام اور اصول فقہ اور اُس کے مثل کے ممارست سے
حاصل ہوتا ہے لیکن انبیار کا تخاطب صرف اس علم و ادراک کے مطابق ہوتا ہے
جو فطرةً ان مین ودیعت کیا گیا ہے اور وہ اُس علم کے طرف توجہ نہین کرتے
جو ان اسباب سے حاصل ہوتا ہے جو بہت کم وقوع پذیر ہوتے ہین یہی
وجہ ہے کہ انبیار نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ اپنے رب کو تجلیات شاہدۃ
دلایل اور قیاس سے پہچانین اور نہ اُن کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ اُس کو منزہ
عن الجہات تسلیم کرین کیونکہ جن لوگون نے اس قسم کی ریاضتین نہین کی ہین اور
مدت تک معقولین کی صحبت مین نہین رہے ہین اُن کے لئے یہ تکلیف مالایطاق ہو
اور اسی لئے انبیار نے لوگون کو دقیق مقربات کے ذریعہ [illegible] استنباط نتایج اقامتِ
دلیل وجوہ استحسان اور اشباہ و نظایر کی تفریق غرض ان تمام چیزون کی
ہدایت نہین کی جنکی بنا پر اصحاب رائے اہل حدیث پر زبان درازی کرتے ہین۔

کلام انبیار کے تمثیلی و تشبیہی ہونے کا سبب۔ غور کرنے کی
بات ہے کہ اللہ تعالے نے ہمارے تہذیب اخلاق و تصحیح تعامل کے آسان
و ہموار کرنے اور پاکیزگی روح کے لئے انبیار بھیجے اور اُن کے طرف وحی کی
تاکہ اُس سے ہم اپنے اخلاق بھی درست کرین اور نجات ابدی بھی حاصل کرین۔
پھر وہ تعلیمین ہمارے خیال اور گمان مین بھی نہ تھین۔ علاوہ اس کے اُن مین
دقیق و نازک مضامین بھی تھے جن کا سمجھ مین آنا اور اُن کی اصلیت و حقیقت کا
دریافت کرنا انسان کی سمجھ اور فکر سے باہر تھا اور ایسے مضامین تو بہت کثرت سے
تھے جن کا بغیر ترقی علم کے سمجھ مین آنا غیر ممکن تھا اور رحمت اور حکمت الٰہی مقتضی

اس بات کی تھی کہ ہماری تمام جماعت انسانی بقدر اپنی اپنی استعداد کے اُس سے فایدہ اُٹھاوے خصوصاً اُس وقت مین بھی جب کہ ہماری سوسایٹی بچپن کے حالت مین تھی اور کسیطرح علم نے ترقی نہین پائی تھی - اس لئے مقتضاے حکمت یہ تہا کہ خدا کی وحی ایسے طور و انداز بیان سے نازل ہو کہ اُس کے اصل نتیجہ سے کسی زمانہ مین اور کوئی شخص محروم نہ رہے - پس ضرور ہوا کہ ایسے مضامین جو در حقیقت انسان کے احساس سے مافوق ہین اور جنکا ادراک حواس ظاہری کے ذریعہ سے متعلق ہوتا تہا یا بچپن کی حالت ہماری سوسایٹی کی اُن کے سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتی تھی وہ بطور مثال اور تشبیہ کے بیان کئے جاوین اور گو کہ وہ مضامین مثالی اور تشبیہی کسی زمانہ مین حقیقی سمجھے گئے ہون مگر اُس سے کچھ نقصان اور قباحت ہماری خلقی اور روحانی تمامت مین نہ اوے جسطرح یہہ کہ بیان ہوئے تھے اُس کے نتیجہ مین خواہ وہ مضامین مثالی اور تشبیہی سمجھے جاوین خواہ وہ اصلی اور حقیقی کسیطرح کا تفاوت نہ تہا ان باعثون کے سبب ضرور تہا کہ کلام الٰہی صرف بطور حقیقت ہی کے نہ بیان کیا جاوے بلکہ بطور مثال اور تشبیہ کے بھی ہو تاکہ ہماری ضعیف عقل اُس کے ذریعہ سے اُس اصلی تعلیم اور اُس کے نتیجہ سے محروم نہ رہے - پس کلام الٰہی کو تمثیل اور تشبیہ سے خالی سمجھنا اور اُس کے سیاق اور اُس کے مقتضی سے درگذرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اُس کے تمام کلام کو تمثیلی اور تشبیہی اور خیالات شاعرانہ سمجھنا - جس طرح کہ اقسام مذکورہ بالا کے مضامین نے جو کلام الٰہی مین واقع ہین اُس پر اعتقاد رکھنے والون کو گھبرا لیا ہے اُسی طرح ان مضامین نے بھی جو کلام الٰہی مین واقع ہین اور حال کی ترقی علم نے اُن کے برخلاف ثابت کیا ہے حد سے زیادہ اُن کو گھبرا دیا ہے - مگر وہی ترقی علم ہم کو یہہ بھی

دکہاتی ہے کہ اُن الفاظ کی تعبیر معانی مین جس قدر قصور تہا ہمارے علم کا تہا نہ کلام الٰہی کا
انسان کی روحانی تربیت انبیاؑر کے ذریعہ سے حاصل ہوتی رہی ہے۔ جو امور کہ تجربہ
اور ترقی علم پر منحصر ہین وہ روز بروز انسان کو حاصل ہوتے جاتے ہین۔ اس لیے
ضرور تہا کہ جو الفاظ انبیاؑر کے دل مین ڈالے جاوین وہ انسان کی ہر حالت علم اور
سمجہ سے باہر نہ ہون مگر اُس کے ساتہ یہ بھی ضرور تہا کہ وہ الفاظ حقیقت کے بھی
برخلاف نہ ہون تاکہ ہر ایک زمانے کے آدمی بقدر اپنے علم کے جو اُس زمانہ مین
رکہتے ہین اُس سے روحانی فایدہ اُٹہاوین اور جب کہ انسان کے علم کو
زیادہ تر ترقی ہو اور حقیقت اشیار نسبت سابق کے زیادہ تر اُس پر منکشف
ہون تو وہ جان لے کہ جو الفاظ انبیار کے دلون مین ڈالے گئے تھے وہ بھی اُسی
ترقی یافتہ علم کے طرف اشارہ کرتے تھے۔ اُن کے معانی کے تعبیر مین جہان تک
قصور تہا ہمارے ہی علم کا تہا نہ اُن الفاظ کا۔ اس بیان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کلام
انبیار کا کس قدر عظمت اور منزلت رکہتا ہے کہ باوجود ہمارے مخالف اور متباین
خیالات کے مطابق حقیقت اور ہر ایک وقت ہماری روحانی تربیت کو مفید اور
کافی تہا۔ انبیاؑر بلا شبہہ خدا کے طرف سے حقیقت اشیار اور اُن الفاظ کے
حقیقی مراد سے واقف تھے مگر چونکہ وہ الفاظ صرف ترقی علم سے علاقہ رکہتے تھے
اور ہر ایک زمانہ کے آدمی بقدر اپنے علم کے اُن الفاظ کے جو معنے تعبیر کرتے تھے
اُس مین انبیار کو مداخلت کرنی ہرگز ضرور نہ تھی کیونکہ وہ لوگ روحانی تربیت اور
ابدی نجات کی راہ بتانے کو آئے تھے نہ اُن الفاظ اور اصطلاحات کی اصلاح
سمجہانے کو اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو جو اصل کام اُن کا تہا وہ پیچہے پڑ جاتا اور

ایک نیا جھگڑا برپا ہوتا جو اُس زمانے کے علم اور اُس زمانے کے آدمیوں کی سمجھ سے بالکل باہر ہوتا۔ ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اُس طرز کلام میں نازل ہوا ہے کہ اُمّی اور عالم اور جاہل و فلسفی کسی طرح پر اُس کے معنے سمجھیں سیدھے سادہ طور پر یا علمی و فلسفی طور پر مگر نتیجہ میں سب متحد ہو جاتے ہیں۔ کوئی کلام بجز قرآن مجید کے ایسا نہیں ہے کہ وہ جاہل اور اُمّی محض کو بھی اُس نتیجہ پر پہنچا وے جس نتیجہ پر ایک عالم فلسفی کو پہنچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اُس سے فایدہ اُٹھا کر منزل مقصود پر پہنچتا ہے اور قرآن مجید ہمارے ہر درجہ علم میں اُن اُمور میں جن کی ہدایت کے لئے وہ نازل ہوا ہے یکساں ہدایت کرتا ہے۔ اُس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاوے گی اور اُس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اُس پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کے الفاظ اُس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں اور ہم کو ثابت ہو جاوے گا کہ جو معنے ہم نے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ قرآن مجید کا پس اگر ہمارے علوم کو آیندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جاوے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو پھر ہم قرآن مجید پر رجوع کرینگے اور اُس کو ضرور مطابق حقیقت پاویں گے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنے ہم نے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔ مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے پہلے سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع اور غروب ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے

اب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن مجید مین بطور حقیقت واقع کے بیان نہین ہوا بلکہ علی ما یشہدہ الناس بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے۔ پس ہم نے جو اُس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ کہ قرآن مجید کی۔ غرضکہ ترقی علوم سے ہم کو ان امور سے رجوع کرنا جو ہمنے پہلے قرآن مجید کے نسبت قرار دیئے تھے اور قرآن مجید کا اُس کے مطابق پانا جس کے طرف ہم نے بعد ترقی علم رجوع کیا ہے ہمارے علم سابق کا نقصان اور قرآن مجید کے کامل ہونے کا ثبوت ہے مگر ہمارے نسبت کسی قسم کے طعنہ زنی کا سبب نہین۔ پس یہ اعتراض بے وقعت ہے کہ کیا عجب ہے کہ آیندہ زمانہ مین ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت محققہ معلوم ہوتے ہین وہ غلط ثابت ہون۔ اُس وقت قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنے قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وہلم جرا۔ لہذا قرآن مجید لوگون کے ہاتھ مین ایک کھلونا ہو جاوے گا۔ کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید حقیقت امور کے مطابق ہے۔ اور کسی سچائی پر پہنچنے کا طریقہ اور حقیقت امور کے سمجھنے کا وسیلہ بجز اس کے اور نہین ہے کہ علوم موجودہ کے مطابق وہ صحیح سمجھا جاوے اور اس طرح اصلی امر اور حقیقی بات کی تحقیق ثابت ہو جاوے گی اور اگر اس خیال سے کہ کیا عجب ہے کہ آیندہ غلط ثابت ہو ہم تحقیق چھوڑ دیوین تو صحیح بات تک ہم کبھی نہین پہنچ سکتے۔ دوسرے فلسفیانہ طریقہ یہ ہے کہ وقوع ثابت کیا جاوے نہ امکان۔ امکان عقلی ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے نہ وجودی۔ علاوہ اس کے جس چیز کا کبھی وقوع نہ ہوا ہو اُس پر امکان کا اطلاق غلط ہے۔ دوسرے بحث اس پر بھی آجاتی ہے کہ جب کہ بلحاظ علوم و فنون ما بعد کے

قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے جس سے اہل عرب ناواقف اور غافل تھے اور
بدوی و تمام اہل عرب اُن سے ناآشنا تھے ایسی حالت میں بھی کوئی نئی بات
ہم کو نہیں کرنا چاہیئے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے
مفہوم و معنون پر متوجہ ہونا چاہیئے جو علوم کی ترقی کے نسبت ہم کو صحیح و درست معلوم
ہوتے ہوں مثلاً اہل عرب بجز اس کے کہ جس پر وہ رہتے تھے اُس کو ارض کہتے
تھے اور جو نیلی نیلی چیز گنبد نما اُن کے سر پر تھی اُس کو سما جانتے تھے اور دیگر بحثوں سے
جو علوم میں اُن سے متعلق ہیں ناواقف تھے یا ارض و سما کہتے ہیں اُس سے مقصود نہیں
رکھتے تھے اور وضع کرتے وقت اُن کا خیال تک بھی نہیں تھا۔ پس ایسے دیگر معنے کو بمقابلہ
اس کے جبکہ بلحاظ علوم کے قرآن مجید کے الفاظ پر بحث کی جاوے نظر انداز کرنا چاہیئے
بحثیں جہاں تک ہیں صرف اُن امور سے متعلق ہیں جو علوم اور صنعیات سے علاقہ
رکھتی ہیں۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں اور جن کے لیے لا الہ الا
اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے ہر وقت میں ایک حالت مستقل پر قایم ہیں اُس میں
کسی قسم کی ترقی و تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ جس کے لئے منطوق آیہ کریمہ
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا
شاہد عادل ہے۔ اور وہ محکم طور پر اور متواتر اسلوب سے بیان ہوئے ہیں تاکہ
اُس میں شک و تبدیلی نہ ہو لہذا ہر زمانہ و علوم کے موافق اور ہر قسم کے لوگوں کی
ہدایت ہونا اور رہونا عام فہم خاص پسند کا لانا ایسا معجزہ ہے جس کے سبب بھی خدا نے
فرمایا۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ — کوئی سورہ جو مثل قرآن کے کسی حصہ کے ہدایت
وادعوا شہداءکم من دون اللہ — کرتا ہو اُس کے مثل لاؤ اور اپنے شہداء کو بلاؤ

ان کنتم صٰدقین ٥ اگر تم صادق ہو۔

قران مجید کیون آخر و مکمل و متمم کتاب الہامی ہے۔

قران مشتق ہے قرء سے۔ آخر و عالمگیر کتاب جب ہی اللہ کے طرف سے نازل ہونی چاہیئے اور جب ہی ختم نبوت ہونا چاہیئے جب دنیا کے مختلف ممالک مین آمد و رفت و رسل و رسایل کے ذرایع تکمل آ دین اور دنیا کے قومون کی سکونت کا علم دنیا کی قومون کو ہو جاوے اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو جاوے اور دنیا مین دلایل کی پیاس مختلف حقایق کی تنقید کے لئے محسوس ہونے لگے ایسے وقت یا ایسے زمانے کے آغاز پر ایک عالمگیر و خاتم کتاب و الہام کا نازل ہونا ضروری ہے کیونکہ جب دنیوی تمدن انسانون کو اکٹھا کرے تو روحانی تمدن بھی ان مین یگانگت و وحدت پیدا کرے۔ پس جب تک دنیا مین عالمگیر آمد و رفت کے ذرایع تکمل آ دین تب تک ایک ہی ناطق الہام موزون نہین ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ قدیم الہامون کے سرچشمہ سے تمام دنیا سیراب نہین ہوئی اور خود چشمجات مذکور تمام دنیا مین نہین پھیلے۔ اگر یہ غلط ہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ ایک کتاب تین ہزار برس پہلے سے ضروریات جزئی کی تعلیم کر دی گئی اور ان احکام کے اس وقت تک اس کے غیر مشہور و معطل رکھنے کا حکم ہے جب تک زمانہ مذکورہ آوے اس وقت بھی اگر کل روے زمین کی تہذیب و عقول کا موازنہ کیا جاوے تو ہم کو مختلف مدارج نظر آتے ہین جو ہمین افریقہ کے مادر زاد وحشیون سے لیکر یورپ وغیرہ کے بعض عقلا کو دکھاتے ہین۔ لہذا کیا ایک ایسی عالمگیر کتاب کی ضرورت نہین ہے کہ ابتدائی مدارج سے لیکر انتہائی مدارج تہذیب تک تمام مختلف تہذیب و عقول کے

مدارج کی اصلاح و تربیت کے سامان اپنے اندر رکھے اور سب مدارج کی ہدایات کا
خلاصہ و بہترین عطر اُس مین موجود ہو وہ ایک وحشی انسان کو بھی معمولی تمدن کی عادات
سکھلا کر ابتدائی تہذیب کے دروازہ تک پہنچا وے پھر بتدریج اخلاق و انتہائی
تہذیب کا سبق دیوے اور آخر کو سعادت انسانی و کمال بشری تک کی رہبری کر کے
درجہ مذکور تک اُن کو پہنچا دے۔ الہام کی اصلی و حقیقی غرض و غایت انسان کو
متمدن بنا کر اُس کے مضمرہ قوے سے فعل کرانا اور اُن کو شگفتہ کرنا اور ترقی دینا
و عبد صالح بنانا ہے۔ لہذا عالمگیر الہام وہی ہو سکتا ہے جو تمام عالم کے مختلفہ
طبقات کے انسانون کی مخفی قوتون اور استعداد کو کمال حقیقی مطلوبہ تک پہنچا دے
اور مختلف الحال و ملکون کی اصلاح کا سامان اپنے اندر رکھے۔ دوسرے در اصل
ہر ایک ملک و قوم مین خواہ اُس کے بعض افراد تہذیب و تمدن کے کیسے ہی
اعلی مدارج پر کیون نہ ہون ایسے لوگ بھی بہت ہوتے ہین جو تہذیب و تربیت کے
ابتدائی مدارج سے لیکر درجہ بدرجہ انتہائی درجہ تک کے بھی محتاج ہوتے ہین
لہذا اُن کی رعایت بھی لازمی ہے۔ تیسرے ابتدائی تہذیب کے ہدایات مین بعض
ایسی باتین بھی ہین جن کو آج تک مہذب زمانہ کا حقہ نہین سمجھا اور اس لئے اُن پر
عمل نہین کرتا اگرچہ اُن کے طرف کچھ کچھ توجہ شروع ہو گئی ہے۔ پس اُن کی
غفلت دور کرنے کے لئے احکام بھی ہونا چاہئین تا کہ وہ وقت پر صحیح ثابت ہون
جیسے شراب و قمار بازی وغیرہ نے یوروپ کے اخلاق کو برباد کر دیا ہے اُسکی
بابت ہدایات پہلے ہی سے الہام مین ہین۔ لہذا ہم کسی طرح نہین کہہ سکتے کہ قرآن کریم نے ابتدائی
مراحل تہذیب کی ہدایات کرنے مین نسل انسانی کی شرافت کا لحاظ نہین کیا

اس سے زیادہ اور کیا جوہر انسانیت کی قدر ہو سکتی تھی کہ اُن امور سے خلاف گُھلی
ہدایات قرآن مجید مین ہے جس سے جوہر انسانیت کی قدر نہین ہے قرآن کریم نے
جہان ہر امر کی ہدایت کے لئے عام اصول تعلیم دیکر اعلیٰ ترقیات کے لئے
اختیار دیا ہے اور فروعات چھوڑ دیا ہے وہان اُن امور کے متعلق جو انسان کے
ساتھ ابتدا ہی سے لاحق ہوتی نہین ہین جن کا اختیار کرنا آگے ہر طبقہ تہذیب
مین ضرور ہوتا ہے اور اون کی نوعیت نہین ہوتی اونکی بابت حکم دینے مین دریغ
نہین کیا کیونکہ انسان کو ایسے امور کی ہدایت ہادی مطلق سے نہ ملے تو وہ ایک ایسے
وقت نیک و بد کے امتیاز پر مجبور کیا جاتا ہے جب اُس مین قوت تمیزی نہین اور
جس اختلاف کو وہ رفع ہی نہین کر سکتے۔ لہذا ممکن ہے کہ نسل انسانی ایسے وقت
بعض خطرناک اور ضرر رسان غلطیون کی خوگر ہو جاوے مثلاً مشروبات مین سے
شراب کو روک دیا گیا جس کے بہت زمانے بعد انسان اُس کے مضر ہونے سے
واقف ہوا تب بھی اُس کی غلامی سے آزاد نہین ہو سکا اور انسانی تہذیب و ترقی
و انسانی معلومات کما حقہ اُسکی استمداد نہ کر سکی۔ پس جس کتاب مین ایسے الہام ہین
اُس کی کیون نہ کما حقہ قدر کی جاوے۔ قرآن مجید بلحاظ فصاحت و بلاغت و لطافت
و معقولیت و جامعیت و صالحیت و اثر و حجج و برہان و کامیابی بشیر و نذیر ہونے کے اپنا نظیر نہین رکھتا
وہ مذہبی دعاؤن کا مجموعہ یا رہبانیت کا دستور العمل نہین بلکہ مذہبی گروہ کیلئے
جامع شریعت قومیت کے لئے بہترین ضابطہ سلطنت کے لئے اعلیٰ درجہ کا
اساسی قانون نظام معاشرت کے لئے اصول اولین اور مومنین کیلئے ہدایت ہے
جس پر عمل کرکے انسان پستی سے بلندی کے طرف ناپاکی سے پاکیزگی کے طرف

جہالت سے علم کی طرف ترقی کرتا ہے۔ قران شریف کی جامعیت اس پر شاہد ہے
کہ اُسے دوسری کتابون پر وہی فوق حاصل ہے جو کلام خدا کو انسانی کلام پر ہوتا ہے
مفید و پُر از اخلاص خیالات۔ واشنگٹن اور نگ نے سیرت محمدیؐ مین
لکھا ہے کہ قران مجید مین نہایت بلند و مفید و پُر از اخلاص خیالات مندرج ہین
مسیحیت پر اثر۔ مشہور مسیحی پادری ڈین اسٹینلی نے مشرقی کلیسا کے صفحہ ۲۷۹
مین لکھا ہے کہ مسیحیت پر انجیل کے ضابطہ نے اس قدر گہرا اثر نہین پیدا کیا
جس قدر کہ ضابطہ قران نے پیدا کیا ہے۔ زبان عربی خالص و فصیح اور
بے عیب معیاری و پوری پابندی تعلیم ذریعہ نکاری۔ جی سیل ترجمہ قران کے
دیباچہ مین لکھتے ہین کہ قران کے متعلق تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ وہ انتہا درجہ کی فصیح
و بے عیب زبان مین لکھا گیا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ اس کی زبان عربی زبان کا معیاری
پاپولر انسائیکلوپیڈیا جلد ششم کے صفحہ ۳۲۶ مین ہے کہ قران کی زبان فصیح ترین
و خالص عربی خیال کیجاتی ہے اور اُس مین طرز بیان اور شاعری کی ایسی خوبیان
و خوبصورت نظایر موجود ہین کہ اُس کی نظیر پیدا نہین ہو سکتی۔ اُس کی اخلاقی تعلیم
بالکل خالص ہے اور جو پوری طرح اُس پر کاربند ہو وہ نیک زندگی بسر کر سکتا ہے
کامیابی۔ ہربرٹ لکچرز مین یہ فقرات موجود ہین۔ اسلامی قانون قابل تعریف
اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اُسے اُن اصول کی تعمیل
و انجام دہی کے زبردست حمایت مین کامیابی حاصل ہوئی ہے۔
قانون کاسب پر حاوی ہونا و معقول و بےنظیر فقہ پر مشتمل ہونا۔ اڈمن برک نے
اُپیچ مسٹ آف وارن ہسٹنگز مین قران مجید کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ اسلامی

قانون ایک تاجدار سے لیکر ادنے ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے - یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے جسکی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہین کرسکی۔

نظام سلطنت بتایید و منظوری مذہب - ڈیوڈ ارکوہرٹ اپنی کتاب روح المشرق کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ اسلام بطور ایک مذہب کے کوئی جدید اعتقاد و جدید وحی و جدید خیال پیش نہین کرتا اُس نے نہ تقسیمت کی بنیاد رکھی ہے اور نہ کلیسا سے حکومت کی وہ رعایا کو ایک ضابطہ اور سلطنت کو ایک نظام ترتیبی پیش کرتا ہے جس کو مذہب کی منظوری و تایید سے طاقت دی گئی ہے۔

تمدن و تہذیب مذہب کی خصوصیات ارکان اعظم - ڈاکٹر کینن ایرک کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے جس کو بحیثیت صدر کلیسا ے انگلستان سنہ ۱۸۷۰ع مین اُسنے کی تھی اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اُٹھاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اُس کو سیکھے - صاف کپڑے پہنے اور صفائی سے رہے جو حکم دیتا ہے کہ استقلال و استقامت و عزت نفس نہایت لازمی و فرض ہین - بلا شبہہ دین اسلام کے فواید و منافع یقینی ہین اور اُس کی خصوصیات شایستگی دنیا کی سب سے بڑی بنیاد بلکہ ارکان اعظم ہین۔

جدید انکشافات و تعلیمات قرانی کا مخالف نہونا اور پہلے سے موجود ہونا - فرانس کے سب سے مشہور پادری ڈاکٹر لوران فرماتے ہین کہ جدید علمی انکشافات مین یا اُن مسایل مین جن کو ہم نے اپنے علم کے زور سے حل کیا ہے نامور و انسی تعاینکی نظر مین کوئی ایسی بات نہین جو تعلیمات قرانی کا مخالف ہو - ہم عیسائیو ن ــــــ

علم سائنس کے ہم آہنگ وہم نشین بنانے میں اب تک جتنی کوششیں کی ہیں اسلام
و قرآن میں یہ سب کچھ پہلے ہی سے موجود ہے اور پوری طرح سے موجود ہے۔

پارلیمنٹری قانون و حقوق و عظمت کا جامع ہونا و شاندار اجتماعی قانون۔
شمالی نیجریا کی شاہی مجلس میں ڈاکٹر موڈل نے کہا تھا کہ اسلام کی طاقت قرآن مجید
ہی ہے جو اپنی جلد میں پارلیمنٹری قانون حقوق و عظمت ان سب کو جمع رکھتا ہے
یہ ایک عظیم الشان کتاب ہی نہیں بلکہ ایک نہایت شاندار اجتماعی قانون بھی ہے۔
سخت غلطی ہوگی اگر اہل نظر اس کی طاقت کا اعتراف نہ کریں جس نے اپنے پیروؤں
کے جھنڈے فلک الافلاک تک پہنچا دیئے اور افریقہ کے بربروں میں ایسی نئی
روح پیدا کی کہ اپنے پاکیزہ احکام و اعلیٰ تعلیمات کا اُن کو ایسا خوگر بنایا کہ اُن کی
ہمسایہ قومیں جو مسلمان ہیں کسی طور و طریق میں بھی اُن کے ہم رنگ نظر نہیں آتیں۔

قرآن مجید کا اثر زندہ و پُر زور جوش ایمان غیر مذہب ہونا و حدانیت
خالص و محض کی اشاعت قرآن مجید نے پہلے پہل دنیا میں کی
جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں ہے۔ فرانس کے نامور مستشرق
ڈاکٹر کشاولی بان کہتا ہے کہ تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ گزشتہ
سلسلے میں وحدانیت خالص و محض کی اشاعت دنیا میں کی جس نے اُن تمام قوموں
کو جو مصر و یونان کے سلاطین قسطنطنیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں دعوت پہنچا کے
ساتھ ہی مسلمان ہو جانے پر آمادہ کیا حالانکہ کوئی ایسی مثال کسی قوم کی خواہ وہ
فاتح ہو یا مفتوح موجود نہیں ہے جس نے کبھی دین عیسوی قبول کیا ہو کسی مذہبی
کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس میں فلسفی خیالات

کیسے ہین بلکہ یہ دیکہنا چاہیے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اُس کتاب مین کیگئی ہے اُنہون نے دنیا مین کیا اثر پیدا کیا۔ اسلام قلوب مین اس قسم کا زندہ و پرزور جوش ایمان پیدا کردیتا ہے کہ پھر اُس مین مطلقاً شک کی گنجایش نہین رہتی۔

قرآن شریف کی اعانت سے جلد جہان فتح و علم وفن زندہ اور علوم جدیدہ پیدا ہوا۔ کوارٹرلی ریویو مین ایک عیسائی نے قرآن مجید کی نسبت لکہا تہا کہ ہم اس عجیب کتاب کی ماہیت کے طرف متوجہ ہوتے ہین جس کی اعانت سے عربون نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جس قدر زمانہ کہ روم کو اپنے فتوحات حاصل کرنے مین لگا تہا اُس کا دسوان حصہ بھی اُن کو نہ لگا۔ ایسی کتاب جس کی اعانت سے بنی سام (عرب) بحیثیت سلاطین یورپ مین آئے تھے جہان اہل فینقیہ تاجرون کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیرون یا قیدیون کے طرح آئے تھے یہی لوگ معہ اُن پناہ گیرون کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکہانے کے واسطے نمودار ہوئے تھے یہی لوگ جبکہ تاریکی محیط ہورہی تھی یونان کے مردہ عقل و علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب و اہل مشرق کو فلسفہ طب ہیئت اور نظم لکہنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکہانے کے لئے آئے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے۔

قرآن مجید مین تمام امور منضبط و باقاعدہ مشترکہ قانون کی حیثیت سے منسلک ہین و احترام خالق ہر جگہہ ملحوظ اور غیر فصیح و مخرب اخلاق و نامناسب خیالات وغیرہ سے وہ محفوظ ہے۔ ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب محمدؐ و قرآن مین لکہا ہے کہ قرآن عالم اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے جو معاشرتی

تجارتی - فوجی - عدالتی اور تعزیری معاملات پر حاوی ہے لیکن با این ہمہ ایک مذہبی ضابطہ بھی اُس نے ہر چیز کو با قاعدہ بنایا ہے مذہبی رسوم سے لیکر خیالات روزمرہ کے اعمال روحانی نجات سے جسمانی صحت اجتماعی حقوق سے انفرادی حقوق شرافت سے مساوات اور دنیاوی سے لیکر آخروی عقوبت تک تمام امور کو سلک ضابطہ مین منسلک کر دیا۔ قرآن مجید کے بیشمار اوصاف مین سے دو زیادہ واضح ہین اول وہ ہیبت و احترام کا لہجہ جو اُس خالق اکبر کے متعلق ہر جگہ اُس مین ملحوظ رکھا گیا ہے جس کے طرف کوئی انسانی کمزوری و انسانی خواہش منسوب نہین کی گئی - دوسرے یہ ہے کہ اُس مین اول سے آخر تک غیر فصیح و مخرب اخلاق و نامناسب خیالات و محاورات و حکایات کا نام و نشان تک نہین پایا جاتا بخلاف اس کے افسوس ہے کہ تمام خرابیان اُس کتاب مین بکثرت موجود ہین جس کا نام پیروان مسیح نے عہدنامہ قدیم رکھا ہے -

قرآن مجید مین فطرت کائنات سے دلایل و حقیقی شاعری کی شان بابت معاد وغیرہ - سر ولیم میور جنہون نے اپنی ساری عمر اسلام کی مخالفت مین صرف کر دی ہے لکھتے ہین کہ قرآن مجید مین فطرت کائنات سے بہت سے دلایل اخذ کیے گئے ہین جن سے مقصود خدا کو اعلیٰ ترین ہستی ثابت کرنا اور بنی نوع انسان کو اُس کی اطاعت اور شکرگذاری پر متوجہ کرنا ہے - اُس مین عالم آخرت مین حسنات و سیآت کا اجر نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی ضرورت مخلوق پر عبادت خالق کی فرضیت اور اُس کے خوشگوار نتایج وغیرہ نہایت فصیح اور موثر زبان مین مسطور ہین اور اکثر مواقع مین حقیقی شاعری کی شان اسیطرح

قیامت کے اعتقاد کی معقولیت بڑے پر زور دلائل سے ثابت کی گئی ہے اور بالخصوص اس کے ثبوت میں اُس زمین کی نظیر پیش کی گئی ہے جو مدت مدید سے ویران اور خشک پڑی ہو کر یکایک کثرت سے مینہ برسے اور اسمین زندگی اور سر سبزی کے نہایت خوشگوار آثار پیدا ہو جاوین۔

قرآن مجید کا مناسب محل وقت ہونا اور تمام لوگون کے لئے مصلح ور وشنی ہونا۔ ڈاکٹر جانسن کی جس کا فضل و کمال پوشیدہ نہین ہے یہ ... رائے ہے کہ قرآن شریف شعر نہین اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ شعر ہے یا نہین وہ شعر سے بھی کچھ زیادہ ہے نہ وہ تاریخ ہے اور نہ سوانح عمری وہ پہاڑی وعظ کے طرح مجموعہ اشعار بھی نہین ہے اور نہ بودھ کے کتاب کی مانند مابعد الطبیعات اور نہ نیز افلاطون کے مجلس عقلاء کے مثل پند و موعظت ہے وہ ایک پیغمبر کی آواز ہے جو اول سے آخر تک سامی ہے تاہم اس کے معنی ایسے عام اور مناسب وقت ہین کہ زمانے کی تمام آوازین طوعاً و کرہاً اُنکے متحمل ہو جاتے ہین اُس کی آواز باز گشت محلون اور ریگستانون پر شاہون اور سلطنتون پر یکسان گونجتی ہے جو اول تو اپنے منتخب قلوب کو فتح عالم پر آمادہ و مستعد کرتی ہے اور اُس کے بعد اپنے آپ کو ایک مصلح و بناکن قوت کی شکل مین یون مجتمع کرتی ہے کہ یونان و ایشیا کے سارے موجد روشنی عیسائی یوروپ کے گران بار وحشت مین اُس وقت سے نفوذ کرتی ہے جب کہ عیسائیت محض شبہائے تاریک کی ملک تھی۔

قرآنی شریعت کا سب پر حاوی ہونا و دانشمندانہ اصول و بینظیر

عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہونا۔ نامور مورخ گبن لکھتا ہے کہ بحر اٹلانٹک سے لیکر دریائے گنگا تک نے قران مجید سے نسبت مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح و قانون اساسی ہے اور صرف اصول مذہبی ہی کے لئے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کے لئے تمدن کے لئے اور ان قوانین کے لئے بھی جن پر نظام عمرانی کا مدار ہے جن سے نوع انسان کی زندگی وابستہ ہے جن کو حیات اجتماعی کی ترتیب و تنسیق سے تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ کی شریعت سب پر حاوی ہے وہ اپنے تمام احکام میں بڑے بڑے شہنشاہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے فقیر و گدا تک کیلئے مسایل و معانی رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے کہ ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر و تمثیل نہیں مل سکتی۔

اپنی حیثیات کے لحاظ سے قران مجید واقعی معجزہ ہے۔ باسورتھ اسمتھ سیرت محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ تاریخ محمدؐ جیسا خوش نصیب انسان پیش نہیں کر سکتی وہ ایک قوم اور ایک سلطنت کے ساتھ ہی ایک مذہب کے بانی بھی تھے وہ بے پڑھے تھے اور بمشکل نوشت و خواند کے قابل تھے تاہم وہ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہیں جو نظم بھی ہے۔ ضابطہ قوانین بھی ہے دعاؤں کا مجموعہ بھی ہے اور بحیثیت مجموعی ایک مجموعی کتاب بھی ہے اور جس کی صداقت اور دانش و فصاحت کا معجزہ ہونے کی حیثیت سے نوع انسان کا چھٹا حصہ دل سے عزت کرتا ہے۔ محمدؐ مدعی ہیں کہ وہ معجزہ اور مستقل و پایدار معجزہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ واقعی ایک معجزہ ہے۔

قران مجید مین خلوص وسچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور کل خوبی انہین سے پیدا ہوتی ہین۔ کارلایل نے لکھا ہے کہ جب تم قران مجید کو ایک بار پڑھ چکو تو اُس کی خصوصیتین منکشف ہونے لگتی ہین ان مین ایک خوبی ایسی ہے جو ادنیٰ خوبیون سے بالکل مختلف ہے اگر ایک کتاب کا مضمون مصنف نے دلی توجہ سے ادا کیا ہے تو اُس کے الفاظ دوسرون کے دلون پر اثر ڈالتے ہین اور اس صفت کے مقابلہ مین ہر قسم کی مہارت وتجربہ کاری ہیچ ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قران مجید کی پہلی خصوصیت اُس کی اصلیت مین مضمر ہے یعنے اُس حقیقت مین کہ وہ حقیقی مضمون مین ایک کتاب ہے میرے نزدیک قران مجید مین خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور یہ وہ خوبی ہے جو ایک کتاب کیلئے جو واقع مین کتاب کہلانے کی مستحق ہے موجود ہونا چاہیئے دیگر اوصاف اس خوبی سے پیدا ہوتے ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے ہو سکتی ہے۔

شعبدہ و معجزہ۔ رسالہ اشاعت اسلام اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء مین پروفیسر نورالدین سٹیفن کے مضمون کا ترجمہ ہے کہ یہ بات کہ کسی آدمی کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ بعض اشیا کو جو واقعی موجود نہین ہین موجود دیکھنے لگے بلاشبہ درست ہے مین نے اُسے بارہا دکھایا ہے کہ جو شخص ایک سحر کا ہوتا اور جو چیز دکھائی جاتی وہ ہی خیالی ہوتی ہے جسکو انسان دیکھنا چاہتا ہے اور اسی شکل مین ہوتی ہے جسمین وہ دیکھنا چاہتا ہے۔ غرضکہ پروفیسر مذکور جو اُس کے ماہر ہین اسکو بے بنیاد سمجھتے ہین کہ کوئی کسی مردہ کی روح کو دکھلا سکے مضمون مین پورے طور سے اس کا ذکر ہے اور اس قسم کے امور کو شعبدہ کہا ہے جس کو وہ خود کرتے تھے۔ قران مجید نے حقیقت اور ضمیر انسانی کیطرف اپیل کی اور ہر ایک صداقت کے ثبوت مین مظاہر قدرت اور خود انسان کو اُسکے مشاہدہ کیطرف توجہ دلائی نہ معجزہ و عجائبات پر

ضرورت بعثت انبیاؤ مرسلین

چونکہ معارف عقل انسانی مستقل نہین و فکر بشر اکثر ان امور مین جو فرائض انبیا ورسل مین سے ہین قاصر ہے اور اوسکی رسائی سے وہ دور ہین لہذا ضرورت تھی کہ آدمیون مین سے ایسے حضرات بھی ہون جو واسطہ ہون اللہ اور اوس کے بندون کے درمیان اور جو اونکو حکم ہو اوسکو بندون تک نہایت امانت و دیانت سے پہنچا دیوین اور بلاغ مبین کرین اور اسطرح بشیر و نذیر کا کام دیوین اور جو امور ضروری ہون اونکی تصدیق اللہ تعالے کیطرف سے کرین کہ حق یہہ ہے اور اللہ تعالے اوسکے کرنے پر راضی ہے اور جزا وسزا کے متعلق بیان کرین کہ اعمال سیئہ کی اس قسم کی سزا ور اعمال صالحہ کی اس قسم کی جزا ہے اسطرح قسط پر انسان کو قائم رکھین اور کھڑا کر دیوین اور دین مین متفرق نہ ہونے دیوین اور طاغوت کے عبادت سے بچاوین اور اللہ تعالے کی عبادت کراوین اور اتمام حجت کر دیوین غرضکہ اُن امور کو انجام دیوین جنکا بیان مفصل محکم آیات قران مجید مین آیا ہے جسطرح رنگ آواز صورت قوت وضعف ہر ایک انسان کی دوسرے انسان سے متفادت و کم وبیش ہے اسی طرح فکر وعقول و احساسات وجذبات بھی بہت کچھ اختلاف رکھتے ہین اور کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے اور اختلاف تعلیم و تربیت والفت و موانست اور ترغیبات و تحریکات و تہیجات کے آثار اور بھی سدباب اختلاف اکثر ہوجاتے ہین پس اختلافات کے عملی طور پر

مٹانے اور مثال و نمونہ بننے کے لئے بھی ایسے برگزیدہ حضرات کی ضرورت ہے جو موید من اللہ ہوں اور اونکی اتباع کیجا سکے ایک ایسے خاتم النبیین کی ضرورت ہے جسکا خلق اکمل ہو تاکہ اوسکے افعال و اخلاق و اسوہ حسنہ دینی کو نصب العین بنا سکیں یہ ضروریات کچھ ایسی کم اہم و کم ضروری نہیں ہیں جن سے چشم پوشی کیجاوے بغیر ایسے بزرگوں کے کسی جماعت میں اتحاد عملی کما حقہ نہیں ہوسکتا اور نہ سب سے بہتر سوسائٹی نہیں بن سکتی۔ عام لوگوں کے جذبات و عام رائے میں بغیر ایسے شخص کے جو اللہ کیطرف سے ہونیکا دعوے نکرتا ہو اور مذہبی رنگ میں بیان نکرتا ہو اتحاد و اتفاق نہیں ہوسکتا۔ ان ضرورتوں کے سمجھنے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ پہلے خیال کر لیا جاوے کہ انسان کو اللہ تعالے نے کس فطرت و کس غرض سے پیدا کیا ہے یہ اللہ کا مقصود نہیں ہے کہ سب اونہیں صالح ہی ہو جاویں اور جزائے نیک پاویں اگر ایسا ہو تو آج ہی دنیا نہ رہجاوے بلکہ مقصد یہہ ہے کہ آزمایا جاوے کہ کون احسن عمل کرتا ہے اور کچھ ثواب پاویں اور کچھ عذاب اس قسم کی خلقت انسانی ہی ہے پس انبیا و رسل کا کام آگاہ کرنا و بشارت دینا ہے نہ کہ جبر و اکراہ کرنا اور ایمان پر بذریعہ آفات ارضی و سماوی مجبور کرنا

بعض آفات ارضی و سماوی کو مرسلین کے کافرین پر عذاب کہنے کی وجہہ

آفات ارضی و سماوی قوانین فطرت کے رو سے آتی رہتی ہیں - بہت سی آفات مذکورہ ایسی ہیں کہ خود اُن انسانوں کے افعال اونکے آنے کے محرک ہوتے ہیں جو وہاں اور اُنکے قریب رہتے ہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ آفات سے بچنے کی بابت

اگر تدبیر کرین تو اکثر بچ سکتے ہین اگر ایام آفت آنے کے معلوم ہو جاوین اور اُنسے بچنے کی تدبیر سمجھ مین آجاوے اور کی جاوے ایسے کامون کے لئے ایسے لوگون کی ضرورت ہوتی ہے جو ماہر ہون اور جو بذریعہ علم یا وحی کے آگاہ ہو سکین۔

مرسلین کی امت پر آفت آئین یا یون کہو کہ عذاب نازل ہوا اور وہ مرسلین اور اونپر ایمان لانیوالے وساتھی بچ گئے اور اونکے مخالفین نہین بچے تو عذاب مذکور کی نسبت کہا گیا کہ نافرمانی اللہ و عدم اطاعت مرسلین کیوجہ سے اُن پر آیا یہہ انتساب اسوجہ سے صحیح ہے کہ رسولون نے آفات کے آنے سے اُن کو ڈرایا کہ اگر اُن کی پیروی کرین گے اور کہنا مانین گے اور جو طریق حفاظت وہ بتاوین گے اوسکو صحیح سمجھینگے تو بچ جاوین گے لیکن اونہون نے نہ سنا بلکہ بجائے اُسکے کہا کہ اگر سچ ہو تو لاؤ۔ اور تکبر کیا اور اوسکو غلط سمجھا۔ پس وہ رسول چونکہ عالم تھے اور آفت آنیکا وقت اونکو معلوم ہو گیا تھا اور بچاؤ کی تدبیر اونھون نے کر لی تھی لہذا وہ اور اونکے ساتھی اور اُنپر ایمان لانیوالے بچ گئے اور اونکے منکر و کافر اپنے نادانی و ضد و گناہ کے سبب و بچاؤ کی تدبیر نہ کرنے کی وجہ سے برباد ہو گئے لہذا یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ عذاب قوانین فطرت کے برخلاف آیا اور علت اور سبب اونکا گناہ تھا جو برباد ہوئے بلکہ علت اُنکی بربادی کی عدم انتظام حفاظت تھی جسکو اونھون نے ماہرین و عالمین و رسولون کے کہنے کو نہ مانا تھا پس ابتدائی قومون کے اصلاح کے لئے ابتدائی زمانے مین ایسے عذاب کا دعوے بالکل صحیح تھا اور مرسلین کا استدلال بھی صحیح تھا تاکہ ڈرا کر اور آفات سے بچا کر اُنکی اصلاح کرین اور جو بچین وہ ڈرین۔ لیکن جب لوگ باعتبار زمانہ و معلومات کے اس

درجہ پر پہونچگئے کہ تدبیر بچنے کی کرسکین تو اللہ تعالے نے مرسلین کا بھیجنا بھی بند کر دیا یہانتک کہ فرمادیا کہ آنحضرت جس قوم مین ہون اونپر ایسے عذاب نہیں آوین گے۔ اور جزا و سزا کا اصلی استدلال بیان فرمایا سورہ اعراف مین ہے کہ حضرت

نوح نے کہا ابلغکم رسالات ربی	پہونچاتا ہون مین تمکو پیغام تمہارے رب کے اور نصیحت کرتا ہون
وانصح لکم واعلم من اللہ مالا تعلمون	اور اللہ کی طرف سے مین وہ جانتا ہون جو تم نہین جانتے
فکذبوہ فانجیناہ والذین معہ فی الفلک	سو جھٹلایا اوسکو سو بچان دیا ہم نے اوسکو اور
واغرقنا الذین کذبوا بایاتنا انہم کانوا	انلوگونکو جو اسکے ساتھ کشتی مین تھے اور ڈبو دیا ہم نے ان
قوما عمین ۔	لوگونکو جنہون نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا وہ قوم اندھی تھی ۔

پس واقعات ذیل پر ان آیات سے روشنی پڑتی ہے اور امورات ذیل بھی ثابت ہوتے ہین ۔ ۱ ۔ حضرت نوح اللہ تعالے کے بھیجے ہوئے پیام کو پہنچاتے تھے جسکا کہ انبیا ورسولون کے فرائض مین سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ۲ ۔ نصیحت اسلئے کرتے تھے کہ اللہ کی طرف سے وہ جانتے تھے جو چیز کافر نہین جانتے تھے ۔ یعنی اللہ کیطرف سے اپنے لائے ہوئے پیامون کا حق و صحیح ہونا بھی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اندھی قوم عذاب سے بچاو کی فکر و تدبیر نہ کریگی اور میرا کہنا نہ مانے گی تو غرق ہو جاوے گی ۔ ۳ ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کشتی پر تھے وہ ڈوبنے سے بچگئے اور جنہون نے آیات کو جھٹلایا تھا یعنی عذاب آنے کی پیشین گوئی کو بھی نہین مانا تھا وہ ڈوب مرے اور اپنے اندھے پن کی وجہ سے کشتی نہ بنا سکے ۔ لہذا قوانین فطرت کے رو سے جو طوفان پانی کا آنیوالا تھا اور جس سے بچانے کے لئے حضرت نوح اپنی اطاعت چاہتے تھے اس سے اپنے سو تدبیر سے کا فرنہ بچ سکے ۔ اور اللہ نے استدلال مذکورہ آیت کیا

بنا بر یہ وجہ و علت اصلی ہوگی کہ اونکے عذاب کے لئے طوفان نوح آیا بلکہ اُس کے آنے کے فوائد مین اُنکا ڈوبنا بھی ہوا جو استدلال کا بھی سبب ہوا اسی طرح حضرت ہود نے کہا جو سورہ اعراف مین ہے

ابلغکم رسالات ربی و انا لکم — پہونچاتا ہون مین تم کو پیام اپنے رب کا

ناصح امین۔ — اور تمہارے لئے امین ناصح ہون۔

اسکا جواب یہ ملا۔

فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین — سو لاؤ جسکا ہمکو وعدہ دیتا ہے اگر تو سچون مین سے ہے۔

حضرت ہود نے جواب دیا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ پس انتظار کرو مین تمہارے ساتھ منتظر ہون

نتیجہ یہ ہوا۔ فانجیناہ والذین معہ — سو نجات دی ہمنے ہود کو اور اونکو جو اُسکے ساتھ

برحمۃ منا و قطعنا دابر الذین کذبوا بایاتنا — تھے اپنی رحمت سے اور کاٹ دیا ہمنے جڑ اُن لوگونکی جنہونے

وما کانوا مومنین۔ — جھٹلایا تھا ہمارے آیات کو اور نہ تھے مومن۔

پس باوجود حضرت ہود کے اس کہنے کے کہ پیغام اللہ کا ہے اور مین ناصح امین تمہارے لئے ہون انھون نے یہ کہا کہ اگر سچے ہو تو عذاب لاؤ اور آیات کو جھٹلایا اور ایمان نہین لائے اور شکار عذاب ہوئے یعنی جو تدابیر حضرت ہود نے بیچنے کے لئے کین تھین اُنکو نہ کیا اور نتیجہ پایا۔ اسی طرح حضرت صالح سے جس قوم پر وہ بھیجے گئے تھے اُس نے عمل کیا سورہ اعراف مین ہے۔

قال الذین استکبروا انا بالذی — کہا اُن لوگون نے جنہون نے کبر کیا جسپر

آمنتم بہ کافرون۔ — تم ایمان لائے ہو اُسکے ہم کفر کرتے ہین

اور جب غارت ہوگئے تو حضرت صالح نے یہ فرمایا۔

قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالات ربی ونصحت لکم ولکن لاتحبون النٰصحین

کہا اے قوم میری بیشک میں نے پہونچائے تمکو پیام اپنے رب کے اور نصیحت کی میں نے تم کو لیکن تم دوست نہیں رکھتے نصیحت کرنیوالوں کو

پس نصیحت حضرت صالح و پیغام اللہ کا نہ ماننے کی وجہ سے اور تدبیر بچاؤ کی کرنے کی وجہ سے وہ غارت ہوئے لہذا رسولوں کا آفت کے آنے سے واقف ہونا اور تدبیر کر کے بچ جانا اور کافروں کا اُن کے خبر دینے کو جھٹلانا و تدبیر نہ کرنا سبب رسولوں کے اور اونکے ساتھیوں کے بچنے کا ہوا اور کافروں کے مرنے و برباد ہونیکا پس اس حیثیت سے وہ عذاب ہوا نہ کہ انہیں کیلیے اور اونکے ایمان لانے پر مجبور کرنے کے لیے خاصکر عذاب آیا۔

شئی مبین اور آیت مبین میں فرق اور کیوں اور کب انبیا ورسل نے عجائبات دکھلایا

سورہ شعرا میں ہے۔ قال لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنک من المسجونین قال اولو جئتک بشئی مبین قال فات بہ ان کنت من الصادقین فالقیٰ عصاہ فاذا ھو ثعبان مبین۔

کہا فرعون نے کہ اگر تو ٹھہراوے گا معبود میرے غیر کو تو میں تجھکو قیدیوں میں سے کر دوں گا کہا موسیٰ نے کہ اگرچہ لاؤں میں تیرے لیے شئی مبین کہا لا اوس کو اگر تو صادقین میں سے ہے۔ تو ڈالدیا موسیٰ نے اپنے عصا کو تو وہ ناگہاں بیّن طور پر سانپ تھا۔

پس جب فرعون حضرت موسیٰ کے اس کہنے سے کہ اللہ رب مشرق و مغرب اور اُن کے درمیان کا ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ عاجز ہوا تو اُس نے وہ کہا اور وہ سنا

جو آیات ہذا مبین ہیں۔ لہذا شئی مبین کے کہنے سے حضرت موسیٰ کی یہہ مراد ہوئی کہ جو چیز علانیہ عجیب معلوم ہوتی ہو۔ جب دلائل واضحہ یعنی آیات مبین سے یا آیات بینات سے وہ نہ مانا تو شئی مبین سے اوسکو حضرت موسیٰ نے ساکت و قائل کرنا چاہا۔

پس اس سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ مرسلین مجبوری سے عجائبات دکھانیکی طرف مایل ہوتے تھے یعنی جبکہ دلائل واضحہ کو نہیں مانتے تھے مجبور ہو کر وہ دکھلاتے تھے پس جن اقسام کے عجائبات کے وہ اور انکی قوم ماہر سمجھی جاتی تھی اُس قسم کے عجائبات سے اُن کو قایل کرتے تھے اور انبیا جیسا دکھلاتے تھے کافر ویسا نہیں دکھلا سکتے تھے دوسرے آیات مبین سے دلایل واضحہ اور شئی مبین سے عجائبات مراد ہوئے پس وہ عجائبات دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ جسکے مقابلے میں تھے اوسکے تسکین کے کام آتے تھے تیسرے وہ تحت قوانین فطرت ہوتے ہیں لہذا خلاف عادت نہیں ہوتے بلکہ جسکے مقابلے میں ہوتے ہیں وہ انکو خلاف عادت سمجھتا ہے جیسا کہ فرعون کے زمانے میں رسی و عصا کو سانپ دکھلانیکا شعبدہ مروج تھا اسلیئے حضرت موسیٰ کو بھی یہہ طاقت اللہ تعالےٰ نے دی تھی کہ اتمام حجت کے لیئے اپنے عصا کو جب پھینکدیں تو وہ سانپ معلوم ہونے لگے اور ساحران فرعون کے رسی و عصا کو جب وہ سانپ معلوم ہونے لگیں نگل جاوے پس یہہ خیال فرعون و اوسکے درباروں اور ساحران فرعون پر طاری ہو گیا و بندھ گیا کہ اونکے رسی و عصا کو جو سانپ معلوم ہوتی تھی حضرت موسیٰ کا عصا نگل رہا ہے حضرت موسیٰ کو ساحران فرعون کے عصا و رسی جو سانپ معلوم

ہونے لگے تھے اوسکا سبب یہ تھا کہ اونکا خیال بندھ گیا تھا جیسا کہ سورہ طہٰ مین ہے

فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیھا انھا ۔۔۔ تو ناگہان انکی رسیان اور لاٹھیان کی نسبت موسیٰ کا خیال

تسعیٰ فاوجس فی نفسہٖ خیفۃ ۔۔۔ بندھ گیا انکے سحر سے کہ وہ دوڑتی ہین تو پایا اپنے نفس مین ڈر موسیٰ نے

موسیٰ قلنا لاتخف انک انت الاعلیٰ و ۔۔۔ ہمنے کہا نہ ڈر تو ہی اعلیٰ رہیگا اور ڈالدے جو تیرے داہنے ہاتھ مین ہے

القِ ما فی یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا ۔۔۔ نگلجاوے اسکو جو صنعت کی ہے انھون نے سوائے اسکے نہین کہ جو صنعت

کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ ۔۔۔ کی ہے انھون نے وہ فریب ساحر کا ہے اور فلاح نہین پاتا ساحر جہان جاوے

حضرت موسیٰ کو تو یہ معلوم تہا کہ انکا عصا سانپ بن جاتا ہے لہذا جب اسکے خیال مین یہہ بندھ گیا کہ ساحرون کے رسی و عصا بھی چلتے ہین تو انھون نے اپنے نفس مین ڈر پایا کہ انکا چلنا کیسے باطل ہوگا اگر وہ بھی اپنا عصا ڈالدینگے تو سانپ معلوم ہونے لگے گا پھر دونون کے عمل برابر ہونگے وہ غالب کس طرح ہونگے پس اللہ کا حکم ہوا کہ جو کچھ داہنے ہاتھ مین ہے اوسکو حضرت موسیٰ چھوڑ دین وہ نگل جاوے گا ساحرون نے کید ساحر کی صنعت کی ہے یعنی شعبدہ کیا ہے اصلیت نہین ہے حالانکہ ساحر جہان جاتا ہے فلاح نہین پاتا اور اسکا کید صنعت کا حق کے مقابل مین مغلوب ہوجاتا ہے ۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ انبیا اور رسولون نے اتمام حجت کے لیئے جبکہ دلایل واضحہ سے انکے مخالف ایمان نہین لائے ۔ تو انکے تسلین کے لیئے عجائبات دکھلایا ۔ اس امر کے لیئے کہ سحر جو ساحران دکھلاتے ہین حق نہین ہوتا اور مفسدین کا عمل ہوتا ہے سورہ یونس کی یہ آیات بھی دلیل ہین ۔

قال موسیٰ اتقولون للحق لما جاءکم ۔۔۔ کہا موسیٰ نے کیا کہتے ہو حق کی نسبت جبکہ آیا

اسحر هذا ولا يفلح الساحرون۔
اور سورہ یونس مین ہے۔ وقال فرعون
ایتونی بکل ساحر علیم فلما جاء السحرۃ
قال لهم موسیٰ القوا ما انتم ملقون فلما
القوا قال موسیٰ ما جئتم به السحر ان
الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل
المفسدین ویحق الله الحق بکلمته
ولو کره المجرمون۔

تمہارے پاس آیا یہ سحر ہے حالانکہ نہین فلاح پاتے ساحر
کہا فرعون نے بلاؤ میرے پاس سحر کرنیوالے جاننے
والے کو پھر جب آئے سحر کرنیوالے موسیٰ نے ان کو
کہا ڈالو جو کچھ تم ڈالتے ہو جب انہون نے ڈالدیا
کہا موسیٰ نے تم سحر ہی لائے اللہ اسکو جلد باطل
کریگا بیشک اللہ صالح نہین کرتا مفسدون
کے عمل کو اور حق کر دیتا ہے اللہ حق کا اپنے کلمہ
سے اور اگرچہ کراہت کرین مجرم۔

پس آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ سحر حق نہین ہوتا بلکہ شعبدہ ہوتا ہے
یعنی دیکھنے والون کو خیال بندھ جاتا ہے جسکا وجود واقعی نہین ہوتا اسلئے وہ مفسدون
کا عمل ہوتا ہے اور جو لوگ حق چاہنے والے اور حق پرست ہوتے ہین ان کا عمل
غالب ہو جاتا ہے۔ دوسرے اخیر آیت مین ساحرٌ علیم کا لفظ ہے جس سے اشارہ ہے
کہ سحر سیکھا ہوا کسوبی اور جانا ہو اشعبدہ ہے یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہین
کہ جاننے والے ساحر۔

وہ آیت جسکو تخویفاً اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے

سورہ بنی اسرائیل مین ہے وما
منعنا ان نرسل بالآیات الا ان
کذب بها الاولون وآتینا ثمود الناقۃ

اور ہم کو آیت کے بھیجنے سے منع نہین کیا مگر
اسنے کہ جھٹلایا اسکو اگلون نے اور دی ہم نے
ثمود کو اونٹنی دکھانے کو سو ظلم کیا انہون نے

مبصرۃ فظلموبہا وما نرسل بالآیات الا تخویفا۔ اور اُس پر اور نہیں بھیجتے ہم آیات کو مگر ڈرانے کے لئے۔

پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ آیات کا بھیجنا ہم نے اس لئے بند کر دیا کہ اوسکو اگلوں نے جھٹلایا دوسرے یہ بیان فرمایا ہے کہ ثمود کو ہمنے ناقہ نشان دیا تھا یعنی ظاہری نشان عبادت کا تو اونھوں نے اس ناقہ پر ظلم کیا اور اُسکے بعد ہی فرمایا کہ ہم آیات کو نہیں بھیجتے مگر تخویف کے لئے اس فرمانے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ناقہ جو بطور آیات کے مبصرۃ یعنی ظاہری عبادت کا نشان تھی اس نشان سے صرف یہ مقصود تھا کہ تخویف ہوتی رہے اور لوگ خدا کو یاد کرتے اور اس سے ڈرتے رہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ ایسے آیات جو تخویف کے لئے بھیجے جائیں انکی غرض ڈرانا ہوتی تھی لیکن جب ثابت ہوگیا کہ اگلوں نے ایسی آیات کو جھٹلایا تو حجت تمام ہوگئی کہ اگر کوئی ایسا ظاہری نشان تخویف کے لئے قائم ہوجاتا تو لوگوں کو اللہ سے ڈر قائم رہتا تو اللہ نے ایسی آیات کا بھیجنا بند کر دیا۔ اور اتمام حجت ہوگئی۔

ایسے امور کو جو تنافص و تخلل انداز اصل غرض اور اسکے ان احکام کے جو محافظ ہوں نہ ہوں اور محسوسات وجذبات پر اُس زمانہ کے لوگوں کے اثر ڈالتے ہوں قائم کرنے میں ہرج نہیں سمجھا گیا تھا جب تک کہ اتمام حجت ہوتا جاوے اُس سے یہ فایدہ بھی ہوتا تھا کہ جو اپنے زمانہ کے مرسلین پر ایمان لاتے تھے جن کو ایسے ظاہری نشان کے قائم کرنے کا حکم ہوتا تھا اُن کے لئے بھی نشان مذکور مفید تھا۔

آیت آدمیونکے عبرت کے لئے

سورہ فرقان مین ہے — وقوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناهم وجعلنا هم اٰية للناس واعتدنا للظٰلمين عذابا اليما۔

اور قوم نوح نے جب جھٹلایا رسولون کو ڈبو دیا ہم نے اُن کو اور ٹھہرا دیا اُنکو آیت آدمیون کے لئے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالمین کے لئے عذاب دکھ دینے والا۔

پس ڈبو دینے سے آیت للناس جو بات ہوئی وہ یہی ہوئی کہ واقعات تاریخی قوم نوح کے ڈوبنے کے سبب عبرت آدمیونکے لئے ہوئے لہذا عبرت کے لئے جو واقعات تاریخی ہون اُن کو آیت للناس کہا گیا ہے۔

مخصوص مقصد بعثت مرسلین

سورہ حدید مین ہے لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔

بیشک ہمنے بھیجا اپنے رسولون کو دلائل واضح کے ساتھ اور اتاری ہمنے انکے ساتھ کتاب کو اور میزان کو تاکہ قایم رکھین لوگون کو قسط کے ساتھ۔

پس میزان کیا ہے قواعد قسط یعنی وہ احکام واصول جنسے قسط یا عدل پر عمل ہوتا ہے لہذا مقصد وغایت ارسال رسل ونزول کتاب کی قایم رکھنا انسانون کا قسط کے ساتھ ہے اور قسط کا لازمی نتیجہ تہذیب وترقی انسانی ہے۔

اور سورہ انعام مین ہے وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین

اور نہین بھیجا ہم نے مرسلین کو مگر بشارت دینے والے اور آگاہ کرنے والے سو جو ایمان لایا اور

فمن آمن واصلح فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔	صالح ہوا تو خوف نہیں اون پر اور نہ وہ غمگین ہون گے۔

پس اس آیت سے مرسلین کے بھیجنے کی غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مومن و صالح بنانا ہے۔ جسکا نتیجہ و غایت ترقی تہذیب و تمدن انسانی ہے۔

اور سورہ شوریٰ مین ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصےٰ بہٖ	راہ ڈالدی تمہارے دین مین اوسکی جسکی تاکید کیا تہا
نوحًا والذی اوحینا الیک وما	نوح کو اور جو کچھ وحی کی ہم نے تیری طرف
وصینا بہ ابراھیم وموسےٰ و	اور جسکی تاکید کیا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور
عیسےٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا	عیسیٰ کو یہ کہ قایم رکھو دین کو اور متفرق نہ ہو
فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم	اوس مین بہت بہاگتا ہے مشرکین کو جس کے
الیہ اللہ یجتبی من یشاء ویھدی	لئے تم پکارتے ہو اونکو اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف
الیہ من ینیب وما تفرقوا الا من بعد	جسکو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے اپنی طرف
ما جاءھم العلم بغیا بینھم۔	اس کو جو رجوع ہوتا ہے۔ اور نہین متفرق

ہوئے مگر بعد اسکے کہ آچکا تہا اُن کے پاس علم بغاوت کی وجہ سے۔

پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کے قایم کرنے اور متفرق نہ ہونے کا حکم تمام انبیا کو دیا گیا اور دینی بنیاد قایم کی گئی اور متفرق جو امت انبیا کی ہوئی وہ آپس کی بغاوت کی وجہ سے اصلاح کو چھوڑکر ہوئی لہذا دین مین متفرق نہ ہونا قومیت کے شیرازہ کے لئے اور ترقی تہذیب و تمدن کے لئے اکسیر و لازم ہے۔

مختصر و خلاصۃ الخلاصہ و مجمل فلسفہ اسلام و قرآن۔ یاد رہے تو شاد رہے آزاد رہے آباد رہے دفع بیداد و رفع فساد رہے اتحاد و وداد رہے قطع استبداد افراد و وفور امداد رہے صالحین کا ازدیاد رہے غیر صالح زیر و برباد رہے فلاح و صلاح کی بنیاد رہے بامراد رہے اگر عمل و اعتقاد رہے استعداد و قوت خداداد رہے فتنہ ناایجاد رہے۔

برہان و طرز بیان قرآن مجید و فرقان حمید کے دیگر ادیان کے و دیگر حکماء و علماء کی تقریر و تحریر سے بہتر و برتر و موثر تر ہین۔ جسقدر آیات محکمات جامعات اس کتاب کے جملہ حصص مین ہین انکو باہم مقابل و یکجا رکھنے سے بخوبی و خوش اسلوبی یہ علم ہوتا ہے کہ کسی برے یا بھلے عمل کا کیا نتیجہ و درجہ ہے اور کسکا عمل کرنا اور کسکا ترک کرنا کسقدر اہم و مقدم ہے اور کسقدر کم و بیش کس عمل کے لئے کیا وعدہ و وعید شدید اور آپسمین ہر قسم کے ہر ایک عمل مین کیا نسبت اور کیا تفاوت درجات ہین قرآن سے بہتر کسی اور ذریعہ سے امور مذکور کسی طرح معلوم و مفہوم نہین ہوتے۔ پس ان سب وجوہ سے تحریک و ترغیب و تحبیب و تکمیل عمل صالح کے اور تقوی کے لئے قرآن سب سے بہتر و افضل ہے اور اسکا اعجاز امور مذکور مین مخصوصاً اسکو ممتاز کرتا اور ہدایت و رحمت و تعلیم کتاب حکمت و تزکیہ کے لئے سب سے آگے درجہ دیتا ہے۔ بدی سے بچانے و تقوی کے کرانے و اخلاق کی تلقین و ایمان کے یقین اور روحانیت کے اکساب کے لئے قرآن حکیم سب سے عظیم و کریم ہے۔ اس عموی فضایل کے دلایل کو قوی کرنے کے لئے ملخص و منتخب ان آیات قرآنی کا اعادہ بے فایدہ نہین جسکے عمل کا حکم ہے غرض یہ اولے فرض سب عمل جتنے ہیں انکے اجر و اثبات و انکے ازدیاد رہے ہین۔

۱۔ فتنہ اشد و اکبر قتل کرنے سے ہے اور لڑو انسے یہانتک کہ نہ رہ جاوے فتنہ۔ جن لوگون نے کفر اور ظلم کیا اللہ کے لئے نہین ہے کہ انکی مغفرت کرے اور ہدایت کرے کسی طریق کی مگر جہنم کے طریق کی اسمین ہمیشہ رہینگے اور ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے سے دین و دنیا دونون

جگہ بہتر سے بہتر فواید و ثواب ہوتے ہین اور رضاے مولیٰ و لقاء رب و ابدی جنت و تزکیہ
حاصل ہوتے ہین اور انسان بہترین خلق مین سے ہو جاتا ہے جو رجا رکھتا ہو اپنے رب کے لقاء کی
تو اوسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور نہ شریک بناوے اپنے رب کی عبادت مین کسی شے کو
(کہف) اور اگر تجکو پہونچاوے اللہ ضرر تو کوئی اوسکا کاشف نہین مگر وہ اگر پہونچاوے تجکو خیر وہ ہر شے پر قدیر ہے (انعام

۲۔ فواحش ظاہر و باطن و بغی بغیر الحق و اثم حرام ہین۔

۳۔ یہہ دار آخرت اون لوگون کیلئے ہے جو علو و فساد کا ارادہ زمین مین نہین کرتے۔

۴۔ فساد کو اللہ محبوب نہین رکھتا مفسدون کی اللہ اصلاح نہین کرتا مفسد خاسرین ہین انکے لئے سوء الدار ہے

۵۔ معاونت بر (نیک کرداری) و تقویٰ کی کرو اثم و عدوان کی معاونت نکرو۔

۶۔ قسط کرنے والونکو اللہ محبوب رکھتا ہے اے مومنو اللہ کے لئے قسط للہ کرنیوالے اور اوسپر شہادت
للہ دینے والے اور قسط کو للہ کرانیوالے اور اوسپر للہ شہادت دلانے والے ہو جاؤ۔

۷۔ اللہ عدل اور احسان اور قرابت والونکو دینے کا حکم کرتا ہے اور منع کرتا ہے فحشا اور منکر سے
کسی قوم کی دشمنی تمکو عدل سے باز نرکھے۔

۸۔ مومنین بھائی ہین سو اصلاح باہمی کرو اور دو طایفے مومنین کے اگر باہم لڑین تو جو بڑھ گیا ہو
اُس سے لڑو اور جب وہ امر اللہ کی طرف آجاوے تو انکے درمیان قسط و عدل کے ساتھ صلح کرادو۔

۹۔ مومنین خیر الامت اسلئے ہین کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے اور وہ اللہ پر ایمان لاتے
ہین بوجہ اسکے کہ مومنین و مومنات بعض بعض کے رفیق ہین اور انکا نشان یہہ ہے کہ امر بالمعروف
و نہی عن المنکر کرتے ہین جو عزم الامور مین سے ہے۔ ایک گروہ مومنین کا رہنا چاہیئے جو دعوت الی الخیر
اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر و تفقہ فی الدین کرتا رہے تاکہ قوم کے لوگ کوچ سے پہر آدین تو تفقہ سے آگاہ ہون

۱۰۔ اے رسول تو کہدے کہ میری نماز میرا نسک میرا جینا اور میرا مرنا سب خداے رب العالمین کے لئے ہے

جسکا شریک ہین اللہ نے مومنین کے نفسون اور مالون کو بعوض جنت مول لے لیا ہے اُنکے اللہ کے راہ مین لگانے سے وعدہ ثواب عظیم ذفوز عظیم کا ہے۔ اور ہر شے کا اللہ حساب لیگا سب شئے پر وہ حسیب ہے۔ آخرت مین جزا و سزا بحکم اللہ ملیگی۔

۱۱۔ جس نے طغیان کیا اور حیات دنیا کو مقدم رکھا اُسکا ٹھکانا جہنم ہے اور جو ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور اپنے نفس کو ہوا سے روکا اُسکا ٹھکانا جنت ہے بیشک فلاح پایا جو مزکی ہوا اور بیشک نامراد ہوا جس نے اُسکو گاڑ دیا۔

۱۲۔ صبر کر جیسا کہ صبر کیا ہے اولو العزمون نے رسولون مین سے اور جلدی نکر اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو وہ عزم الامور مین سے ہین اور صبر کر جو تجھکو پہونچے یہ عزم الامور مین سے ہے اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔ اللہ صابرین کو محبوب رکھتا ہے۔ اور بشارت دے اون صابرین کو کہ جب اُنکو مصیبت پہونچتی ہے تو وہ کہتے ہین کہ ہم اللہ کے لئے ہین اور اُسی کے طرف رجوع ہونیوالے ہین اُن پر صلوٰۃ ہے اُنکے رب کی طرف سے اور رحمت اور وہی ہدایت پانے والے ہین۔

۱۳۔ رعب کے باعث اپنے گھر ونکو اپنے اور مومنین کے ہاتھون سے خراب کر دیا سو عبرت حاصل کرو اے اولو الابصار۔

۱۴۔ صادقین کے ساتھ رہنا چاہئے۔

۱۵۔ اللہ حکم کرتا ہے کہ امانت کو اُسکے اہل کو ادا کرو یہ اچھی نصیحت تمکو اللہ کرتا ہے۔ رسولون کے زبان سے قرآن مین بیان ہوا ہے انی لکم رسول امین تملوگون کیلئے رسول امین مین ہون۔

۱۶۔ افترا و کذب وہی کرتے ہین جو اللہ کے آیات پر ایمان نہین لاتے۔ اے مومنو کیون کہتے ہو جسکو نکرو گے بہت بیزاری عنداللہ اسکی ہے کہ کہو جو نکرو گے کذب منافقون کے صفات مخصوصہ مین قرآن مین بہت جگہہ بیان ہوا ہے اور بار بار اُنکو کاذب کہا ہے اور جو لوگ جانکر کذب او سپر حلف کرتے ہین اُنکے لئے عذاب شدید

وعذاب مہین کی یعنی رسوا کرنیوالے عذاب کی وعید ہے۔ طمع کاری بات میں فریب و افترا ہے۔

۱۷۔ کل چیزوں سے جو کچھ چھپ رکھتا اور جھگڑا دربازاری سے ڈرتے ہو گیا اور اپنا غرض کل چیزوں سے اللہ کے احکام کو اور اللہ کی بخشیات کو [illegible] اسلام [illegible] ہے۔

۱۸۔ ہر ایک کو اللہ نے ایک طریق اور شریعت دیا ہے اور طریق عبادت ہر ایک کا جدا ہے سوا مومنین [illegible] شکر و یعنی اسکو [illegible] کسی پیغمبر رسول پر نازل ہوا ہے ان سب پر ایمان لاؤ اور تصدیق کرو جو کفر کرتے ہیں اللہ و اُسکے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ اور اُسکے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم بعض کے ساتھ اور کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں اسکے درمیان راہ [illegible] عذاب رسوا کرنیوالا۔

۱۹۔ شراب و جوا اثم کبیر ہیں اور انکا اثم انکے نفع سے بہت زیادہ ہے [illegible] عداوت کا مومنین میں سبب اور اللہ کے ذکر سے روکنے کا باعث ہوتے ہیں [illegible] تو کیا کہتے ہو۔

۲۰۔ فلاح پایا مومنین نے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی ازواج پر اور جنکے مالک ہو چکے ہیں اُنکے ہاتھ وہ لوگ غیر ملامت کئے گئے ہیں پھر جو چاہے اسکے سوا تو وہ حد والے [illegible] حرام کیا گیا زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو اور اللہ کے احکام [illegible] رافت نکرو اور چاہئے کہ ایک طائفہ مومنین کا اُنکے عذاب دینے پر شاہد ہو جو دو مرد باہم آویں (حفاظت شرمگاہ کی نہ کریں) تو اُنکو اذیت دو اور جب دو عورتیں باہم آویں تو اُنکو بند رکھو یہانتک کہ اللہ اُنکے لئے راہ نکالے۔

۲۱۔ محصنات مومنات غافلات پر تہمت لگانے سے لعنت دنیا اور آخرت میں ہوتی ہے۔

۲۲۔ جس نے بہتان کیا اُسنے اثم مبین کا افترا کیا۔

۲۳۔ تیرے رب نے فیصلہ کیا والدین کے ساتھ احسان کا تقید کیا ہمنے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنی حمل میں رکھا اور وضع حمل کیا اُسکے ماں نے تکلیف اُٹھا کر۔ والدین کے لئے اُف نہ کہو اور اُنکے لئے ادب کی

بات کہو اور اگر اللہ کے ساتھ شریک بنانے کو کہین تو اونکی اطاعت نہ کر۔ جسکی والدین ایمان لانے کو کہین اور
استغاثہ اور ویل کرین اور اولاد اُسکو اساطیر الاولین سے کہے اوسپر عذاب حق ہوگیا۔ اگر والدین مین سے
کسی ایک کو یا دونون کو بڑھاپا آوے تو جھکا اپنے بازو کو اور اُنکے لئے بات کہہ ادب کی اور کہہ اے رب
مغفرت کر اُنکی جیسا کہ پالا ہے مجھکو دونون نے چھوٹے پن مین اور رحم کر اُنپر۔

۲۴- دوسرے کے مکان مین جانیکا اذن نہ ہو اور کہا جاوے کہ پھر جاؤ تو پھر آؤ یہ تمہارے لئے زکی ہے

۲۵- مومن مرد اور مومن عورتین اپنے آنکھون کو نیچی رکھین پاز کی ہے انکے لئے۔

۲۶- آنحضرت کے ازواج سے پردے کے باہر سے بات کرو یہ اطہر ہے تمہارے قلوب اور اُنکے قلوب کے لئے

۲۷- بعض ظن اثم ہین پس کثرت ظن دل سمجھے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۸- مجلس مین جب کشادہ بیٹھنے کے لئے کہا جاوے تو کشادہ ہو جاؤ کشادگی کریگا تمکو اللہ اور جب اُٹھ
کھڑے ہونیکے لئے کہا جاوے تو اُٹھ جاؤ اللہ درجات بلند کریگا۔

۲۹- ایک قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ اُس سے اچھی ہو۔

۳۰- عیب نہ لگاؤ بُرے لقبون سے نہ پکارو برا نام فسق کا ہے بعد ایمان کے یعنی ایمان کے بعد فسق مومنین
کے شان کے شایان نہین اُسکا نام اُنکے لئے آنا ہی برا ہے۔

۳۱- جو لغو سے احتراز کرتے ہین وہ فلاح پانیوالے ہین لغو پر جب گذرو تو کرم رکھتے ہوئے گذرو۔

۳۲- عباد الرحمٰن زُور پر حاضر نہین ہوتے ہین۔

۳۳- عباد الرحمٰن زمین پر آہستہ چلتے ہین۔

۳۴- نہ کھڑا ہو اُسپر جسکا تجکو علم نہین کان اور آنکھ اور دل مسئول ہونگے۔

۳۵- نہ چل زمین پر اکڑتا تو پھاڑ نہ ڈالیگا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑ کو طول مین۔

۳۶- نہ پھیلا اپنے گالون کو آدمیون کے لئے اور نہ چل زمین مین اکڑتا اللہ محبوب نہین رکھتا ہر بڑائی کرنیوالے

فخر کرنے والے کو اور متوسط رکھ اپنے مشی کو۔
۳۷ سورہ فجر میں ہے ایسا نہیں تم عزت نہیں کرتے یتیم کی اور باہم تاکید نہیں کرتے مسکین کے کھلانے کی اور
کھاتے ہو میراث کا مال سمیٹ کر اور محبوب رکھتے ہو مال کو بہت پس یہ چاروں خاصیت بری ہوئیں۔
سورہ دہر میں ہے پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اُس دن سے کہ اُسکی برائی پھیل جانیوالی ہوگی اور
کھلاتے ہیں کھانا اللہ کی محبت پر مسکین اور یتیم و قیدی کو سوائے اسکے نہیں کہ ہم کھلاتے ہیں تمکو واسطے
وجہ اللہ نہیں چاہتے ہم تم لوگوں سے بدلا اور نہ شکر کرنا ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایکدن اداس تیوری
چڑھے ہوئے سے سو بچا لیا اونکو اللہ نے اُس دن کی برائی سے اور ملا دیا اونکو تازگی اور خوشی۔
۳۸۔ آواز نرم رکھ انکر الاصوات گدھے کی آواز ہے۔
۳۹۔ جو بچا نفس کے لالچ سے وہی فلاح پانے والا ہے۔
۴۰۔ اور دبانے والے غیظ کے ہیں اور معاف کرنیوالے آدمیوں سے اور اللہ محسنین کو محبوب
رکھتا ہے یعنی غیظ کا دبا لینا اور معاف کرنا احسان ہوا جنکو اللہ محبوب رکھتا ہے۔
۴۱۔ اللہ بخیل کو محبوب نہیں رکھتا مبذرین اخوان الشیاطین ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے
یعنی بیجا و زیادہ صرف کرنا اللہ منعم کی ناشکری ہے درمیان میں تنگی و بیجا صرف کرنے کے بیچ و بیچ
و درست راہ ہے (قوامہ) یعنی کفایت شعاری کا کرنا اس راہ پہ چلنا ہے۔ اپنے ہاتھ کو گردن تک بستہ نہ کر
اُسکو بالکل کھولدے سو بیٹھ رہیگا ملامت کیا گیا پچھتایا ہوا۔
۴۲۔ سورہ حاقہ میں ہے وہ اللہ عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور تاکید نہیں کرتا تھا مسکین کے طعام
کی سو نہیں اُسکے لئے آج یہاں دوست اور نہیں کھانا مگر زخموں کا۔
۔ اللہ محسنین کو محبوب رکھتا ہے طعام کھلانے میں اجر کبیر ہے جو کھانا کھلاتے ہیں بھوک کے دن یتیم قرابت
والے یا مسکین خاک میں رلتے پھر ہوتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور ایکدوسرے کو وصیت

کیا صبر کی اور ایک دوسرے کو وصیت کیا رحم کرنیکی وہی صاحبان سعادت ہین ۔ سو دے ناتے والے کو
اُسکا حق اور مسافر و مسکین کو۔ اور اگر تو اُنسے لو اض کرے بطلب رحمت اپنے ربکے جسکی تو رجا رکہتا ہو تو آسان بات اُنکو کہہ۔
۴۲۔ جسنے قتل کیا مومن کو متعمداً تو اوسکے جزا جہنم مین ہے اور غضب مین ہوا اُسپر اللہ اور لعنت کیا
اُسپر۔ قصاص تمپر قتل مین فرض کیا گیا ہے قتل با لخطا اور بچونکے قتل کے بابت مفصل احکام جدا ہین۔
۴۳۔ اے مومنو نہ کھاؤ اپنے اموال کو اپنے درمیان باطل کے ساتھ مگر یہ کہ ہو سودا ایک دوسرے کی
رضامندی سے اور نہ مار ڈالو آپس مین اللہ تمپر رحم کرنیوالا ہے اور جسنے کیا ایسا عدوان اور ظلم کے رستے
تو داخل کرینگے ہم اوسکو آگ مین اور یہ اللہ پر آسان ہے اور یتامی کے مال کھانیکے وعید سعیر یعنی دہکتی
آگ ہے غرض مال با لباطل کھانا اثم قرار دیا گیا ہے اور مختلف طور سے مال با لباطل کھانیکی سزا مقرر پائی ہے
۴۵۔ بدلا بُری کا بدی ہے اُسکے مثل سو جسنے معاف کیا اور اصلاح کیا تو اُسکا اجر اللہ پر ہے
وہ محبوب نہین رکھتا ظالمون کو اور جسنے بدلا لیا بعد اپنے اوپر ظلم ہونیکے تو اونپر کوئی راہ ملامت نہین
راہ ملامت کی اون لوگون پر ہے جو ظلم کرتے ہین لوگون پر اور بغی زمین مین کرتے ہین بغیر حق کے اونکو
عذاب الیم ہے اور جسنے صبر کیا اور بخش دیا تو ہمت کے کام ہین پس جسم و تندرستی وغیرہ سب کے
نقصان کے انتقام و عفو کے بابت یہ آیات جامع ہین۔ سورہ اعراف مین ہے خذ العفو وامر بالعرف پس
ایسا عفو جو پسندیدہ امور کیطرف امر کرتا ہو کرنا چاہئے اور عفو کے عرف کا امر کرنا چاہئے۔
۴۴۔ جو دوست رکہتے ہین فاحشہ کے پہیلنے کو اُنکو دنیا و آخرت مین عذاب الیم ہے۔
۴۶۔ وائے ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے پر جس نے سمیٹا مال کو اور گن گن رکھا
اُسکو ڈالا جاویگا حطمہ مین جو اللہ کی آگ ہے روشن کی ہوئی چڑہ آتی ہے دلون پر وہ اُنپر مقرر
ہے لمبے ستونون کے ساتھ لائے گئے پر۔
۴۷۔ سو وائے ہے اُن نمازیون پر جو اپنی نماز مین سہو کرتے ہین جو ریا کرتے ہین اور روزانہ

برتنے کی چیزون سے منع کرتے ہین۔

۴۸۔ کافرون کے مقابلے مین فرار ہوجانیکی سزا جہنم اور اللہ کا غضب ہے۔

۴۹۔ ایفاے عہد بر مین سے ہے اور ان لوگون کے افعال مین سے جو صادق و متقی ہین اور جو اپنے امانت اور عہد کی رعایت کرتے ہین اُنہون نے بیشک فلاح پایا اور جو نقض میثاق نہین کرتے اور عہد کو پورا کرتے ہین انکے لئے عقبی الدار ہے اور عہد کے نسبت سوال کیا جاویگا۔

۵۰۔ زینت و طیبات کا استعمال حلال و مستحبات مین سے ہے اور بعض اوقات لازم و فرض ہے اسراف نہونا چاہیئے خدا نے فرمایا ہے کھاؤ پیو اسراف نہ کرو اللہ محبوب نہین رکھتا مسرفین کو اور دوسرے جگہ فرمایا ہے تو کہدے کس نے حرام کیا ہے زینت و طیبات کو رزق مین سے وہ دنیا مین حلال ہین اور آخرت مین مخصوص و خالص ہین مومنین کے لئے۔

۵۱۔ تجسس نہ کرو اور فاسق کی خبر دریافت کر لیا کرو۔

۵۲۔ سورۂ شعرا مین ہے اور شاعران اُنکی پیروی کرتے ہین بے راہ کیا نہین دیکھا تمنے کہ وہ ہر جنگل مین سرگردان ہوتے ہین اور کہتے ہین جو نہین کرتے۔ پس شاعرون کی پیروی اسلئے راہ بہکے ہوئے اور راہ نہ پانیوالون کی راہ قرار پائی۔ کہ شاعر فرضی خیالات دوڑایا کرتے ہین اور سرگردان ہوتے رہتے ہین اور جو نہین کیا اُسکا کرنا کہتے ہین لہذا ثابت ہوتا ہے کہ پیروی برہان کی کرنی چاہیئے نہ فرضی خیالات شاعرانہ کی اور جو کیا ہو اُسکی نسبت کرنا کہنا چاہیے۔

۵۳۔ راست بات کہنی چاہیے اور سوء کا جہر اللہ کو محبوب نہین مگر جسپر ظلم کیا گیا ہو اے مومنو قول سدید کہو صالح کریگا اللہ تمہارے اعمال کو۔ احسن قول کو سنکر اُسکا اتباع کرنیمین اللہ کی ہدایت ہوتی ہے تحیت کا جواب اس سے اچھا دو یا اُسکو لوٹا دو غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ اللہ نے تمہاری بیبیون کو تمہاری مان اور ادعیا کو تمہارا بیٹا نہین بنایا کسی شخص کے اندر دو قلب اللہ نے نہین بنائے یہ تمہاری بات اپنے منہ کی ہے اللہ حق کہتا اور راہ کی ہدایت کرتا ہے

اُنکے باپون کے نامون سے اُنکو پکارو یہ اقسط ہے اللہ کے نزدیک اگر باپونکا نام نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بہائی اور رفیق ہین پس جہانتک ہوسکے کسی کے لڑکے کو اپنا لڑکا نہ کہنا چاہیے اگرچہ متبنی ہو یعنی ایسا کہ لوگ سمجھین کہ وہ اُسی کا لڑکا ہے اور پکارنے کے یہان یہی معنی ہین بیوی کو مان کہنا منکرات کہتی ز ور ہے سورہ فاطر مین ہے اللہ کیطرف صعود کرتے ہین کلم الطیب اور عمل الصالح کو وہ بلند کرتا ہے پس قول طیب و عمل صالح کے درجات کا امتیاز بہی اس آیت مین ظاہر کیا گیا ہے۔

۵۵۔ تکاثر نے تمکو غفلت مین رکہا۔

۵۶۔ وائے ہے گہٹانے والونپر کہ جب ناپ لیوین آدمیون سے پورا لیوین اور جب ناپ دیوین یا اُنکو تول دین تو گہٹا کر دین کیا گمان نہین رکہتے وہ لوگ کہ اونکو اٹہنا ہے ایک بڑے دن کیواسطے جسدن کہڑے ہونگے آدمی رب العالمین کے حضور۔

۵۷۔ توبہ کرنے و استغفار کی جس طریق و جن شرایط سے قرآن مین بیان و تاکید شدید ہے اُس سے سب سیئات و سب ذنوب اور اپنے نفس پر ظلم معاف ہوتے اور بخشے جاتے ہین اللہ تواب الرحیم قابل التوب و غافر الذنب ہے وہ سبب رحمت و مغفرت اللہ کے ہین توبہ و استغفار سب گناہونکے علاج ہین اللہ کی رحمت سے مایوس نہونا چاہیے سورہ آل عمران مین ہے کہ حضرت صالح نے اپنے قوم سے کہا کہ کیون نہین تملوگ بخشش چاہتے اللہ سے تاکہ تمپر رحم ہو۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ استغفار اللہ سے سبب رحمت اللہ ہے۔

۵۸۔ بینات و ہدایات کتاب اللہ کے چہپانے کی وعید یہ ہے کہ لعنت کرتے ہین اُنپر لعنت کرنے والے اور البتہ نہین کہاتے اپنے بطون مین مگر نار اور قیامت کے دن اُنسے اللہ کلام نہ کریگا نہ اونکو مزکی کریگا اور اونکو عذاب الیم ہے۔

۵۹۔ اپنے قسمون کی حفاظت کرو اللہ لغو قسمون کا مواخذہ نہین کرتا و لیکن مواخذہ کرتا ہے اُسکا جو منعقد کیا تمنے اپنے قسمون کو اور کفارہ قسم کے توڑنے کا کپڑا یا کہانا دس مساکین کا ہے

اوسط اوس کا جو کھاتے ہین۔

۶۰۔ سارق وسارقہ سو کاٹ ڈالو انکے ہاتھ سزا مین اُنکے کسب کے تنبیہ ہے اللہ کے طرف سے اور اللہ عزیز حکیم ہے سو جس نے توبہ کیا بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کیا تو اللہ اُسکی توبہ قبول کریگا اللہ غفور الرحیم ہے۔

۶۱۔ نہ چھپاؤ شہادت اور جس نے اوسکو چھپایا تو آثم ہے قلب اُسکا جو تم کرتے ہو اللہ اُسکا علیم ہے

۶۲۔ اکرم الناس اتقی الناس عند اللہ ہے اصل لباس و نشان شرف انسان کا تقویٰ ہے یا ایہا الناس عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم لوگونکو اور تمہارے قبل کے لوگون کو تاکہ تقویٰ کرو (البقر) پس ایمان کے ساتھ عمل کرنے والے کے بعد متقی کا درجہ ہے اللہ سے ڈرنے ولے متقی فائز و جنتی ہونگے متقی کو اللہ محبوب رکھتا ہے۔

۶۳۔ اشداء علے الکفار رحماء بینھم۔ اذلۃ علے المومنین اعزت علے الکافرین۔ صفات مومنین قرآن مبین مین بیان ہین لہذا مخالفین عزت و رعب و اقتدار و وقار قایم رکھنا و مومنین پر رحمت کو دایم رکھنا چاہیے اور اونسے ملایم رہنا۔

۶۴۔ اعتصام باللہ و اعتصام بحبل اللہ و اعتصام بالقرآن و کفر بالطاغوت و تمسک بآیات اللہ کرنا چاہیئے اور تنازع و متفرق و مختلف و جدا جدا گروہ ہو جانے کی ممانعت ہے جیسا کہ دوسرے قومین ہوگئین اور ہوا تنازع سے بگڑ جاتی ہے و نامرد ہو جاتے ہین اعتصام بحبل اللہ سب کو و تا بہ امکان تمام اللہ پر ایمان لانے والون کی یک جماعت (حزب) ہونی چاہیئے جو اللہ کے سہارا کو ذریعہ الفت و مودت بنا کر اُسکو مضبوط کرلین (یونیورسل برادرہڈ اف گاڈ) سورہ عنکبوت مین ہے اور کہو ایمان لائے اُسپر جو نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہوا تم اہل کتاب پر اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود معبود واحد ہے اور ہم اوسپر ایمان لائے ہین پس جو اللہ واحد پر ایمان نہ لاوین

اُنسے بحیثیت مذہبی جماعت نہین قایم ہوسکتی تعلق بین الاقوامی رہ سکتا ہے لہذا جو دین
کے لئے مومنین سے نہ لڑین اور اُنکے دیار سے اُنکو نہ نکالین اُنسے بر و قسط کی ممانعت نہین
لیکن جو مومنین سے دین کے لئے لڑتے ہون اور مومنین کو اُنکے دیار سے نکالتے ہون اور
اُنکے نکالنے پر مدد کرتے ہون اُنسے دوستی کرنا ظالم بننا ہے۔ مومنو تم کو کیا ہے کہ نہین لڑتے
اللہ کی راہ مین حالانکہ کمزور مرد اور عورتین کہتی ہین اے رب ہمارے نکال ہمکو اس قریہ
سے کہ اُسکے اہل ظالم ہین۔ پس ظالمون کا مومنین کو ہجرت سے روکنا دوسرے مومنین
پر لازم کردیتا ہے کہ اُنکے نکالنے کے لئے ظالمون سے لڑین۔ اور مظلوم کو اگر راہ ملے تو ہجرت
کرنا چاہیے جو اللہ کی راہ مین ہجرت کرکے مرجائے یا قتل ہوجائے تو اُسکی مغفرت لیعد کریگا
٦٥۔ ابتغاء مرضات اللہ و لوجہ اللہ و حب اللہ جو عمل ہوگا اُسکے ثواب دینکا اللہ نے
وعدہ کرکے اپنے ذمہ اُسکا ثواب بتلایا ہے۔
٦٦۔ جو نام چاہین کسی کا رکھکر اُسکو اُس سے پکار سکتے ہین نیک نام سے یا بدنام سے
لہذا اللہ تعالے نے فرمایا کہ اللہ کہکر یا رحمٰن کہکر جس نام سے چاہو اُسکو پکارو اُسکے لئے
اسماء حسنیٰ موجود ہین یعنی بدنام رکھکر نہ پکارو۔
٦٧۔ محکوم کو باہم لڑا کر کمزور کرکے حکومت کرنی مفسدین فرعونی عمل مین سے ہے۔
٦٨۔ بروئے قرآن نماز ایسے حسنات مین سے ہے جو سیات دور کرتی اور نماز ادا کرنیوالے
کو مصلح بناتی اور فحشاء و منکر سے بچاتی اور وسائل تقوی مین سے ہے اور بہ نسبت
دیگر عبادات مقررہ کے اُسکی ادا کی نسبت سب سے زیادہ تاکید ہے۔
١۔ نمازونکی اُنکے وقتون مین حفاظت و مداومت و اقامت کرنا و قایم رکھنا چاہیے
خصوصاً صلوۃ وسطے کو اور ادب اور خشوع سے نماز مین اللہ کے حضور کھڑا ہونا چاہیے

اگر خوف ہو تو چلتی ہوئی یا سواری پر ادا کرنا جائز ہے شمس و قمر کے لئے سجدہ نہ کرنا چاہئے اگر اللہ ہی کے لئے عبادت کرتے ہوں یعنے اُنکے سجدہ سے شرک فی العبادت ہوتی ہے اور اسی قیاس سے اُنکے علاوہ غیر خدا کا سجدہ ناجایز ہوا۔ نماز و زکوٰۃ مخلصانہ دین القیمہ کے دو امر ہین تیسرا اصلاح تفقہ فی الدین سے اُنمین نہین ہوسکتی

۶۹۔ جو زکوٰۃ دیسکتا ہو اسکے ادا کی بہی تاکید شدید ہے اور اُسکی تاکید قریب قریب نماز کے تاکید کے برابر ہے زکوٰۃ یعنی صدقات کا مصرف سورہ توبہ مین مذکور ہے اُسکے مصرف مین اُسکو لگانا چاہئے زکوٰۃ پر جو کام کرتا ہو اُسکا اجر دینا زکوٰۃ کے مصرف مین سے ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ باقاعدہ و مشترکہ زکوٰۃ دینے والون کا دفتر ہونا لازم ہے تاکہ اکٹھا اپنے مصرف مین صرف ہو۔ بر و احسان و انفاق و ایثار کے بہی بہت ثواب ہین لیکن وہ معینہ نہین اور زکوٰۃ یعنی صدقات معین رقم مین سے دینا ہوتا ہے جو تفاوت اُنکے مصرف مین بروے قرآن ثابت ہوتا ہے وہ لائق جز دان ہے

۷۰۔ مومنین پر روزہ فرض ہے اور غرض اُس سے تقوی ہے ۱۷ جو استطاعت راہ کی رکہتا ہو حج بیت یعنی طلب و عمرا اُس پر ایک بار فرض ہے۔ مخصوص غرض حج و عمرا و قربانی سے تقوی ہے

۷۱۔ سورہ قلم مین ہے سو نہ اطاعت کر جہٹلانے والونکی وہ چاہتے ہین کہ اگر تو ملایمت کرے تو وہ بہی ملایمت کرین اور نہ اطاعت کر ہر قسم کہانے والے ذلیل طعنہ دینے والے چغلی کرنیوالے خیر کے منع کرنیوالے حد سے باہر ہو جانیوالے اثیم کی سخت رو بعد اسکے بدنام اگر رکہتا ہے مال اور اولاد جب پڑہی جاتی ہین اُسپر ہماری آیتین کہتا ہے کہانیان ہین پہلونکی داغ دینگے ہم اُسکو سونڈ پر (رسوا کرینگے) اسکے بعد اور وعید شدید بہی ہے۔

۷۲۔ مرد عورت کے اور عورت مرد کے لباس ہین تمہاری بیویان تمہاری کہیتیان ہین۔ عورتونکا معروف کے ساتہ مثل مردونکے حق ہے مرد حاکم ہین عورتون پر بسبب اسکے کہ خرچ کرتے ہین عورتون پر اور بسبب اسکے کہ فضل دیا اللہ نے بعض کو بعض پر مذکورہ بالا مختصر انتخاب و ملخص پر بہی مجموعی طور پر غور کرنے اور انکو بکجا رکہنے سے ہر ایک باہمی اعمال مین جو تفاوت درجات جسکی نسبت باعتبار ضرورت ہے اور جن اصول و اطوار پر اُنکی بنیاد ہے وہ سب اور اُنکے اسرار اور حکمتین ظاہر و ثابت ہوتی ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنسے بہتر و موثر طریق تبلیغ و تلقین و تعلیم و تکمیل و نفع و راحت پہنچانیکا دوسرا نہین۔ خصوصاً احکام شرعی و غیر شرعی کا فرق و امتیاز ظاہر ہوتا ہے حالانکہ سبکا انتخاب نہین

Date	No.	Date	No.
DE 29 '78			

on Order No.

Price